تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر

ایک نظر

مرتبہ

جلال الدین شمس

مختصر فہرست مضامین

پیش لفظ 1

تمہید 2

حصہ اوّل

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر ایک طائرانہ نظر 4

تحریک کے بانی احرار تھے 5

احرار اب بھی پاکستان کے دشمن ہیں 5

تحریک ختمِ نبوت کا مقصد سیاسی تھا 7

لوگوں کو احمدیوں کے خلاف بھڑکانے کیلئے احرار کی چالیں 7

احمدیوں کی مظلومانہ حالت 13

صوبائی حکومت کا سلوک احمدیوں سے 19

رپورٹ میں مفید اصولی ہدایات 20

دو کتابچوں ''محاسبہ'' و ''تبصرہ'' کا جائزہ 22

حصہ دوم - فسادات کی ذمہ واری

مجلس احرار کی ذمّہ واری 28

جماعت اسلامی کی ذمّہ واری 31

آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن لاہور اور کراچی کی ذمہ واری 35

ممبران تعلیمات اسلامی بورڈ کراچی کی ذمّہ واری 37

صوبائی مسلم لیگ اور اس کے ممبروں کی ذمّہ واری 37

اخبارات کو امداد 43

مؤلفینِ تبصرہ کی عدالت پر بے جا نکتہ چینی 44

اخبارات کی ذمّہ واری 45

احمدی 46

حصہ سوم

مسلمانوں اور احمدیوں کے اختلافی مسائل

ختم نبوت اور وفات مسیحؑ 52

مسئلہ جہاد 54

اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کا موقف، حقوقِ شہریت، آزادئ تبلیغ وغیرہ 57

مؤلفینِ تبصرہ کی تنقید اور اسکا جواب 59

دیگر شکایات والزام

سخت الفاظ کا استعمال 65

انگریزی حکومت کی تعریف 68

فتح بغداد پر خوشی 74

پاکستان کی مخالفت 74

اسلامی اصطلاحات کا جائزہ اور ان کا استعمال 77

احمدی افسر 83

ڈپٹی کمشنر منٹگمری 84

دوسری قابل اعتراض تقریریں 85

تنظیم کی شکایت 88

فرقان بٹالین 88

رشتہ ناطہ، نماز و مسئلہ تکفیر 89

مسلمان کون ہے؟ 92

معاشرہ میں تلخی 93

حصہ چہارم

علماء اور مُسلم کی تعریف 95

The Persecution.org

مسئلہ ارتداد اور اسکی سزا 99

قرآن مجید سے قتلِ مرتد کا نظریہ غلط ثابت ہوتا ہے 100

مصنف رسالہ ''الشہاب'' کی قتل مرتد کے متعلق رائے غلط ہے 101

آیت **فاقتلو انفسکم** کے صحیح معنی 103

سورۂ توبہ کی آیات کا صحیح مفہوم 105

احادیث 108

اجماع 109

اسلامی ریاست 112

فرعونی ریاست 113

قوم شعیبؑ کی ریاست 113

رومی حکومت کے ماتحت یہودی ریاست 114

رومی ریاست 114

بُت پرستوں کی ریاست 114

مشرکینِ مکہ کی ریاست 115

غیر مسلموں کا حق تبلیغ 115

غیر مسلم حکومتوں کا ردّعمل 118

خاتمہ

مطالبات 119

رپورٹ کیا کہتی ہے؟ 123

عدالت کی اپنی رائے 124

ہماری رائے 127

ThePersecution.org

پیش لفظ

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر ایک کتابچہ ''محاسبہ'' اور دوسرا ''تبصرہ'' شائع ہو چکے ہیں۔ان دونوں کتابچوں میں سارا زورِقلم احمدیوں کوملزم گرداننے پرصرف کیا گیا ہےاورمؤلفینِ تبصرہ نے تو رپورٹ کی قدر و قیمت کم کرنے میں کوئی کسر اٹھانہیں رکھی۔

ہم نے اس کتاب میں یہ التزام کیا ہے کہ ہر معاملہ میں تحقیقاتی عدالت کی رائے بلاکم وکاست درج کر دی جائے تا بہی خواہانِ مملکت پاکستان معزز عدالت کی رائے کی روشنی میں ان وجوہ کو جوفسادات کا باعث ہوئیں پھر پیدا نہ ہونے دیں۔

اس جگہ میں مکرم چوہدری اسداللہ خان صاحب اورمکرم مولانا عبدالرحیم صاحب دردؔ کاشکریہ ادا کرنا ضروری خیال کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں اپنے قیمتی مشورہ سے امداد دی اور مسودہ کواوّل سے آخر تک پڑھا۔ اسی طرح مکرم شیخ بشیراحمد صاحب کا بھی کہ انہوں نے مسودہ کاایک حصہ سُنا اور مفید مشورہ دیا۔ نیز مکرم ومحترم حافظ مختاراحمد صاحب شاہجہانپوری کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے مسودہ پڑھ کربعض ضروری امور کے اضافہ کی طرف توجہ دلائی۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

خاکسار

جلال الدین شمس

(مرتب کتاب ہذا)

۱۴؍اپریل ۱۹۵۵ء

(مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس، ربوہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

تمہید

۱۹۵۳ کا سال تاریخ پاکستان میں اس لحاظ سے ایک غیر معمولی سال شمار ہوگا۔ کہ اس میں اپنے آپ کو مسلمان سمجھنے اور کہنے والی ایک چھوٹی سی جماعت کو اختلافِ مذہبی کی بناء پر مظالم کا تختۂ مشق بنایا گیا۔ اور اس کی تباہی اور بربادی کے لئے تمام مخربانہ طاقتیں جمع ہوگئیں۔ اور فسادات کا وہ شدید طوفان اٹھا جس کی نظیر صرف ازمنۂ قرونِ وسطیٰ میں ہی مل سکتی ہے۔

۶/مارچ ۱۹۵۳ء کے دن کے متعلق فاضل جج لکھتے ہیں:-

'' اُس دن کے واقعات کو دیکھ کر ''سینٹ بارتھولونیوڈے'' یاد آتا تھا''۔ [1]

ہاں وہ دن جس میں

''سول کے حکام جو عام حالات میں قانون وانتظام کے قیام کے ذمہ دار ہوتے ہیں کاملاً بے بس ہو چکے تھے۔ اور ان میں ۶/مارچ کو پیدا ہونیوالی صورتِ حالات کا مقابلہ کرنے کی کوئی خواہش اور اہلیت باقی نہ رہی تھی۔ نظمِ حکومت کی مشینری بالکل بگڑ چکی تھی۔ اور کوئی شخص مجرموں کو گرفتار کر کے یا ارتکابِ جُرم کو روک کر قانون کو نافذ العمل کرنے کی ذمہ داری لینے پر آمادہ یا خواہاں نہ تھا۔ انسانوں کے بڑے بڑے مجمعوں نے جو معمولی حالات میں معقول اور سنجیدہ شہریوں پر مشتمل تھے ایسے سرکش اور جنون زدہ ہجوموں کی شکل اختیار کر لی تھی جن کا واحد جذبہ یہ تھا کہ قانون کی نافرمانی کریں اور حکومتِ وقت کو جھکنے پر مجبور کر دیں۔ اس کے ساتھ ہی معاشرے کے ادنیٰ اور ذلیل عناصر موجودہ بدنظمی اور ابتری سے فائدہ اُٹھا کر جنگل کے درندوں کی طرح لوگوں کو قتل کر رہے تھے۔ ان کی املاک کو لوٹ رہے تھے اور قیمتی جائیداد کو نذرِ آتش کر رہے تھے۔ محض اس لئے کہ یہ ایک دلچسپ تماشا تھا یا کسی خیالی دشمن سے بدلہ لیا جا رہا تھا۔ پوری مشینری جو معاشرت کو زندہ رکھتی ہے، پُرزہ پرزہ ہو چکی تھی اور مجنون انسانوں کو دوبارہ ہوش میں لانے اور بے بس شہریوں کی حفاظت کرنے کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ سخت سے سخت تدابیر اختیار کی جائیں۔'' (رپورٹ صفحہ ۱۹۳)

---

[1] رپورٹ صفحہ ۱۷۱

اِن حالات کے پیش نظر قیامِ امن کی خاطر مارشل لاء کے اعلان کے بغیر کوئی چارہ نہ رہا۔فوج نے نہایت حزم واحتیاط لیکن جرأتمندانہ اور دلیرانہ مضبوط اقدام کے ساتھ شر پسند طاقتوں کو بہت جلد زیر کرلیا۔

اِن روح فرسا واقعات اور اس حالت زار کی خبریں دنیا کے پریس میں شائع ہوئیں اور پاکستان کی بدنامی کا باعث بنیں۔صوبہ پنجاب کی نئی حکومت نے، اِن فسادات کی وجوہ واسباب اور ان جماعتوں کا علم حاصل کرنے کے لئے جو اِن فسادات کی ذمہ دار تھیں، ایک تحقیقاتی عدالت کا تقرر مناسب خیال کیا۔اور گورنر پنجاب نے اپنے مخصوص اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے ہائی کورٹ کے دو معزز ججوں یعنی جسٹس محمد منیر اور جسٹس محمد رستم کیانی پر مشتمل تحقیقاتی عدالت کا اعلان کردیا۔اور ہدایت کی کہ مندرجہ ذیل دائرہ شروط کے اندر رہ کر فسادات کی تحقیقات کریں۔

۱- وہ کیا کوائف تھے جن کی وجہ سے ۶/ مارچ ۱۹۵۳ء کو لاہور میں مارشل لاء کا اعلان کرنا پڑا۔

۲- فسادات کی ذمہ داری کس پر ہے۔

۳- صوبے کے سول حکام نے فسادات کے حفظ ماتقدم یا تدارک کے لئے جو تدابیر اختیار کیں آیا وہ کافی تھیں یا ناکافی۔'' (رپورٹ صفحہ ۲)

تحقیقاتی عدالت نے یکم جولائی ۱۹۵۳ء کو اپنا کام شروع کیا۔پہلے شہادتیں قلمبند کی گئیں جن کا سلسلہ ۲۳/جنوری ۱۹۵۴ء تک جاری رہا۔پھر بحث کی سماعت کی گئی جو ۲۸/فروری ۱۹۵۴ء کو ختم ہوگئی۔فاضل ججوں نے کارمفوضہ کی تکمیل کیلئے نو ماہ تک جس لگاتار کوشش ومصروفیت سے کام کیا اور جس دلی توجہ ومحنت سے اسے انجام دیا وہ ہر پاکستانی کے لئے لائق صد شکریہ ہے۔انہوں نے تحقیقات کے متعلق ایک ضخیم رپورٹ تیار کرکے پاکستان کی ایک ناقابل فراموش خدمت سرانجام دی ہے۔اگر اس رپورٹ کی حسب منشاء پاکستان کی گورنمنٹیں صوبائی ہوں یا مرکزی، قانون وانتظام کے مسائل کو سیاست' خودغرضی اور ہردلعزیزی کی خواہش سے مبرّا رکھیں اور عدل وانصاف کی میزان کو ہر حال میں قائم رکھیں، تو بفضلہٖ تعالےٰ پاکستان میں اس قسم کے فسادات کا کریہہ منظر پھر کبھی دیکھنے میں نہیں آسکتا۔لیکن اگر یہ نصیحت پسِ پشت ڈال دی گئی تو پھر جیسا کہ فاضل ججوں نے رپورٹ کے آخری فقرہ میں لکھا ہے:-

''اگر جمہوریت کا مطلب یہ ہے کہ قانون وانتظام کو سیاسی اغراض کے ماتحت کردیا جائے تو اللہ تعالےٰ ہی علیم وخبیر ہے کہ کیا ہوگا۔''

(رپورٹ صفحہ ۴۲۵) ❁

❁ ہم نے اس کتاب میں تحقیقاتی عدالت کی اس رپورٹ کے صفحات دیئے ہیں جو اُردو زبان میں گورنمنٹ پنجاب کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔

حصّہ اوّل

(۱) تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر ایک طائرانہ نظر
اور
(۲) دو کتابچوں ''محاسبہ'' اور ''تبصرہ'' کا مختصر جائزہ

سہو و نسیان لازمۂ بشریّت ہے۔ اجتہادی غلطی ہر بشر سے ممکن ہے۔ سچّوں کے سردار حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

' اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اَنْسٰی کَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِیْتُ فَذَکِّرُوْنِیْ ' [۱]

کہ میں تو ایک بشر ہوں جیسے تم بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں۔ جب میں بُھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو

نیز فرماتے ہیں۔ میں بشر ہوں بہت ممکن ہے کہ تمہارے دو فریق میرے پاس مقدمہ لے کر آئیں اور ایک اُن میں سے اپنے دلائل کو خوب بنا سنوار کر پیش کرنے والا ہو اور دوسرا ویسا نہ کر سکے تو اگر میں اُس کی بحث سے متاثر ہو کر اس کے حق میں اُس چیز کا فیصلہ کر دوں جو اس کی نہیں تو میں اُس کے لئے آگ کا ٹکڑا کاٹتا ہوں۔[۲] یعنی صرف میرے فیصلے سے وہ جو اُس کا حق نہیں، حق نہیں بن جائے گا۔

فاضل ججوں سے انتہائی دیانتداری اور محنت کے باوجود اپنی رپورٹ میں بعض ایسی باتیں درج ہو گئی ہیں جو بعض اوقات حالات سے ناواقفیت کی بناء پر، کبھی سہو و نسیان سے اور کبھی ایک غلط ریکارڈ کو درست خیال کر لینے سے ہو جایا کرتی ہیں۔ مثلاً فاضل ججوں نے حضرت بانی جماعت احمدیّہ مرزا غلام احمد کو حضرت مرزا غلام مرتضٰے کا پوتا لکھا ہے[۳] حالانکہ وہ آپ کے بیٹے تھے۔[۴]

اِسی طرح لکھا ہے کہ احرار نے ۱۴/اگست کو یوم کشمیر منانے کا انتظام کیا۔[۵] حالانکہ ۱۴/اگست کو یوم کشمیر ڈے منانے کا انتظام آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے کیا تھا جس کے صدر حضرت امام جماعت احمدیہ اور ممبر ڈاکٹر سر محمد اقبال اور خان بہادر رحیم بخش اور سیّد محسن شاہ ایڈووکیٹ وغیرہ تھے۔[۶]

لیکن اس قسم کی غلطیاں رپورٹ کی اہمیت اور اسکی قدر و قیمت کو کم نہیں کر سکتیں۔

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ بلاشبہ ایک تاریخی دستاویز ہے۔ اس رپورٹ سے فسادات پنجاب کے، جو مذہب کے نام پر کئے گئے تھے، بہت سے ایسے پہلو منظر عام پر آ گئے ہیں جو بصورت عدم تحقیقات ہمیشہ کے لئے پردۂ اخفا میں رہتے اور کبھی منظر عام پر نہ آتے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ فاضل ججوں نے نہایت محنت اور اخلاص سے یہ رپورٹ تیار کر کے پاکستان کی ایک بڑی خدمت سرانجام دی ہے۔ کاش کہ پاکستانی معاشرے کے مختلف طبقات اور گروہ اس

---

[۱] ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۵۳ مطبوعہ مجتبائی دہلی | [۲] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۴۸ مطبوعہ مجتبائی دہلی | [۳] رپورٹ صفحہ ۸ | [۴] دیکھو تذکرہ رؤسائے پنجاب جلد ۲ صفحہ ۶۶ مترجم سید نوازش علی و کتاب البریّہ مؤلفہ بانی جماعت احمدیہ صفحہ ۱۳۴ حاشیہ | [۵] رپورٹ صفحہ ۱۰ | [۶] الفضل ۶/اگست ۱۹۳۱ء

کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھیں اور اپنی غلطیوں کی اصلاح کریں۔ اور اربابِ سیاست اور ارکانِ حکومت اور قوم کے لیڈر اُن غلطیوں، غفلتوں اور کوتاہیوں کا پھر شکار نہ ہوں جن کا نتیجہ فسادات کی صورت میں نکلا، تا مستقبل میں پھر کبھی مملکتِ پاکستان میں ایسے فسادات ظہور پذیر نہ ہوں۔

رپورٹ پر ایک طائرانہ نظر

رپورٹ پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے احراری تحریک کے متعلق جو منتج فسادات ہوئی مندرجہ ذیل حقائق نیّرِ تاباں کی طرح سامنے آجاتے ہیں۔

(۱) تحریک کے بانی احرار تھے

رپورٹ میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ احمدیت کے خلاف تحریک کے بانی اور اس کے چلانے والے احرار تھے۔ فاضل جج لکھتے ہیں :-

''مرکزی حکومت کے سرکاری اعلان میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ احمدیوں کے خلاف شورش کو احراریوں نے منظّم کیا۔'' [۱]

ہوم سیکرٹری صوبہ پنجاب نے اپنی یادداشت میں لکھا :-

''اِس میں کوئی شک نہیں کہ اس معاملے میں جارحیت کے ذمہ وار احرار ہیں۔ اور اس پورے مناقشے کے بانی مبانی بھی وہی ہیں .....حکومت صرف احرار کی برپا کی ہوئی شورش کو روکنے کی غرض سے احرار ہی کو لگام دینا چاہتی ہے۔'' [۲]

فاضل جج لکھتے ہیں :-

''سول بغاوت کا سارا سروسامان احرار ہی کا کیا دھرا تھا۔ آل مسلم پارٹیز کانفرنس بھی احرار ہی کی ساختہ پرداختہ تھی۔ اور اس کی کاروائیوں پر بھی انہی کا غلبہ رہتا تھا۔ مجلس کے بعض ممبر جو دوسری جماعتوں کے نامزد کئے ہوئے تھے وہ بھی دراصل احراری ہی تھے۔'' [۳]

(۲) احرار اب بھی پاکستان کے دشمن ہیں

تحقیقاتی عدالت اپنی رپورٹ میں ایک ثابت شدہ حقیقت کے طور پر تسلیم کرتی ہے کہ احرار قیام پاکستان کے مخالف تھے اور اب بھی مخالف ہیں۔

(۱) فاضل جج لکھتے ہیں :-

''خواجہ ناظم الدین نے احرار کو دشمنِ پاکستان قرار دیا اور وہ اپنی گزشتہ سرگرمیوں کی وجہ سے اسی لقب کے مستحق تھے۔ ان کے بعد کے رویّے سے یہ واضح ہو گیا کہ نئی مملکت کے وجود میں آنے کے بعد وہ اس کے مخالف ثابت ہوئے۔'' [۴]

(۲) **مرکزی حکومت کا اعلان** :-

''احرار کے ماضی سے ظاہر ہے کہ وہ تقسیم سے پیشتر کانگریس اور ان دوسری جماعتوں سے مل کر کام کرتے تھے جو قائداعظم کی جدوجہد کے خلاف صف آراء ہو رہی تھیں جو مرحوم نے دونوں کی آزادی کے لئے جاری کر رکھی تھی۔ اِس جماعت نے ابتک پاکستان کے قیام کو دل سے گوارہ نہیں کیا۔'' [۵]

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۱۴۹ | [۲] رپورٹ صفحہ ۲۷ | [۳] رپورٹ صفحہ ۲۷۷ | [۴] رپورٹ صفحہ ۲۷۸ | [۵] رپورٹ صفحہ ۱۵۰

(۳) **مسٹر دولتانہ کا اعلان :-** مسٹر دولتانہ نے ۱۰/مارچ ۱۹۵۳ء کے اعلان میں کہا :-

''پاکستان کے مخالف تفرقہ پرداز گروہ پاکستان کی سلامتی اور استواری کو نقصان پہنچانے کی غرض سے تحریک تحفّظ ختم نبوت سے فائدہ اُٹھا کر نظم حکومت کو درہم برہم کرنے اور مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے کے لئے بدنظمی کی آگ بھڑکا رہے تھے۔'' [۱]

(۳) **ڈی آئی جی، سی آئی ڈی** نے اپنی چٹھی مورخہ ۲/اپریل ۱۹۵۲ء میں احرار کو کانگرس کے پٹّھو ظاہر کر کے لکھا :-

''اِن میں سے بعض اب بھی کانگرس ہی کے وفادار ہیں۔ مشہور احراری حبیب الرحمٰن تقسیم کے بعد اس صوبے کو چھوڑ کر بھارت چلا گیا۔ **بعض احراری اپنے دلوں کی گہرائیوں میں اب تک پاکستان کے غدّار ہیں**۔ وہ بظاہر ایک مذہبی پلیٹ فارم پر کام کر رہے ہیں لیکن اُن کا مقصد اپنے ملک کی خدمت کرنا نہیں بلکہ اپنی بگڑی ہوئی ساکھ کو از سر نو قائم کرنا ہے۔'' [۲]

(۴) **فاضل جج لکھتے ہیں :-**

''مولوی محمد علی جالندھری نے ۱۵/فروری ۵۳ء کو لاہور میں تقریر کرتے ہوئے اعتراف کیا کہ احرار پاکستان کے مخالف تھے اور اُن کے عقیدے کی وجوہ عنقریب لوگوں پر ظاہر ہو جائیں گی۔ اس مقرر نے تقسیم سے پہلے اور تقسیم کے بعد بھی پاکستان کے لئے پلیدستان کا لفظ استعمال کیا اور سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری نے اپنی تقریر میں کہا۔ 'پاکستان ایک بازاری عورت ہے جس کو احرار نے مجبوراً قبول کیا ہے'۔'' [۳]

احراری احمدیوں کے متعلق اپنی تقریروں میں کہتے رہے ہیں کہ وہ غدّار ہیں اور پاکستان کے وفادار نہیں (رپورٹ صفحہ ۲۰) لیکن اللہ تعالیٰ نے تحقیقاتی عدالت کے ذریعے حقیقت بالکل آئینہ کر دی۔

(۳) احراری تحریک کی اصل غرض سیاسی تھی نہ دینی

(۱) **فاضل جج لکھتے ہیں :-**

''یہ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اب احراریوں نے احمدیوں کے خلاف نزاع کو اپنے اسلحہ خانے سے ایک سیاسی حربے کے طور پر باہر نکالا۔'' [۴]

پھر لکھتے ہیں

''احرار کے رویّے کے متعلق ہم نرم الفاظ استعمال کرنے سے قاصر ہیں۔ اُن کا طرزِ عمل بطور خاص مکروہ اور قابلِ نفرین تھا۔ اس لئے کہ انہوں نے **ایک دنیاوی مقصد کے لئے ایک مذہبی مسئلے کو استعمال کر کے اس مسئلہ کی توہین کی۔**'' [۵]

(۲) **مرکزی حکومت نے اپنے سرکاری اعلان میں لکھا :-**

''اِن لوگوں کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلافات پیدا کریں اور پاکستان کے استحکام کے متعلق عوام کے اعتماد کو نقصان

[۱] رپورٹ صفحہ ۱۷۳ | [۲] رپورٹ صفحہ ۴۹ | [۳] رپورٹ صفحہ ۲۷۵ | [۴] رپورٹ صفحہ ۲۷۵ | [۵] رپورٹ صفحہ ۲۷۸

پہنچائیں۔اس شورش کا یہ مقصد بالکل واضح ہے کہ مذہب کا لبادہ اوڑھ کر فرقہ وارنہ اختلاف کی آگ کو بھڑکایا جائے اور مسلمانوں کے اتحاد کو تباہ کر دیا جائے۔'' [1]

تحریک ختمِ نبوّت سیاسی مقاصد کے لئے تھی

گورنر پنجاب :- ''یہ یقین کیا جاتا ہے اور غالباً صحیح بھی ہے کہ احرار ہر دلعزیزی حاصل کر کے اپنے سیاسی مقصد کے پیش بُرد کے لئے ختم نبوت کی تحریک سے کام لینا چاہتے ہیں۔ [2]

تحریک کا مقصد بدنظمی اور لاقانونی پیدا کرنا تھا

احمدیوں کی مخالفت سے جو احرار کی اصل غرض تھی وہ ماتحت افسروں کو بھی نظر آ رہی تھی۔

(۱) مثلاً سپرنٹنڈنٹ پولیس سرگودھا نے احراریوں کی تقریروں کے متعلق اپنی رپوٹ میں لکھا :-

''احراری کارکن امن اور سلامتی کو برباد کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ان کا ظاہری مقصد تو احمدیوں کی مذمّت کرنا ہے لیکن اندرونی مقصد یہ ہے کہ بدنظمی اور لاقانونی پیدا کی جائے۔'' [3]

یہ تحریک آئینی نہیں

(۲) مسٹر انور علی، ڈی آئی جی، سی آئی ڈی نے ۲۳/اکتوبر ۱۹۵۲ء کو صورتِ حالات کا خلاصہ ذکر کرتے ہوئے لکھا :-

''اضلاع کے جاہل اور ناخواندہ ملاؤں نے جرأت پا کر صوبے کے دُوردست مقامات پر بھی احمدیوں پر حملے شروع کر دئے ہیں۔ یہ تحریک آئینی نہیں ہے اور اس کے پھیلانے کے لئے قابلِ اعتراض طریقے استعمال کئے جا رہے ہیں۔'' [4]

اور ہوم سیکرٹری نے لکھا کہ احرار اور بعض دوسرے مسلمانوں کی سرگرمیوں'' کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے ملک کے باشندوں کی ایک قلیل سی جماعت کو جسمانی یا مذہبی اعتبار سے نابود کر دیا جائے۔'' [5]

(٤) لوگوں کو احمدیوں کے خلاف مشتعل کرنے کیلئے احرار کی چالیں

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ سے احرار اور اُن کے رفیق کار علماء کی بعض اُن چالوں کا بھی پتہ لگتا ہے جو انہوں نے احمدیوں کے خلاف لوگوں کو اُکسانے اور اشتعال دلانے کے لئے اختیار کیں۔

(۱) سیاسی مقاصد کے حصول کی خاطر مذہب کا ناجائز استعمال

رپورٹ اس امر کی تصدیق کرتی ہے کہ احراریوں نے اپنے سیاسی اور دنیوی اغراض کے حصول کے لئے مذہب کو آلہ کار بنایا اور اپنے حریفوں کو مغلوب کرنے کے لئے اسلام کو بطور حربہ استعمال کیا اور عوام کے جذبات اور حسیّات کو مذہب کے نام پر مشتعل کر کے ناجائز فائدہ اٹھایا۔فاضل جج اُنکی اس چال کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:-

---

[1] رپورٹ صفحہ ۱۵۰ | [2] رپورٹ صفحہ ۳۲۸ | [3] رپورٹ صفحہ ۳۳۸ | [4] رپورٹ صفحہ ۱۱۶ | [5] رپورٹ صفحہ ۷۲

''اسلام اُن کے لئے ایک حربے کی حیثیت رکھتا تھا۔ جسے وہ کسی سیاسی مخالف کو پریشان کرنے کے لئے جب چاہتے بالائے طاق رکھ دیتے اور جب چاہتے اُٹھا لیتے۔ کانگرس کے ساتھ سابقہ پڑنے کی صورت میں تو اُن کے نزدیک مذہب ایک نجی معاملہ تھا اور وہ نظریہ قومیت کے پابند تھے لیکن جب وہ لیگ کے خلاف صف آراء ہوئے تو ان کی واحد مصلحت اسلام تھی جس کا اجارہ انہیں خدا کی طرف سے ملا ہوا تھا۔ اُن کے نزدیک لیگ اسلام کی طرف سے بے پرواہ ہی نہ تھی بلکہ دشمن اسلام بھی تھی۔ اُن کے نزدیک 'قائداعظم' 'کافراعظم' تھے۔ اسلامی طرز زندگی صرف اُنہی کو معلوم تھی۔ اور مسلم لیگ کا ہر شخص مذہب سے بیگانہ ہو کر زندگی بسر کر رہا تھا۔'' [1]

انہوں نے کہا کہ مسٹر جناح کی زندگی غیر اسلامی اور مسلم لیگ کے لیڈر ''بے عملوں'' کی ٹولی ہے۔'' [2]

نیز ان کے لیڈر مولانا مظہر علی اظہر کا یہ شعر ہے:-

اک کافرہ کے واسطے اسلام کو چھوڑا یہ قائد اعظم ہے کہ کافر اعظم

فاضل جج یہ شعر نقل کر کے لکھتے ہیں کہ:

''مولانا مظہر علی اظہر نے ہمارے سامنے نہایت خیرہ چشمی سے یہ اظہار کیا کہ (قائداعظم کے متعلق) وہ اب تک اِسی خیال پر قائم ہیں۔ احرار نے اپنی تقریروں میں صرف یہی نہیں کہا کہ قائداعظم نے ایک پارسی خاتون سے شادی کی تھی بلکہ یہ اعتراض بھی کیا کہ قائداعظم اب تک حج کے لئے مکہ معظّمہ کیوں نہیں گئے۔'' [2]

اور یہی چال احراریوں نے احمدیوں کے خلاف شورش برپا کرنے کیلئے اختیار کی اور ختم نبوت کے مسئلہ کو اپنی سیاسی اور دنیوی اغراض کے حصول کے لئے بطور حربہ استعمال کیا۔

فاضل جج لکھتے ہیں :-

''یہ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اب احراریوں نے احمدیوں کے خلاف نزاع کو اپنے اسلحہ خانے سے ایک سیاسی حربے کے طور پر باہر نکالا اور جو واقعات اس کے بعد پیش آئے وہ اس امر کی بیّن شہادت ہیں کہ وہ سیاسی جماعت کی حیثیت سے نہایت فہیم اور چالاک ہیں۔ انہوں نے سوچا کہ اگر وہ عوام کے جذبات کو احمدیوں کے خلاف برانگیختہ کر دیں گے تو کوئی ان کی مخالفت کی جرأت نہیں کرے گا اور ان کی سرگرمی کی جتنی بھی مخالفت کی جائے گی اُسی قدر وہ ہر دلعزیز اور مقبول عام ہو جائینگے اور بعد کے واقعات سے ظاہر ہو گیا کہ اُن کا یہ مفروضہ بالکل صحیح تھا۔'' [3]

انہوں نے

''ایک دنیاوی مقصد کے لئے مذہبی مسئلے کو استعمال کر کے اس مسئلہ کی توہین کی اور اپنے ذاتی اغراض کی تکمیل کے لئے عوام کے **مذہبی جذبات وحسیّات سے فائدہ اُٹھایا۔**'' [4]

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۷۲ | [2] رپورٹ صفحہ ۲۷۴ | [3] رپورٹ صفحہ ۲۷۶ | رپورٹ صفحہ ۲۷۸

دوسری چال - بے بنیاد اور جھوٹے الزامات

احراریوں نے احمدیوں کے خلاف ایک نہایت مکروہ اور قابلِ نفرین یہ چال چلی کہ اُن پر بالکل بے بنیاد اور خطرناک الزامات لگا کر عوام الناس کے جذبات کو اُن کے خلاف حد درجہ مشتعل و برانگیختہ کر دیا بطور مثال چند الزامات درج ذیل ہیں:-

۱- ضلع گورداسپور کا بھارت سے الحاق

احراریوں نے تقریر و تحریر کے ذریعہ نہایت وسیع پیمانہ پر یہ لغو و باطل پروپیگنڈہ کیا کہ ضلع گورداسپور کے بھارت سے الحاق کا باعث احمدی ہیں اور اسی الحاق کی وجہ سے پاکستان کو مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ ناپاک الزام جتنا بے بنیاد تھا اُتنا ہی اشتعال انگیز اور فتنہ خیز بھی۔ جب یہ پروپیگنڈہ انتہاء تک پہنچا دیا گیا تو مرکزی حکومت کو توجہ پیدا ہوئی اور اس نے ایک سرکاری اعلان کے ذریعہ اس الزام کا باطل اور بے بنیاد ہونا ظاہر کر کے یہ بھی لکھا کہ باؤنڈری کمیشن کے فائل دیکھ کر اور اس الزام کا بے بنیاد ہونا معلوم کر کے اس کے غلط ہونے کا اعلان کیا گیا ہے اور جو شخص فائل دیکھنا چاہے وہ دیکھ سکتا ہے لیکن احراری اس کے بعد بھی باز نہ آئے اور اپنی تقریروں میں اس الزام کا ذکر کر کے برابر اشتعال پھیلاتے رہے۔ رپورٹ میں لکھا ہے کہ

> ''احراری مقررین کئی دفعہ اپنی تقریروں میں کہہ چکے ہیں کہ مرزا محمود احمد اور چوہدری ظفر اللہ خان کی غدّاری ہی کی وجہ سے ضلع گورداسپور بھارت میں شامل ہو گیا اور پاکستان کو نہ مل سکا۔'' [۱]

فاضل ججوں نے اس الزام کو احمدیوں کے خلاف معاندانہ اور بے بنیاد الزام قرار دیا ہے اور تحقیقاتی عدالت کے صدر جسٹس منیر نے جو باؤنڈری کمیشن کے ممبر تھے، اس الزام کا باطل ہونا ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ رپورٹ میں لکھا ہے کہ :-

> ''احمدیوں کے خلاف معاندانہ اور بے بنیاد الزامات لگائے گئے ہیں کہ باؤنڈری کمیشن کے فیصلے میں ضلع گورداسپور اس لئے ہندوستان میں شامل کر دیا گیا کہ احمدیوں نے ایک خاص رویّہ اختیار کیا۔ اور چوہدری ظفر اللہ خان نے جنہیں قائداعظم نے اس کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے پر مامور کیا تھا، خاص قسم کے دلائل پیش کئے۔ لیکن عدالت ہذا کا صدر جو اس کمیشن کا ممبر تھا اس بہادرانہ جدوجہد پر تشکر و اطمینان کا اظہار کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے جو چوہدری ظفر اللہ خان نے گورداسپور کے معاملے میں کی تھی۔ یہ حقیقت باؤنڈری کمیشن کے کاغذات میں ظاہر و باہر ہے اور جس شخص کو اس مسئلے سے دلچسپی ہو وہ شوق سے اس ریکارڈ کا معائنہ کر سکتا ہے۔ چوہدری ظفر اللہ خان نے مسلمانوں کی نہایت بے غرضانہ خدمات انجام دیں۔ ان کے باوجود بعض جماعتوں نے عدالت تحقیقات میں اُن کا ذکر جس انداز میں کیا ہے وہ شرمناک ناشکرے پن کا ثبوت ہے۔'' [۲]

۲- جنگ شاہی کے حادثے کی ذمہ واری کا احمدیوں پر الزام

لائلپور ۲۶-۲۷ ستمبر ۵۲ء کو زیر اہتمام آل مسلم پارٹیز کنونشن ایک ''ختم نبوت کانفرنس'' منعقد ہوئی۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ختمِ نبوت کانفرنس

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۱۲۵ | رپورٹ صفحہ ۲۰۹

کی لاج رکھنے کے لئے احمدیوں پر یہ الزام لگایا۔

''کہ لاہور چھاؤنی کے پاس اور جنگ شاہی کے قریب ہوائی جہازوں کے جو حادثے پیش آئے اور جن میں جنرل افتخار خان اور جنرل شیر خان ہلاک ہوگئے اُن کی ذمہ واری مرزائیوں پر ہے۔''

ان تقریروں پر جو لائل پور میں ہوئیں، مسٹر انور علی، ڈی آئی جی، سی آئی ڈی نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:-

''یہ بیان بالکل جھوٹ ہے کہ جنگ شاہی یا لاہور چھاؤنی کے ہوائی حادثوں میں مرزائیوں کا ہاتھ تھا کیونکہ جنگ شاہی کے حادثے میں جو اشخاص ہلاک ہوئے اُن میں جنرل شیر خاں بھی تھے جو خود مرزائی تھے۔ احرار کی تقریریں صرف زہریلی نہیں بلکہ ناشائستہ اور مکروہ ہیں۔'' [1]

۳- جسٹس سکیمپ کی طرف ایک فیصلہ کا جھوٹا اِنتساب

فاضل جج اپنی رپورٹ میں احراریوں کے ایک پوسٹر کا ذکر کر کے لکھتے ہیں :-

''یہ پوسٹر بھی فحش و ناشائستہ مواد سے لبریز ہے۔ اس میں جسٹس سکیمپ کے ایک فیصلے کا ذکر بھی کیا گیا ہے جس میں جسٹس موصوف نے مرزا صاحب سے خرابی اخلاق منسوب کی ہے۔ حالانکہ دراصل جسٹس سکیمپ نے ایک ایسی تحریر کا اقتباس نقل کیا گیا ہے جس کے خلاف احمدیوں نے اعتراض کیا تھا۔ یہی تحریر اس طریقے سے ایک اور قابل اعتراض کتاب 'جانباز پاکٹ بک' میں نقل کی گئی تھی، اور ہم میں سے ایک نے اسی بناء پر کتاب کے مصنّف کو توہین عدالت کی پاداش میں ایک ماہ کی سزا دی تھی۔'' [2]

۴- سازش راولپنڈی کے متعلق جھوٹا پروپیگنڈا

فاضل جج لکھتے ہیں۔

''مولوی محمد علی جالندھری نے ۱۵/اپریل ۱۹۵۱ء کو منٹگمری کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ''ان کے پاس اس امر کی تحریری شہادت موجود ہے کہ سازش راولپنڈی سے احمدیوں کا تعلق ہے''۔ یہ بات بلاشبہ مہمل بات تھی اور مسٹر انور علی نے بالکل صحیح کہا کہ اس سے غیظ و غضب پیدا ہوگا لہٰذا تنبیہہ ہونی چاہیئے۔''

یہ ذکر کر کے فاضل جج لکھتے ہیں:-

''یہ واضح طور پر نفرت کی تلقین تھی اور نفرت بھی نہایت مکروہ قسم کی۔ کیونکہ نہ تو **مولوی محمد علی ایسے اہم تھے** کہ ایسی شہادت اُن کے قبضے میں ہوتی اور نہ کوئی ایسی تحریر اس کے بعد مقدمہ سازش کے ٹریبیونل کے سامنے پیش کی گئی۔ لیکن اس قسم کی شبہ انگیز خبر نہایت آسانی سے لوگوں کے دماغوں میں گھر کر لیتی ہے اور اس کا کوئی ثبوت پیش کیا جائے یا نہ کیا جائے سامعین اس کو بالکل صحیح اور شک و شبہ سے بالا سمجھ لیتے ہیں۔''

فاضل جج اپنی یہ رائے ذکر کر کے لکھتے ہیں:-

---

[1] رپورٹ صفحہ ۱۲۱ | رپورٹ صفحہ ۳۳۷

''ڈی آئی جی نے حسب سابق تنبیہہ کرنے کی تجویز کی لیکن حسب سابق کوئی تنبیہہ نہ کی گئی۔ مسٹر دولتانہ نے اُن کی یادداشت پر محض اپنے مختصر دستخط ثبت کر دئے۔ انہوں نے اپنی شہادت میں (موجودہ یادداشت کی نسبت نہیں) یہ صراحت کی ہے کہ جو فائلیں اُن کے پاس بغرض اطلاع بھیجی جاتی تھیں اُن پر وہ صرف اپنے مختصر دستخط کر دیا کرتے تھے۔ لیکن یہ فائل تو کسی قطعی اقدام کی متقاضی تھی۔'' [1]

۵- خان لیاقت علی خان کے قتل میں احمدیوں کا ہاتھ

احراریوں کی ایک کانفرنس کے (جس کا نام ''صوبہ کانفرنس'' یا ''ختم نبوت کانفرنس'' یا ''دفاع کانفرنس'' تھا) ایک اجلاس میں جو ڈپٹی کمشنر ضلع منٹگمری مسٹر چیمہ کی صدارت میں ہو رہا تھا

''قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے یہ کہہ دیا کہ قائد ملت کے قتل میں (جو گذشتہ اکتوبر میں ہؤا تھا) احمدیوں کا ہاتھ تھا۔'' [2]

اور کہا

''مرزائیوں سے خبردار رہو۔ یہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور حکومت پاکستان کو چاہیئے کہ خان لیاقت علی خان کے قتل کی تحقیقات کرتے وقت ان کو ذہن میں رکھے۔ ان کو پاکستان میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔''

فاضل جج نے اس تقریر پر یہ طنزیہ ریمارک لکھا ہے:-

''ان لوگوں کی تعریف کرنی پڑتی ہے کہ یہ تمام قومی مصائب کی تحقیقات کے گمشدہ سلسلے دریافت کرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔'' [3]

۶- احمدیوں پر جاسُوسی کا الزام

فاضل جج لکھتے ہیں:-

''اکتوبر ۱۹۵۱ء میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے مظفر گڑھ میں تقریر کی جس میں تقسیم کے متعلق احمدیوں کے رویّے کی نسبت اپنے اکثر خیالات کا اعادہ کیا اور ایک نیا راگ اس میں شامل کر دیا کہ ''ایک احمدی جاسوس ایک شخص گوپال داس کی معیّت میں گرفتار کیا گیا ہے اور میں نے حکومت کو اس سلسلے میں عمدہ معلومات مہیّا کی ہیں۔''

اس پر فاضل جج لکھتے ہیں:-

''کیا عام سیدھے سادے لوگ تصور کر سکتے ہیں کہ یہ بزرگ، جو اپنی کُہن سالی کے بوجھ سے زیر بار ہونے کے باوجود شمشیر کی طرح تیز ہے، گوپال داس کے ساتھی کے متعلق ایسی کہانی تصنیف کرے گا جس کو سچائی سے کوئی دُور کا واسطہ بھی نہیں؟ اگر یہ سچ ہو تو کیا اس سے ''غدّاروں'' کے خلاف شدید جذبات مشتعل نہ ہو جائیں گے؟ اگر آپ یہ جانتے ہوئے کہ اس تقریر کی بناء جھوٹ پر ہے، اس کو نظر انداز کر رہے ہیں تو یہ مقرر کے سفید بالوں کا احترام تو شاید ہو لیکن آپ اس مرض سے تغافل کر رہے ہیں جو اُس نے آپ کی قوم میں پھیلا دیا ہے۔'' [4]

---

[1] رپورٹ صفحہ ۳۳۵ | [2] رپورٹ صفحہ ۳۶ | [3] رپورٹ صفحہ ۳۳۵ | [4] رپورٹ صفحہ ۳۳۰

۷- اخلاقی الزام

فاضل جج لکھتے ہیں۔ ۲۶-۲۷ نومبر ۱۹۴۹ء کو احرار نے سیالکوٹ میں تبلیغ کانفرنس منعقد کی۔ اس میں گیارہ ہزار حاضرین کے سامنے ماسٹر تاج الدّین، مولوی محمد حیات، مولوی محمد علی جالندھری، شیخ حسام الدین، قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے تقریریں کیں۔ اور ان سب نے احمدیوں کو، احمدیت کے بانی کو، احمدی لیڈروں کو اور چوہدری ظفر اللہ خان کو گالیاں دیں۔ اس جلسے میں جو تقریریں کی گئیں اُن کا نمونہ مولوی محمد حیات کی تقریر کی روداد میں ملے گا۔ (ملاحظہ ہو رپورٹ صفحہ ۱۶)

پھر مستقبل کو مدّ نظر رکھتے ہوئے ان کا بہتان ملاحظہ فرمائیے:-

''ہندوستان نے تو صرف ایک لاکھ مسلمان لڑکیوں کو محبوس کر رکھا ہے لیکن اگر مرزائی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تو وہ چار لاکھ لڑکیوں کو بے آبرو کر دیں گے۔'' [۱]

ناخواندہ عوام الناس کی حالت قابل رحم ہے جبکہ علماء کی جو سچوں کے سردار حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کی گدی پر بیٹھنے کے مدعی ہیں یہ حالت ہو کہ وہ جھوٹ بولنے اور بناوٹی واقعات کے بیان کرنے سے پرہیز نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے وعید شدید سے ذرا بھی نہ ڈریں۔ کیا ان مدعیانِ علم و فضل کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ لوگ جو کسی پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں اور اس کے چار عینی شاہد پیش نہیں کر سکتے، اسلام میں اُس کی سزا یہ ہے کہ لوگوں کے مجمع میں اُن کے اسّی دُرّے لگائے جائیں اور آئندہ اُن کی شہادت قبول نہ کی جائے کیونکہ وہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔

۸- علاوہ ازیں احراری مقررین نے احمدیوں پر یہ الزام لگایا کہ

''مرزائی نبی کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) کو گالیاں دیتے ہیں۔'' [۲]

اور ایک بے علم شخص محمد اشرف نے علماء کے اس افترا ؤ بہتان کو سچ خیال کر کے ایک احمدی مدرس غلام محمد کو قتل دیا'' [۳]

نیز احمدیوں پر یہ الزام لگایا گیا کہ :- ''وہ غدّار ہیں اور پاکستان کے وفادار نہیں۔'' [۴]

لیکن اللہ تعالےٰ نے عدالت کے ذریعہ ظاہر کر دیا ہے کہ احمدیوں پر غدّاری اور عدم وفاداری کا الزام لگانے والے درحقیقت خود پاکستان کے دشمن اور غدار ہیں اور وہ صرف پاکستان بننے سے پہلے ہی اس کے وجود میں آنے کے مخالف نہیں تھے بلکہ انہوں نے اب تک بھی پاکستان کے قیام کو دل سے گوارا نہیں کیا ہے۔ [۵]

تیسری چال - شورش کو مرکزی وزراء کی تائید حاصل ہے۔

احراریوں نے عوام الناس پر اپنا رعب قائم کرنے اور اثر ڈالنے کے لئے ایک یہ چال چلی کہ انہوں نے یہ مشہور کرنا شروع کر دیا۔ کہ انہیں مرکزی حکومت کے بعض وزراء کی تائید حاصل ہے۔ چنانچہ چیف سیکریٹری حکومت پنجاب نے لکھا ہے کہ

''اس کیس میں احرار نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ ان کی شورش کو مرکزی حکومت یا اس کے بعض وزراء و حکام کی تائید حاصل ہے۔ سی آئی ڈی کی رپورٹ مظہر ہے کہ شہروں میں یہ بات سرگوشیوں کے ذریعہ سے پھیلائی جا رہی ہے۔'' [۶]

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۴۸ | [۲] رپورٹ صفحہ ۲۵ | [۳] رپورٹ صفحہ ۲۵ | [۴] رپورٹ صفحہ ۲۱ | [۵] ملاحظہ ہو رپورٹ صفحہ ۴۹، ۱۵۰، ۱۷۳ | [۶] رپورٹ صفحہ ۷۴

ہوم سیکریٹری نے اپنی یادداشت میں اس پروپیگنڈے کا یہ اثر لکھا کہ :-

''اب عوام الناس کا احساس یہ ہے (گو یہ احساس ہرگز حق بجانب نہیں) کہ عزت مآب وزیر خارجہ کے بعض رفقائے کار اس شورش کی پشت پر ہیں ورنہ اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ اُن کے خلاف توہین و دُشنام کو نہایت بے فکری سے نظر انداز کر رہے ہیں۔'' [1]

پاکستان میں احمدیوں کی حکومت

احرار نے ایک طرف تو یہ کہہ کر کہ بعض مرکزی وزراء اُن کی پشت پر ہیں لوگوں کو اپنے ساتھ ملایا اور دوسری طرف یہ کہہ کر انہیں دہشت زدہ کیا کہ

''پاکستان پر احمدیوں کی حکومت ہے جو ملک کے غدّار ہیں۔ اس مقصد کی خاطر فوجی اور غیر فوجی احمدی عہدیداروں کی فہرستیں اکثر شائع کی جاتی ہیں۔'' [2]

الغرض یہ مختلف قسم کی چالیں تھیں جو مدعیان علم وفضیلت احراریوں اور اُن کے رفقاء نے لوگوں کو احمدیوں کے خلاف جذبات کو برانگیختہ کرنے کیلئے اختیار کیں۔

(۵) احمدیوں کی مظلومانہ حالت

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ کا دامن احمدیوں پر ظلم وستم، جبر وتشدّد اور اُن کی توہین وتذلیل کی داستانوں سے پُر ہے۔ ان پر خطرناک بہتان باندھے اور بے بنیاد الزام لگائے گئے۔ ان کو جلسوں، مجمعوں، سڑکوں اور گلی کوچوں میں فحش گالیاں دی گئیں۔ ایک عام اشتعال اور غیظ وغضب پھیلا دینے کے لئے خود ساختہ باتیں اُن کی طرف منسوب کر کے مشہور کی گئیں۔ جلوسوں میں اُن کے خلاف گندے اور دل آزار نعرے لگائے گئے۔ اور نہایت ایذا رساں کارٹون بنائے اور پھیلائے گئے۔ تحریروں، تقریروں اور فتوؤں میں اُن کو مرتد زندیق قرار دیکر عوام کو کھلے بندوں اُن کے قتل وغارت کی ترغیب دی گئی اور اس صدی کے علمائے کرام کا دماغ انکو صفحۂ عالم سے نیست ونابود کر دینے کی جو تدابیر سوچ سکتا تھا اُن کے سوچنے اور ان کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش میں کوئی کمی نہ کی گئی۔ اس سلسلہ میں احراریوں اور انکے رفقاء کار کی چند کاروائیوں کا ذکر بطور نمونہ مشتے از خروارے تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ سے درج ذیل ہے:-

(الف) احمدیوں کے قتل کی ترغیب

۱- رپورٹ میں بحوالہ یادداشت مرقومہ مسٹر انور علی ڈی آئی جی، سی آئی ڈی لکھا ہے:-

''احراریوں کا طرز عمل نہایت شر انگیز ہے اور انہوں نے جان بوجھ کر یہ طرزِ عمل اختیار کیا ہے تا کہ احمدیوں کے خون سے کھیل کر ارزاں ہر دلعزیزی حاصل کریں۔ یہ کہنا کہ احمدی زندیق ہیں لہٰذا مستوجبِ قتل ہیں اور مسلمانوں کو صرف نمازی نہیں بلکہ غازی بھی بننا چاہیئے اس کے سوا اور کوئی مطلب نہیں رکھتا کہ احمدیوں کو تہ تیغ کر دیا جائے۔'' [3]

۲- ''اطلاعات کے مطابق بعض احراری مقررین نے اپنی تقریروں میں کہا ہے کہ مرزائی مرتد ہیں اور احکام اسلامی کے مطابق واجب القتل ہیں۔'' [4]

(نیز ملاحظہ ہوں احراری علماء کی تقریریں مندرجہ رپورٹ صفحہ ۱۱۹، ۱۲۴، ۳۳۷، ۳۶۲ وغیرہ)

[1] رپورٹ صفحہ ۳۷ | [2] رپورٹ صفحہ ۲۱ | [3] رپورٹ صفحہ ۴۴ | [4] رپورٹ صفحہ ۱۱۳

۳ــ اسی طرح رپورٹ میں لکھا ہے۔

''سی آئی ڈی نے دورانِ مراسلت میں ایک چٹھی پکڑی جس میں لکھا تھا کہ جو شخص وزیر خارجہ کو قتل کرے گا اسکو جنت الفردوس میں جگہ ملے گی۔'' [۱]

۴ــ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے اپنی ایک تقریر میں یہ اعلان کیا کہ

''اگر مرزا غلام احمد نے آج کل کے زمانے میں نبوت کا دعویٰ کیا ہوتا، تو وہ اُنہیں اپنے ہاتھوں ہلاک کر دیتے۔ اس جلسے کے حاضرین میں سے ایک آدمی سچ مچ اُٹھ کر کہنے لگا کہ میں چوہدری ظفر اللہ خان کو ہلاک کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اور ایک اَور موقع پر مرزا بشیر الدین محمود احمد کو ہلاک کر دینے پر بھی آمادگی ظاہر کی گئی۔'' [۲]

(ب) احمدیوں کو گالیاں

۱ــ مسٹر انور علی ڈی آئی جی، سی آئی ڈی نے یادداشت میں لکھا :-

''جتنا وقت گذرتا گیا، تقریروں کا لہجہ بد سے بدتر ہوتا چلا گیا..... احرار نے اپنی پوری توجہ احمدیوں کی بدگوئی پر مرتکز کر دی اور نہایت شرمناک دُشنام طرازی کا آغاز کر دیا۔'' [۳]

۲ــ مسٹر نذیر احمد، ایس پی (B) نے یادداشت میں لکھا کہ احرار

''عام طور پر اپنی تقریروں میں مرزا غلام احمد کو دجّال، کذّاب اور زانی اور چوہدری ظفر اللہ خان کو غدّار اور دشمن پاکستان کہتے ہیں۔'' [۴]

تقریروں کا نمونہ:- احراری مقررین کی تقریریں اتنی گندی ہوتی تھیں کہ اُن کے ذکر سے اجتناب ہی مناسب ہے۔ ہم بطور نمونہ مولوی محمد علی جالندھری کی تقریر کو پیش کرتے ہیں۔ مولوی موصوف نے ۲۵ر اگست ۱۹۵۲ء کو منٹگمری کے احراری جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے یوں گوہر افشانی کی:-

''مرزائیت کوئی مذہب نہیں بلکہ تماشا ہے۔ اور مرزائی چوہڑوں چماروں سے بدتر ہیں ..... مرزائے قادیان بدچلن آدمی تھا۔ اس کی حرم سرا کے سلسلہ میں کئی آدمی قتل کر دیئے گئے۔ مرزائیوں کو اپنے پانی کے نلوں سے پانی بھرنے کی اجازت نہ دینی چاہیئے اور اُن کے ساتھ ایک تانگہ میں نہیں بیٹھنا چاہیئے۔ ان کو مجبور کرنا چاہیئے کہ وہ دوبارہ اسلام قبول کر لیں۔ یہ صحیح ہے کہ وزیر اعظم کے اعلان مورخہ ۱۴ر اگست کے جواب میں ظفر اللہ خان کا جواب قابل اعتراض تھا لیکن چونکہ اُس کے چوتڑوں پر بڑے زور کی لات پڑی تھی اس لئے اُس کا چیخنا قدرتی تھا۔''

یہ ذکر کر کے فاضل جج لکھتے ہیں :-

''چیف منسٹر نے یہ رپورٹ ۱۸ر ستمبر ۱۹۵۲ء کو ملاحظہ فرمائی۔ شاید اس مرحلے پر بھی کسی ''عام تنبیہ کی فکر کرنا'' غیر ضروری تھا۔ لیکن

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۳۴۱ | [۲] رپورٹ صفحہ ۳۲۷ | [۳] رپورٹ صفحہ ۲۰ | [۴] رپورٹ صفحہ ۱۲۵

قانون ملکی کہاں تھا؟ کیا اس تقریر پر کسی شخص کو شرم نہ آئی؟ لیکن ہم بھول رہے ہیں حکومت کوئی کاروائی کر ہی نہ سکتی تھی کیونکہ سی آئی ڈی یا ہوم سیکرٹری نے کسی کاروائی کی تجویز نہ کی تھی۔ باقی رہا ڈسٹرکٹ پولیس کا معاملہ تو غالباً یہ لوگ اپنے دوسرے فرائض میں مصروف ہوں گے جو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور کے قول کے مطابق تقسیم کے بعد اُن کے سپرد ہوئے ہیں یعنی ''بڑے آدمیوں کے استقبال کے انتظامات''۔'' ۱؎

۲ — چونکہ چوہدری ظفراللہ خاں کو قائداعظم مرحوم نے وزیر خارجہ مقرر فرمایا تھا اور وہ بانی پاکستان بھی تھے اس لئے احراری جودل سے اب بھی پاکستان کے دشمن ہیں، قائداعظم مرحوم کے متعلق بھی اس طرح گند اُچھالتے رہے۔ مثلاً صاحبزادہ فیض الحسن آلومہاری نے سیّد امام علی کے عُرس کے موقع پر ۲۷ راگست ۱۹۴۸ء کو موضع بھکر میں جو تقریر کی اُس میں کہا :-

''مشرقی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں نے جو ایک لاکھ مسلمان عورتوں کو اغوا کرلیا۔ تو اس کی وجہ یہ تھی کہ قائداعظم پاکستان کے گورنر جنرل بننے کے لئے بے حد مضطرب تھے۔'' ۞ ۲؎

اور عبدالرحمٰن میانوی نے چونڈہ ضلع سیالکوٹ کے جلسہ میں ۷رمئی ۱۹۴۸ء کو اپنی تقریر میں کہا:-

''مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتل عام کی ذمہ داری قائداعظم مرحوم پر ہے۔'' ۳؎

(ج) احراری تحریر کا نمونہ

فاضل جج ''ایک نہایت مکروہ افتتاحیہ'' کے زیر عنوان بحوالہ آزاد مؤرخہ ۱۲رنومبر ۱۹۵۲ء، جس کے ایڈیٹر ماسٹر تاج الدین تھے، لکھتے ہیں :-

''آخر کب تک اس ملک میں ایک زانی شرابی غنڈہ بدمعاش جعلساز جھوٹے اور دجّال کے متعلق نبی، مسیح موعود، احمدؐ اور محمدؐ کے نام ہمارے کانوں میں ڈالے جائیں گے اور کب تک ایک ایسی عورت کے لئے جو ننگِ انسانیت ہے اُمت کی پاک اور باعصمت ماؤں کو اُن کی قبروں میں اور بے چین اور مضطرب کیا جائے گا۔'' ۴؎ (یہ حوالہ مرزا غلام احمد اور ان کی اہلیہ کے متعلق ہے)

منٹگمری کے احمدیوں کی ایک احتجاجی قرارداد پر حکومت پاکستان نے بتاریخ ۲۱رنومبر ۱۹۵۲ء حکومت پنجاب کو توجہ دلائی۔ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کی رپورٹ کے مطابق ڈی آئی جی نے ۲۴ردسمبر کے فیصلے سے دو دن بعد ۲۸ردسمبر کو یہ یادداشت لکھی ''کہ یہ مضمون زیر دفعہ ۱۵۳-الف وزیر دفعہ ۲۱ واضح طور پر قابل سزا ہے لیکن مرکزی حکومت نے اب تک کوئی رہنمائی نہیں کی۔ اس لئے مرکز کی بے التفاتی کے پیش نظر صوبائی حکومت کو کوئی کاروائی نہ کرنی چاہیئے۔'' اس پر فاضل جج لکھتے ہیں:-

''کسی قسم کی کاروائی نہ کرنے کی سفارش کے بعد ڈی آئی جی نے اس شدید دشنام وتوہین کے خلاف سخت نفرت کا اظہار کیا ہے جس کا نشانہ جماعت احمدیہ کے بانی اور اس کے افراد کو مسلسل بنایا جارہا ہے۔''

اس کے بعد ڈی آئی جی نے لکھا :-

۱؎ رپورٹ صفحہ ۳۶۰ | ۲؎ رپورٹ صفحہ ۱۵ | ۳؎ رپورٹ صفحہ ۱۴ | ۴؎ رپورٹ صفحہ ۳۶۸

۞ اسی تقریر میں اُس نے یہ بھی کہا: ''بیگم لیاقت علی خاں اور دوسری عورتیں جو پردہ نہیں کرتیں سب بازاری عورتیں ہیں۔'' (صفحہ ۱۵)

''یہ مضمون بھی اسی مہم کا ٹکڑا ہے جو احرار لیڈروں اور ملاؤں نے روزانہ جاری کر رکھی ہے۔ میں ماسٹر تاج الدین سے بات کروں گا۔''

ہوم سیکرٹری نے ۲۹ر دسمبر کو اس رائے سے اتفاق کیا اور چیف منسٹر نے ۵ر جنوری کو اس یادداشت پر دستخط کر دئے۔''

یہ لکھ کر فاضل جج لکھتے ہیں :-

''شرافت اور شائستگی اس فیصلے سے بغاوت کرتی ہے۔ ہم ''آزاد'' کی یہ تحریر تو اس سے قبل پڑھ چکے تھے۔ لیکن اس پر ڈی آئی جی کی یادداشت ہمارے سامنے اس وقت پڑھی گئی جب مسٹر دولتانہ ہمارے سامنے بطور گواہ پیش تھے۔ جب ہم نے اس یادداشت کو پڑھا تو ہمیں ایسا احساس ہوا جس کا ظاہر نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ ہمیں اپنی آنکھوں اور کانوں پر یقین نہ آیا۔ فیصلہ یہ ہوا تھا کہ اُن مکروہ صورتوں میں کم سے کم معمولی قانونی چارہ جوئی ضرور کر لینی چاہیئے۔ لیکن دو ہی دن کی مدت کے اندر کیا واقعہ پیش آیا جس کہ وجہ سے یہ فیصلہ بدل دیا گیا۔ کیا مرکزی حکومت نے ۲۴ر اور ۲۶ر دسمبر کے درمیان ہی بے التفاتی اختیار کر لی تھی؟ اگر ماسٹر تاج الدین کوئی خاص طور پر شائستہ آدمی تھے اور اُن کو بری الذمہ قرار دینے کے لئے کوئی وجہ پیدا کرنا ضروری تھا تو اس کے لئے مرکز کی بے التفاتی کا بہانہ ڈھونڈنا نہایت نازیبا بات تھی۔ اس صورت حالات کی مضحکہ خیزی اس واقعہ میں ہے کہ مضامین کی طرف صوبائی حکومت کو توجہ دلانے والا خود مرکز ہی تھا۔'' [1]

۲۔ دوسری تحریر:- فاضل جج لکھتے ہیں :-

''ایک اردو اخبار مزدور ملتان سے شائع ہوتا ہے جس کا ایڈیٹر سید ابوذر بخاری ہے جو مشہور احراری لیڈر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا بیٹا ہے۔.....اُس نے اپنی اشاعت مورخہ ۱۳ر جون ۱۹۵۲ء میں ایک مضمون شائع کیا جس میں جماعت احمدیہ کے امام کے متعلق عربی خط میں ایک ایسی پست اور بازاری بات لکھی کہ ہماری شائستگی ہمیں اس کی تصریح کی اجازت نہیں دیتی۔ اگر یہ الفاظ احمدی جماعت کے کسی فرد کے سامنے کہے جاتے اور نتیجہ یہ ہوتا کہ کسی کی کھوپڑی توڑ دی جاتی تو ہمیں اس پر ذرا بھی تعجب نہ ہوتا۔ جو الفاظ استعمال کئے گئے وہ پرلے درجے کے مکروہ اور متبذل ذوق کا ثبوت ہیں۔ اور ان میں اس مقدس زبان کی نہایت گستاخانہ تضحیک کی گئی ہے جو قرآن مجید اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان ہے۔ اس مضمون کو بھی ڈائریکٹر تعلقات عامہ نے پڑھا اور صرف یہی فیصلہ کیا کہ اخبار کو تنبیہ کر دی جائے۔ تین دن کے بعد اس اخبار نے اپنی اشاعت ۱۶ر جون ۱۹۵۲ء میں مرکزی حکومت کو گالیاں دیں۔ اگرچہ اس موقع پر اس اخبار سے تین ہزار روپے کی ضمانت طلب کی گئی لیکن چیف منسٹر نے ایک وفد کی عرض معروض پر ضمانت کا حکم منسوخ کر دیا۔'' [2]

(د) کارٹون کا نمونہ

فاضل جج لکھتے ہیں کہ اخبار ''آزاد'' کی اشاعت مورخہ ۱۱ر ستمبر ۱۹۵۲ء کا نام مطالبہ نمبر تھا۔

---

[1] رپورٹ صفحہ ۳۶۹ | [2] رپورٹ صفحہ ۸۷-۸۸

''اس اخبار نے اپنے صفحہ اول پر ایک کارٹون شائع کیا۔ اس کا جائزہ لینے والے افسر نے اس کی حسب ذیل تصریح کی:-

سرورق پر اس اخبار نے ایک رنگا رنگ کارٹون شائع کیا ہے جس میں جان بُل کو ایک سپیرا ظاہر کیا گیا ہے جو احمدیت کی ٹوکری سے سانپ نکال رہا ہے۔ ایک بڑا سانپ اس ٹوکری سے اُٹھ کر قادیان پر (جس کو ایک بلند مینار سے ظاہر کیا گیا ہے) چھا گیا ہے۔ وہاں سے وہ ایک سوراخ میں داخل ہو کر ربوہ میں مرزا بشیر الدین محمود احمد کی صورت میں نمودار ہو گیا ہے۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد کو اپنے مُنہ سے تین سانپ خارج کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ اِن سانپوں میں سے ایک تو راولپنڈی میں قائد ملّت مرحوم کو ڈس رہا ہے۔ دوسرا ایک ہوائی جہاز کو تباہ کر رہا ہے۔ (جنگ شاہی کے حادثہ کی طرف اشارہ) اور تیسرا چودھری ظفر اللہ خان کی شکل میں وزیر اعظم پاکستان کو ڈسنے کے درپے ہے۔'' [1]

''مرکزی حکومت نے اپنی چٹھی مورخہ ۱۱/اکتوبر ۱۹۵۲ء میں حکومت پنجاب کی توجہ اس کارٹون کی طرف مبذول کرائی۔ اس چٹھی میں لکھا تھا کہ غالباً حکومت پنجاب اس کارٹون کو ملاحظہ کر چکی ہے اور اس کے خلاف مناسب کاروائی کر کے مرکزی حکومت کو اطلاع دیگی۔ اس کے جواب میں ڈائریکٹر تعلقات عامہ نے اپنی چٹھی مورخہ ۲۳/اکتوبر ۱۹۵۲ء میں مرکزی حکومت کو صرف یہ اطلاع دی کہ حکومت صوبہ نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو ہدایت کی ہے کہ اس اخبار کے پرنٹر پبلشر کو طلب کر کے تنبیہ کر دیں کہ اگر وہ اس قسم کا مواد شائع کرنے سے باز نہ آئے گا تو حکومت اسکے اخبار کو بند کر دے گی۔'' [2]

(ح) احمدیوں نے نہایت اعلیٰ صبر کا نمونہ دکھایا

احمدیوں نے گالیاں کھائیں، توہین برداشت کی لیکن کسی صورت میں بھی یہ گوارا نہیں کیا کہ ملک میں لاقانونیت کا دور دورہ ہو۔ چنانچہ آئی جی مسٹر قربان علی خاں نے ۵/اپریل ۱۹۵۲ء کو لکھا کہ شیخ حسام الدین نے ''وعدہ کیا تھا کہ اُن کی جماعت آئندہ احمدیوں کے خلاف پروپیگنڈہ نہ کرے گی۔ لیکن ہر ممکن موقع پر اس کی خلاف ورزی کی گئی۔ یاد رہے کہ احمدی بھی بھیڑ کے بچے نہیں ہیں۔ وہ اس وقت چپ چاپ ہیں اور جوابی کاروائی نہیں کرتے کیونکہ وہ اپنی قلّتِ تعداد سے آگاہ ہیں لیکن ہر شخص کے صبر کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ بہرحال حکومت کا اپنا فرض بالکل واضح ہے۔ آخر حکومت کب تک اس بیدردانہ اشتعال انگیزی کو روا رکھے گی۔ اب تو قریب قریب یہی سمجھنا چاہیئے کہ احراری احمدیوں کو مبتلائے عذاب کر رہے ہیں۔'' [3]

(ط) احمدیوں کے مقابلے میں احرار کا طرزِ عمل

''۲۲/اور ۲۳/ستمبر ۱۹۵۱ء کو بھلوال میں ایک احمدی تبلیغ کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کے مقابلہ پر محض چڑانے کے لئے سامنے کی مسجد میں ایک سُنّی کانفرنس فی البدیہہ کر لی گئی۔ پولیس کی رپورٹ مظہر ہے کہ احمدیوں نے کوئی ناگوار بات نہیں کی لیکن احراریوں نے ایسی باتیں کیں۔'' [4]

(ی) اثرات ونتائج

جب حکومت کی طرف سے احراریوں کو کھلم کھلا لاقانونیت کی تلقین کرنے پر بمقتضائے قانون کوئی سزا نہ دی گئی۔ اور وہ عوامی ذہن کو احمدیوں کے خلاف مسموم کرتے چلے گئے۔ اُن کے مقاطعہ کی تلقین کی گئی۔ اُن پر تشدد کی تعلیم دی گئی۔ اُن کے قتل کی ترغیب دلائی گئی۔ افسروں نے احراریوں کی

---

[1] رپورٹ صفحہ ۱۰۲ | [2] رپورٹ صفحہ ۱۰۲ | [3] رپورٹ صفحہ ۵۱ | [4] رپورٹ صفحہ ۳۳۳-۳۳۴

اِن امن شکن کاروائیوں اور اُن کی تقریروں اور تحریروں کے خطرناک نتائج پر مفصل یادداشتیں قلم بند کر کے مقامی حکومت سے قانونی کاروائی کے لئے بار بار درخواستیں کیں اور کچھ پروا نہ کی گئی تو اس کا جو نتیجہ متوقع تھا وہی ظہور میں آیا۔ چنانچہ

۱- کوئٹہ میں ۱۱/اگست ۱۹۴۸ء کو مولویوں کی تقریروں سے متاثر و مشتعل ہو کر لوگوں نے ایک احمدی نوجوان فوجی افسر میجر محمود کو نہایت وحشیانہ طریق سے قتل کر دیا۔ پوسٹ مارٹم معائنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے جسم پر کند اور تیز دھار والے ہتھیاروں سے لگائے گئے چھبیس ۲۶ زخم تھے۔ [۱]

۲- ۳/اکتوبر کی رات کو بمقام اوکاڑہ ایک جلسہ عام میں مقررین نے بے انتہاء اشتعال انگیز تقریریں کیں۔ ایک مقرر نے جلسہ کے نوجوان حاضرین سے اپیل کی کہ مرزائی فتنہ سے قوم کو نجات دلاؤ۔ دوسرے دن محمد اشرف نے، جو تقریریں سُن چکا تھا، ایک احمدی مدرس غلام محمد کا تعاقب کیا جو اوکاڑہ جا رہا تھا اور اسے چھرا گھونپ کر اُسے قتل کر دیا۔ [۲]

۳- اوکاڑہ کے قتل کے بعد اسی مہینہ میں راولپنڈی میں ایک اور احمدی قتل کر دیا گیا۔ دونوں وارداتوں کے درمیان صرف چند روز کا وقفہ تھا۔ راولپنڈی کے باغ گوالمنڈی میں ایک شخص ولایت خاں نے بدر دین احمدی کو گولی سے مار ڈالا۔ اس قتل کا مقصد کچھ واضح نہیں۔ لیکن عینی شاہدوں میں سے ایک نے جس پر سیشن جج اور ہائیکورٹ دونوں نے اعتبار کیا ہے، یہ بتایا کہ جب مجرم عین موقع پر گرفتار کیا گیا تو اس نے خود یہ اعتراف کیا تھا کہ میں نے بدر دین کو اس لئے ہلاک کیا ہے کہ وہ احمدی ہے۔ [۳]

۴- کیچڑ پھینکی اور مُنہ کالا کیا

یکم اکتوبر ۱۹۵۰ء کو ایک احمدی مولوی نور دین سات دوسرے احمدیوں کے ساتھ تبلیغی مہم پر چک ۵ میں گیا۔ یہاں کے غیر احمدیوں نے مبلّغوں کو گھیر لیا پھر اُن پر کیچڑ پھینکی۔ اُن کے چہروں پر کالک ملی۔ اور گندے پانی میں سے اُنہیں ہنکا کر ریلوے سٹیشن اوکاڑہ تک پہنچایا۔ [۴]

۵- پتھر پھینکے:- ۱۶-۱۷/فروری ۱۹۵۲ء کو اپنی گراؤنڈ میں جماعت احمدیہ سیالکوٹ نے تبلیغی کانفرنس کی۔ احراریوں نے انتہائی کوشش کی کہ کسی نہ کسی طریقے سے یہ جلسہ ممنوع قرار پائے۔ جب انہیں اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی تو وہ ایک بہت بڑے ہجوم کے ساتھ جلسہ گاہ کو دل آزار نعرے لگاتے ہوئے آئے لیکن ڈی سی، ایس پی اور اے ڈی ایم کی موجودگی کی وجہ سے وہ اپنے منصوبوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر جب جلسے کے بعد احمدی اپنے گھروں کو واپس جا رہے تھے تو احراریوں نے اُن پر پتھر پھینک کر اپنے دل کا بخار نکالا۔ [۵]

۶- مسٹر انور علی نے ۲۰/مئی ۱۹۵۲ء کو ایک یادداشت میں ۱۹۵۰ء سے لے کر احرار کے افعال اور اثرات کا جو خلاصہ درج کیا ہے اُس میں لکھا ہے :-

۱- ''جنوری ۱۹۵۱ء میں احراریوں نے سیالکوٹ میں احمدیوں کا ایک جلسہ درہم برہم کیا۔''

۲- ''فروری میں چک جھمرا کے مقام پر مولوی عصمت اللہ احمدی کے بیٹے کو ریلوے سٹیشن پر احرار نے چھرا مار دیا۔''

۳- ''مارچ کو گوجرانوالہ کے مقام پر ایک احمدی دکاندار پر حملہ کیا گیا لیکن پولیس نے اس کی جان بچالی۔''

۴- ''اپریل میں لائلپور کے مقام پر غلام نبی جانباز کی دھمکی کے بعد ایک احمدی دکاندار پر حملہ کیا گیا۔''

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۱۳، ۱۴ | [۲] رپورٹ صفحہ ۲۵ | [۳] رپورٹ صفحہ ۲۷ | [۴] رپورٹ صفحہ ۲۴ | [۵] رپورٹ صفحہ ۴۰

۵- ''مئی میں سمندری کے مقام پر احمدیوں کی ایک مسجد جلادی گئی۔''

۶- ''نومبر میں پھر لائلپور میں احمدیوں کا ایک جلسہ درہم برہم کیا گیا جس کے باعث طرفین کو جانی نقصان اُٹھانا پڑا۔''

۷- ''اسی مہینے میں احرار نے ملتان میں احمدیوں کے ایک جلسہ کو منتشر کرنے کی کوشش کی۔'' [1]

یہ اور اِسی قسم کی اَور سختیاں مختلف مقامات کے احمدیوں پر کی گئیں لیکن طوالت کے خوف سے ہم اتنے ہی پر بس کرتے ہیں۔

۶- صُوبائی حکومت کا سلوک احمدیوں سے

مجلس عمل نے اپنے تحریری بیان میں فسادات کی ایک وجہ یہ لکھی ہے کہ مرکزی اور صوبائی حکومتوں نے احمدیوں سے ترجیحی سلوک کیا۔ [2] تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ اس دعویٰ کو بالکل غلط اور بے بنیاد قرار دیتی ہے۔ احمدیوں سے صوبائی حکومت نے جس قسم کا سلوک روا رکھا اس کے متعلق فاضل ججوں کی رائے حسب ذیل ہے :-

۱- ''احراریوں سے تو ایسا برتاؤ کیا گیا گویا وہ خاندان کے افراد ہیں اور احمدیوں کو اجنبی سمجھا گیا۔ احراریوں کا رویّہ اس بچے کا سا تھا جس کو اس کا باپ کسی اجنبی کو پیٹنے پر سزا کی دھمکی دیتا ہے اور وہ بچہ یہ جان کر کہ اُسے سزا نہ دی جائے گی، اجنبی کو پھر پیٹنے لگتا ہے۔ اس کے بعد چونکہ دوسرے لوگ دیکھ رہے ہوتے ہیں اس لئے باپ محض پریشان ہو کر بیٹے کو مارتا ہے لیکن نرمی سے تاکہ اُسے چوٹ نہ لگے۔'' [3]

پھر فاضل جج لکھتے ہیں :-

۲- ''حکومت نے احراریوں سے یہ اقرار حاصل کیا کہ وہ احمدیوں کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کریں گے۔ حکومت نے خود احمدیوں کی جماعتی حیثیت سے مذہبی عزت اور اس جماعت کے بعض اہم افراد کی ذاتی عزت کی کوئی پروانہ کی۔'' [4]

۳- ان اخبارات کو جو احمدیوں کے خلاف شورش کو ہوا دے رہے تھے، جیسا کہ دوسری جگہ ذکر کیا جا چکا ہے گورنمنٹ کا ایک محکمہ مالی امداد دے رہا تھا اور جیسا کہ رپورٹ کے از صفحہ ۱۰۷ تا ۱۱۰ سے ظاہر ہے مالی امداد کے علاوہ اُن کی قلمی امداد بھی کر رہا تھا۔

۴- افسران پولیس نے حکومت کے سامنے بارہا احراری لیڈروں کے خلاف قانون کے مطابق مؤثر کاروائی کرنے کے لئے تجاویز پیش کیں لیکن حکومت نے نہایت بے پروائی سے اُن کی تجاویز مسترد کر دیں۔ جب افسران پولیس نے مبیّنہ مجرموں کے خلاف قانون کے استعمال کی تجویز پیش کی تو حکومت نے بعض کو بڑے قرار دے کر اُن کے خلاف مقدمہ کرنے سے اس لئے اجتناب کیا کہ شورش میں اضافہ ہو جائیگا اور بعض کو چھوٹے قرار دے کر اس لئے کہ اُن کی شہرت ہو جائے گی اور سستی شہادت حاصل کریں گے۔ فاضل جج اپنی رپورٹ میں اُن کی اِسی پالیسی کے متعلق لکھتے ہیں:-

''ہم دیکھ چکے ہیں کہ مسٹر نذیر احمد ایس پی (B) نے خود اپنی مرضی سے گلوشاہ کے مقدمے میں قانون کو معطل کر دیا تھا۔ انہوں نے آغاز اس عذر سے کیا کہ مقدمہ چلانے سے غیر ضروری گڑبڑ ہوگی اور ختم اس قول پر کیا کہ مقررین اس قدر چھوٹے آدمی ہیں کہ اُن کے خلاف مقدمہ چلانا ہی فضول ہے۔ تمام مقدمات میں اِن دونوں میں سے ایک حالت ضرور پیدا ہوگی۔ یا تو مجرم ایک اہم آدمی

---

[1] رپورٹ صفحہ ۳۴۱ | [2] رپورٹ صفحہ ۲۵۶ | [3] رپورٹ صفحہ ۴۴۲ | [4] رپورٹ صفحہ ۳۶۸

ہوگا جس پر مقدمہ چلانے سے شورش میں اضافے کا خطرہ ہوگا اور یا وہ اتنا چھوٹا آدمی ہوگا کہ اس کے خلاف مقدمے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اور مسٹر نذیر احمد کی رائے دونوں صورتوں پر حاوی ہے۔ وہ دیکھ چکے تھے کہ جولائی میں گوجرانوالے کے مقدمات اس لئے واپس لے لئے گئے تھے کہ لوگ بہت پریشان و مضطرب ہو گئے تھے۔ لیکن ''بھیرہ کے مست قلندر کا رگڑا'' (بانیٔ احمدیت کے خلاف نہایت توہین آمیز اور دشنام آمیز کتابچہ) نظر انداز کر دیا گیا۔ کیونکہ اگر اس پر مقدمہ چلایا جاتا تو مصنّف کی شہرت ہو جاتی۔'' [1]

حد ہو گئی۔ قانون شکن اور مجرم لوگوں سے جو صوبائی حکومت نے سلوک کیا اس کے متعلق ہم فاضل ججوں کے چند ریمارکس اوپر درج کر چکے ہیں لیکن مندرجہ ذیل واقعہ اُن حکام کی اصل ذہنیت کا آئینہ دار ہے جو اس وقت کسی نہ کسی رنگ میں قیام امن کے ذمہ وار تھے اور وہ یہ ہے :-

سیالکوٹ کی تبلیغی کانفرنس میں جیسا کہ رپورٹ میں لکھا ہے لیڈرانِ احرار نے ''احمدیوں کو، احمدیت کے بانی کو، احمدی لیڈروں کو اور چودھری ظفر اللہ خاں کو گالیاں دیں۔ اس جلسے میں جو تقریریں کی گئیں ان کا ایک نمونہ مولوی محمد حیات کی تقریر کی روداد میں ملے گا۔'' (دیکھو رپورٹ ۱۶ جس میں نہایت گندے اور عریاں الزامات لگائے گئے ہیں۔ ناقل)

پراسیکیوٹنگ آفیسر نے جب قانونی کاروائی کی غرض سے اس تقریر کا مطالعہ کیا تو یہ رائے دی کہ اس قسم کے بیانات تو سیاسی مقررین کا شیوہ عام ہے۔ جن سے کسی کی بھی دل آزاری نہیں ہوتی۔'' [2]

اس قسم کے ماہرین علم النفس اُس وقت کی صوبائی حکومت کے پُرزے تھے جن کے سپرد لوگوں کی عزت و آبرو اور مال و جان کی حفاظت کرنا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۷- اصُولی ہدایات

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں بعض مقامات پر نہایت قیمتی اصولی ہدایات پائی جاتی ہیں۔ اُن میں سے ہم اس جگہ تین ہدایات کا ذکر کرتے ہیں:-

۱- حکام نے احرار کو بحیثیت مجموعی ''سستی شہادت'' کا مرتبہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اِس اندیشہ سے کہ پیمانہ اقدار میں اُن کا مرتبہ بلند ہو جائے گا اور وہ قید کے بعد اہم اشخاص بن جائیں گے۔ اس کا ذکر کر کے فاضل جج ایک اصولی ہدایت لکھتے ہیں۔

''یہ لوگ بھول جاتے ہیں کہ اقدام نہ ہونے کی صورت میں لوگ بدگوئی اور گالی گلوچ کو زندگی کا عام منظر سمجھ لیتے ہیں اور بالآخر جب یہ دشنام طرازی ناقابل برداشت ہو جاتی ہے اور اس کو روکنے کی کوشش کی جاتی ہے تو لوگ اس کو ''آزادیٔ تقریر میں ناواجب مداخلت'' قرار دینے لگتے ہیں۔ یہی جولائی ۱۹۵۲ء میں ہوا۔ مہینہ بھر قانون کی خلاف ورزی میں جلوس نکلتے رہے اور جب آخر اُن پر پابندی عائد کی گئی اور فرض شناس پولیس افسر نے اس پابندی کو نافذ کرنے کی کوشش کی تو انسانی بھڑوں کا ایک چھتّا اُس کے تھانے کے گرد جمع ہو گیا، جس نے آہنی کٹہرا توڑ ڈالا۔ انسانوں اور سامانوں پر اینٹیں پھینکیں۔ آگ لگانے کی کوشش کی۔ چند سرکاری افسروں کو زخمی کر دیا اور اُس وقت تک ٹھنڈے نہ ہوئے جب تک چھ گولیاں چھ سینوں میں ٹھنڈی نہ ہو گئیں۔'' [3]

۲- منتخب شدہ لیڈروں اور عوام کا تعلق

فاضل جج اس نظریہ سے متفق نہیں کہ ایک سیاسی لیڈر اسی صورت میں نمائندہ جمہور کہلا سکتا ہے جب کہ وہ جمہور کے احساسات، تعصّبات اور خواہشات کا

---

[1] رپورٹ صفحہ ۳۶۸ | [2] رپورٹ صفحہ ۱۶ | [3] رپورٹ صفحہ ۳۳۶

احترام کرے بلکہ اُن کا نظریہ جس میں پاکستان کے لئے ایک بڑا سبق پنہاں ہے یہ ہے:-

''جہاں ووٹر اپنے ووٹ کی قدر و قیمت جانتا ہو اپنے ملک کے مخصوص مسائل کو اور دنیا کے واقعات کی رفتار کو سمجھنے کے لئے ضروری عقل و فراست سے بہرہ ور ہو اور تمام قومی معاملات پر صحیح رائے قائم کرنے والا ترقی یافتہ ذہن رکھتا ہو، وہاں لیڈر یقیناً اس امر کا پابند ہوتا ہے کہ رائے عامہ کی پیروی کرے یا اپنے عہدہ سے مستعفی ہو جائے۔ لیکن ایک ایسے ملک میں جیسا ہمارا ملک ہے بلاشک و شبہ لیڈروں کا حقیقی وظیفہ یہ ہے کہ عوام کی رہنمائی کریں نہ کہ شروع سے آخر تک اُن کی مرضی پر اور بقول مسٹر قربان علی خاں کے ''ہر وقت ریوڑ کے آگے آگے'' چلیں۔'' [1]

۳- سیاست اور قانون و انتظام

فاضل جج لکھتے ہیں:-

''ہم ایک اور بات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو بے حد اہم ہے۔ کسی خاص انتظام کے ماتحت جس کا اصول ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ صوبہ مسلم لیگ کا لیڈر صوبے کا چیف منسٹر بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسا ہو سکتا ہے اور اس قصّے میں ایسا ہوا کہ مسلم لیگ کا لیڈر قانون و انتظام کے محکمے کا انچارج بھی تھا۔ اگر ایک ہی آدمی دو مختلف عہدوں پر قابض ہو تو یہ امر ناگزیر ہے کہ جو فیصلے وہ یا اس کی پارٹی سیاسی دائرے میں کرے وہ اگر قانون و انتظام کے دائرے کے متعلقہ معاملات کے ساتھ دُور یا نزدیک کا واسطہ رکھیں تو اُن فیصلوں کا اثر آخر الذکر دائرے پر پڑے۔ لیکن ارباب سیاست کے وظائف ایک حاکم کے وظائف سے لازماً مختلف ہوتے ہیں۔ ایک شخص سیاسی آدمی ہونے کی حیثیت سے محض پالیسی وضع کرتا ہے لیکن ایک حاکم کا کام یہ ہے کہ قانون کی موجودہ مشین کو بلا لحاظ کسی سیاسی مصلحت کے اس مقصد سے استعمال کرے کہ امن و انتظام قائم رہیں۔ اور معاشرے کی سلامتی پر جو حملے ہوں اُن کو دفع کیا جا سکے۔ اس تحقیقات کے دوران میں یہ نکتہ اس حد تک ثابت و واضح ہو گیا ہے کہ اس قسم کے انتظامات کے سنگین نتائج کے متعلق شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ مسلم لیگ کے انتخابی اعلان میں اس نکتے کا ذکر بھی کیا گیا ہے کہ مسلم لیگ پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ سے نفرت کرتی ہے اور ذمہ لیتی ہے کہ یہ قانون جو عام طور پر تشدد آمیز سمجھا جاتا ہے، منسوخ کر دیا جائے گا۔ لیکن پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ کو قانون کی شکل دی گئی کیونکہ موجودہ حالات میں اس قسم کے غیر معمولی قانون کا نفاذ ضروری سمجھا گیا تا کہ اگر کسی خاص صورت حالات میں سلامتی عامہ اور قیام انتظام کو شدید خطرہ پیش آنے کا احتمال ہو تو ہیئت منتظمہ کے پاس کافی اختیارات محفوظ ہوں۔ .....
جس وقت سے احمدی غیر احمدی نزاع نے امن و امان اور سلامتی عامہ کے لئے خطرے کی صورت اختیار کی بعض افسروں نے جن کے نزدیک ان دفعات کا استعمال ضروری تھا وزارت سے پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ کی کسی نہ کسی دفعہ کے ماتحت کاروائی کی سفارش کی۔ لیکن جس وقت یہ معاملہ مسلم لیگ کے لیڈر کے سامنے صوبے کے چیف منسٹر کی حیثیت میں پیش ہوا اس نے ایسے فیصلے کئے جن کا محرّک مسلم لیگ کا نظریہ تھا حالانکہ نظم و نسق حکومت کے نقطۂ نگاہ سے وہ فیصلے غلط تھے۔'' [2]

ایسی اور بہت سی مفید باتیں رپورٹ میں پائی جاتی ہیں۔

[1] رپورٹ صفحہ ۳۹۵ | [2] رپورٹ صفحہ ۳۹۷

تبصروں کا جائزہ

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر اس وقت تک دو تبصرے کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ اِن میں سے ایک تو مولانا مرتضٰی احمد خان میکش کا ہے جس کا نام 'محاسبہ' ہے اور دوسرا تبصرہ مولوی محمد نعیم صدیقی اور سعید احمد ملک صاحبان ممبران جماعت اسلامی کا لکھا ہوا ہے۔

مولانا میکش کا کتابچہ ۲۰×۳۰ کے سائز پر ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ مؤلف نے متعدد مقامات پر فاضل ججوں کی آراء اپنے الفاظ میں ناقص طور پر یا بگاڑ کر پیش کی ہیں۔ مثلاً صفحہ ۸ پر لکھا ہے کہ ''عدالت نے خواجہ ناظم الدین وزیراعظم پاکستان کی مرکزی حکومت کو اس وجہ سے فسادات کا ذمہ وار قرار دیا کہ اس نے چودھری ظفر اللہ خاں کو **محض** باہر کے ملکوں کی چہ میگوئیوں کے خوف سے وزارت سے برطرف نہ کیا۔'' حالانکہ تحقیقاتی عدالت نے ہرگز یہ نہیں لکھا جیسا کہ ہم تفصیل سے دوسری جگہ بیان کر چکے ہیں۔

(۲) اسی طرح عدالتی رپورٹ کے اس فقرہ کو کہ مطالبات ''**بظاہر** بہت معقول صورت میں پیش کئے گئے۔''[۱] اس طرح لکھ دیا ہے کہ ''مطالبات ایسے خوشنما انداز میں پیش کئے گئے۔''[۲]

(۳) اسی طرح احمدیوں کے متعلق یہ فقرہ کہ وہ ''لوگوں کو مرتد بنانے کی سرگرمیوں میں مصروف رہتے تھے''[۳] عدالتی رپورٹ کے حوالے سے لکھا ہے بحالیکہ رپورٹ میں مرتد بنانے کے الفاظ قطعاً موجود نہیں۔

اس کتابچہ کا ایک مقصد لوگوں کو یہ بتانا بھی معلوم ہوتا ہے کہ مجلسِ عمل نے احمدیوں کے خلاف جو کیس پیش کیا تھا وہ فاضل ججوں نے من وعن تسلیم کر لیا ہے اور احمدیوں ہی کو ملزم گردانا ہے۔ چنانچہ ذمہ واری کی بحث کرتے ہوئے جہاں باقی ساری جماعتوں کا ذکر سات (۷) صفحات میں ختم کیا ہے وہاں جماعت احمدیہ کا ذکر سولہ (۱۶) صفحات میں درج کیا ہے۔

اس کتابچہ پر نظر ڈالنے سے مؤلف کی ایک غرض اپنا تعارف کرانا بھی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ رپورٹ کی جن عبارتوں میں مؤلف کا ذکر آ گیا ہے وہ عبارتیں خاص طور پر اس کتابچہ میں درج کی گئی ہیں۔ (محاسبہ صفحہ ۱۶، ۵۹)

لیکن باایں ہمہ مؤلف محاسبہ نے رپورٹ کے متعلق یہ تسلیم کیا ہے کہ ''فاضل جج صاحبان نے ان اہم کوائف و مسائل کو بے نقاب کرنے میں جو ہمارے ملک کو درپیش ہیں، پاکستانی معاشرے کی بہت بڑی خدمت سرانجام دی ہے۔''[۴]

''تبصرہ''

دوسرا کتابچہ ''تبصرہ'' ۲۰×۳۰ سائز کے ۲۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ چونکہ جماعت اسلامی کے متعلق فاضل ججوں نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ یہ جماعت سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی خواہاں ہے اور جمہوری حکومت کو جیسی کہ پاکستان ہے شیطانی اور کفر قرار دیتی ہے اور اس

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۵۴ | [۲] محاسبہ صفحہ ۳۳ | [۳] محاسبہ صفحہ ۲۷ | [۴] محاسبہ صفحہ ۶۰

میں حصہ لینے والوں کو گنہ گار سمجھتی ہے اِس لئے وہ مسلم لیگ کے تصوّرِ پاکستان کی علی الاعلان مخالف تھی اور جب سے پاکستان قائم ہوا ہے جس کو ''ناپاکستان'' کہہ کر یاد کیا جاتا ہے یہ جماعت موجودہ نظام حکومت اور اس کے چلانے والوں کی مخالفت کر رہی ہے۔'' [1]

اس لئے تبصرہ کے مختلف مقامات سے انتقامی جذبہ کی بُو آتی ہے۔ہم مختصر طور پر ذیل میں اس کے محتویات کا ذکر کرتے ہیں۔

مؤلفین تبصرہ نے

(۱) سرے سے اس قانون کو ہی سراسر غلط اور ناروا قرار دیا ہے جس کے تحت یہ تحقیقات کروائی گئی۔ [2]

(۲) ۱۹۱۹ء کے ہنگاموں کی تحقیقات کے لئے بیرونی حکومت نے جو طریق اختیار کیا تھا وہ کم از کم موجودہ قومی حکومت کے طریق کار سے تو بدرجہا زیادہ منصفانہ اور قابل اطمینان تھا۔ [3]

(۳) رپورٹ کے متعلق مؤلفین تبصرہ کی یہ رائے ہے کہ عدالت نے واقعات کے بیان اور پھر اُن سے نتائج اخذ کرنے اور فیصلے دینے میں بہت بڑی حد تک ان سرکاری اطلاعات پر انحصار کیا ہے۔جو مختلف جماعتوں اور اشخاص کی کاروائیوں کے متعلق زیادہ تر بلکہ تمام تر سی آئی ڈی کی رپورٹوں پر مبنی تھیں۔ان سرکاری اطلاعات میں متعدد ایسی تھیں جو قطعی طور پر خلاف واقعہ ہیں۔ [4]

مؤلفین نے جو مثالیں غلط بیانیوں کی پیش کی ہیں ان میں سے ایک یہ بیان کی ہے کہ ہوم سکرٹری پنجاب نے اپنے ایک مراسلہ میں لکھا کہ :-

''جماعت اسلامی نے اپنے آٹھ مطالبات کے ساتھ اس نویں مطالبے کا بھی اضافہ کر لیا کہ مرزائی ایک الگ اقلیت قرار دئے جائیں اور سر ظفر اللہ خاں اپنے عہدے سے الگ کئے جائیں۔''

ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ جماعت اسلامی کے نویں مطالبے میں سر ظفر اللہ خاں کی علیحدگی کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہ تھا۔'' [5]

رپورٹ میں متعدد جگہ ان رپورٹوں پر فاضل ججوں نے تنقیدی بحث کر کے اپنی رائے قائم کی ہے اور اردو رپورٹ کے صفحہ ۱۱۶ پر مسٹر انور علی آئی جی پولیس نے صورت حالات کا جو خلاصہ پیش کیا ہے اُس کے الفاظ یہ ہیں :-

''حکومت کے مخالف عناصر مثلاً جماعت اسلامی (جس نے اپنے آٹھ مطالبات پر نویں مطالبہ کا اضافہ کر دیا ہے کہ احمدیوں کو اقلیت قرار دیا جائے)۔''

اس میں چودھری ظفر اللہ خاں کا مطلقاً ذکر نہیں ہے۔چونکہ احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دئے جانے کے ساتھ چودھری ظفر اللہ خاں کی علیحدگی کا مطالبہ بھی کیا جا رہا تھا۔اس لئے ہوم سکرٹری نے اس کا ذکر بھی نویں مطالبہ کیساتھ کر دیا۔

(۴) پھر مؤلفین تبصرہ نے یہ تنقید کی ہے کہ رپورٹ میں واقعات غیر متوازن رنگ میں بیان کئے گئے ہیں۔اور دلیل یہ دی ہے کہ ''واقعات کے بیان میں از اوّل تا آخر مخالفین قادیانیت ہی کی تحریروں،تقریروں اور کاروائیوں کا ذکر پوری طرح چھایا ہوا ہے۔یہ ذکر خال خال ہی کہیں آیا ہے کہ اس دوران میں قادیانی حضرات کیا کہتے اور لکھتے اور کرتے رہے۔'' [6]

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۶۱ | [2] تبصرہ صفحہ ۱۰ | [3] تبصرہ صفحہ ۸ | [4] تبصرہ صفحہ ۱۶ | [5] تبصرہ صفحہ ۱۶ | [6] تبصرہ صفحہ ۲۰

کیا خوب! جب احمدیوں نے امن شکنی کی کوئی بات ہی نہیں کی تھی اور اُن کی تحریریں اور تقریریں قانونی حدود کے اندر تھیں تو کیا عدالت از خود واقعات گھڑ لیتی؟

مؤلفین لکھتے ہیں۔''ہمارا مدعا ہرگز یہ نہیں کہ کسی جانبداری کی بنا پر ایسا کیا گیا ہے۔'' (صفحہ۲۰) مگر یہ جانبداری کا خیال کیوں آیا؟

(۵) طنزیات❁:- ''رپورٹ کے انداز بیان میں طنز کا اسلوب خوب دل کھول کر استعمال کیا گیا ہے۔'' پھر چند مثالیں دے کر ناصحانہ انداز میں لکھا ہے''ہمارے عدلیہ کا وقار اتنی اونچی چیز ہے کہ ہم اُسے غلط فہمیوں کے امکان سے بھی بلند و برتر دیکھنے کے متمنی ہیں۔'' [۱]

(۶) نیتوں پر اظہار رائے :- ''رپورٹ میں بہت سے لوگوں کی نیتوں کے خلاف بھی اظہار رائے کیا گیا ہے اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ اس اظہار رائے کا حصہ تقریباً سارے کا سارا ان اشخاص کو ملا ہے جو قادیانی مسئلے میں ایک ہی رجحان کے حامل تھے۔'' [۲]

اس سے بھی کوئی یہ خیال نہ کرے کہ مؤلفین تبصرہ فاضل ججوں کی غیر جانبدارانہ حیثیت پر کوئی اعتراض کر رہے ہیں۔

یہ تو واضح بات ہے کہ ایک عدالت جب کوئی حکم لگاتی ہے تو وہ نیتوں کو دیکھا کرتی ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کسی شخص کی نیت معلوم کرنے میں اجتہادی غلطی ہو جائے لیکن صالح ناصح مؤلفین کی نیت کے متعلق کیا کہا جائے جبکہ وہ تبصرہ کے صفحہ ۲۶ پر بحوالہ انگریزی رپورٹ صفحہ ۲۴۲ یہ لکھتے ہیں:-

''یہ بات حیرت انگیز ہے کہ پورا تعلیمات اسلامی بورڈ جو ایک سرکاری ادارہ ہے اس ڈائریکٹ ایکشن کے کاروبار میں ہمہ تن کود پڑے۔ مولانا سلیمان ندوی بورڈ❁ کے صدر، مولانا ظفر احمد عثمانی بورڈ کے سکرٹری اور مولانا محمد شفیع اور مولانا احتشام الحق بورڈ کے ممبر۔'' [۳]

لیکن اس سے بھی بڑھ کر حیرت انگیز یہ بات ہے کہ جو عبارت یہاں مؤلفین تبصرہ نے لکھی ہے وہ نہ انگریزی مطبوعہ رپورٹ میں ہے اور نہ اُردو رپورٹ میں۔ اُن میں جو نام لکھے ہیں وہ یہ ہیں:-

''مولانا سلیمان ندوی (صدر) مولانا ظفر احمد صاحب انصاری (سیکرٹری) اور مولانا محمد شفیع ممبر بورڈ ان قراردادوں میں شامل تھے۔'' [۳]

سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر مؤلفین تبصرہ نے انصاری کی جگہ عثمانی کیوں لکھا اور مولانا احتشام الحق کا نام کیوں زائد کیا جبکہ وہ دونوں رپورٹوں میں موجود نہیں۔ اس کی وجہ مؤلفین حاشیہ میں بتاتے ہیں۔ کہ

''رپورٹ کی ابتدائی کاپی جو پریس کو مہیا کی گئی تھی اس میں مولانا احتشام الحق کا نام بورڈ کے ممبر کی حیثیت سے لکھا گیا تھا۔ یہی

❁ خود مؤلفین نے تبصرہ میں کئی مقامات پر طنز کا اسلوب اختیار کیا ہے۔ اسی صفحہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ ''افسوس ہے مرحوم کی وہ تاریخی وصیت اس رپورٹ میں شائع نہیں ہو سکی جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ میرے کیے ہوئے دوسرے تقررات میں تو ردّ و بدل ہو سکتا ہے مگر ایک تقرر میں نے خصوصیت کے ساتھ بانی ریاست ہونے کی حیثیت سے کیا ہے اس لئے اس میں ردو بدل نہ ہونا چاہئے۔'' (تبصرہ حاشیہ صفحہ۲۲)

❁ مؤلفین تبصرہ اس پر حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ اس رپورٹ کی اشاعت کے وقت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم انتقال فرما چکے تھے۔ تو کیا مولانا کی وفات سے واقعہ، جس کا ذکر کیا گیا ہے، بدل گیا تھا؟ - مؤلف

[۱-۲] تبصرہ صفحہ ۲۳ | [۳] رپورٹ اردو صفحہ ۳۶۰

رپورٹ پریس میں شائع ہوئی۔ بعد میں عدالت کو معلوم ہوا کہ مولانا احتشام الحق بورڈ کے ممبر نہیں رہے اس لئے اُن کا نام اس کاپی سے حذف کیا گیا جواب پبلک کو مہیا کی جارہی ہے۔ اسی طرح مولانا ظفر احمد انصاری کے بجائے مولانا ظفر احمد عثمانی کو پہلے بورڈ کا سیکرٹری لکھا گیا۔ بعد میں اس کی تصحیح کی گئی۔'' [1]

مؤلفین تبصرہ کا یہ اسلوب فکر صاف بتا رہا ہے کہ وہ عدل وانصاف کی رُو سے نہیں بلکہ تعصب وانتقام کے جذبہ سے معمور ہو کر تبصرہ کر رہے ہیں۞۔ پھر ایسی غلطی ہر ایک انسان سے ہوسکتی ہے چنانچہ اسی رپورٹ میں دوسری جگہ مجلس عمل کے تحریری بیان کے حوالہ سے کنونشن کے ممبروں کی جو فہرست درج ہے اس میں انصاری کے بجائے مولانا ظفر احمد عثمانی کو تعلیمات اسلامی بورڈ کا سیکرٹری لکھا ہوا ہے۔ [2]

کیا اس سے فاضل ججوں کو دھوکہ لگنے کا امکان نہیں تھا۔ اور اگر مؤلفین تبصرہ کا بیان صحیح تسلیم کر لیا جائے تو غلطی کی تصحیح کر دینے کے بعد اُن کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ مطبوعہ رپورٹ کی طرف وہ عبارت منسوب کر دیں جو اُس میں نہیں ہے۔ اب مؤلفین خود ہی بتائیں کہ یہ تحریف کرتے وقت اُن کی نیت کیا تھی تا انہیں یہ کہنے کا موقعہ نہ ہو کہ دو برابر امکانات میں سے ایک کو ساقط اور دوسرے کو اختیار کیوں کیا گیا۔

پہلے ہمیں تعجب ہوا کہ مؤلفین کو کس نے پروف ریڈری پر لگایا تھا جو ان کے پاس غیر تصحیح شدہ پروف پہنچ گیا لیکن ایک دوسرے واقعہ کی یاد نے ہمارے تعجب کو دُور کر دیا۔ جو رپورٹ میں مسٹر انور علی ڈی آئی جی، سی آئی ڈی کے صورت حالات کا خلاصہ مورخہ ۲۳؍ اکتوبر ۱۹۵۳ء میں درج ہے۔

''راولپنڈی میں پچھلے دنوں بہت شرارت برپا کی گئی کیونکہ ایک خفیہ چٹھی جس میں ایک خاص کمانڈنگ آفیسر نے احمدیوں پر نکتہ چینی کی تھی دفتر سے چرا کر کھلم کھلا شائع کر دی گئی۔ ایک کلرک نے (جو ڈی ڈی ایم آئی کے دفتر سے تعلق رکھتا ہے) اپنے بیان میں احمدی افسروں کے خلاف نہایت اُوٹ پٹانگ الزامات لگائے۔'' [3]

جب سرکاری دفاتر سے خفیہ چٹھیاں اُڑائی جاسکتی ہیں تو پریس سے پروف کی کاپی حاصل کرنے میں کیا دقت ہوسکتی ہے۔

(۷) پھر لوگوں کے مسلک کی ترجمانی وتعبیر کے زیر عنوان لکھتے ہیں کہ

''بعض لوگوں کے نظریہ ومسلک کی ایسی تعبیر سامنے آتی ہے یا کوئی ایسی بات اُن سے منسوب ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے جو امر واقعہ سے کسی طرح مطابقت نہیں کھاتی۔'' [4]

اور مؤلفین نے اس کے ثبوت کے بارے میں جو عبارت رپورٹ سے پیش کی ہے جس میں مولانا مودودی کی طرف یہ رائے منسوب کی گئی ہے کہ

''نئی مسلم ریاست اگر کبھی وجود میں آئی بھی تو اسکی شکل غیر دینی ریاست کی ہوگی۔''

اِس عبارت میں 'نئی مسلم ریاست' سے مراد مسلم لیگ کا مجوزہ پاکستان ہے اور اسلامی ریاست کے تصور کے مخالف ہونے سے مراد بھی یہی ہے کہ جس مسلم ریاست کا مطالبہ کیا جارہا تھا وہ مولانا مودودی کے نزدیک مسلم ریاست نہ تھی۔ اور جس قسم کی مسلم ریاست وہ خود چاہتے تھے اس کے متعلق وہ جانتے

۞ مولانا مودودی صاحب کی جرأت ملاحظہ فرمائیں۔ انہوں نے تحقیقاتی عدالت کے روبرو جو پہلا تحریری بیان دیا اس میں بحوالہ الفضل ۳؍ جنوری ۱۹۵۲ء امام جماعت احمدیہ کی طرف منسوب کر کے یہ الفاظ لکھے ''ہم فتحیاب ہونگے۔ ضرور تم مجرموں کی طرح ہمارے سامنے پیش ہوگے۔ اُس وقت تمہارا حشر بھی وہی ہوگا جو فتح مکہ کے دن ابوجہل اور اسکی پارٹی کا ہوا۔'' حالانکہ یہ عبارت الفضل ۳؍ جنوری ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں قطعاً موجود نہیں۔ مؤلف

[1] تبصرہ حاشیہ ۲۶ | [2] رپورٹ صفحہ ۱۳۳ | [3] رپورٹ صفحہ ۱۱۷ | [4] تبصرہ صفحہ ۳۰

تھے کہ حاصل نہ ہوگی اور وہ مجوزہ پاکستان کے متعلق یہ سمجھتے تھے کہ اس کی حکومت ہر کافرانہ حکومت سے بھی بڑھ چڑھ کر اُن کے مقاصد میں حائل ہوگی۔ [1] اس لئے جو تنقید مؤلفین تبصرہ نے اس مقام پر کی ہے وہ برمحل نہیں ہے۔

(۸) کچھ تضاد - پھر مؤلفین تبصرہ لکھتے ہیں :-

''رپورٹ کے اندر متعدد ایسے نظریات وخیالات بھی درج ملتے ہیں جن کو متوسط ذہن کا آدمی بھی باہم دگر متضاد محسوس کرسکتا ہے اور ان کے بے جوڑ پن کو کسی تاویل سے رفع کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔'' [2]

مگر مؤلفین نے تضاد ثابت کرنے کے لئے جو عبارتیں پیش کی ہیں ان میں ہمارے نزدیک درحقیقت کوئی تضاد نہیں۔

(۹) پھر مؤلفین لکھتے ہیں۔ کہ تین اہم مطالبات کو صاف نہیں کیا گیا۔ اُن میں سے اُنہوں نے ایک "پُراسرار جیپ" کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ عدالت نے کوئی واضح فیصلہ نہیں دیا کہ ۴/ مارچ کو جو پُراسرار موٹر گاڑی مسلمانوں پر گولیاں چلاتی پھر رہی تھی اِس پر کون لوگ سوار تھے؟ [3]

اُردو رپورٹ کے صفحہ ۱۵۹/ پر فاضل ججوں نے اُن چالوں کا ذکر کیا ہے جو شورش پسندوں نے حکام کے خلاف نفرت پھیلانے کے لئے اختیار کر رکھی تھیں۔ اُن میں سے ۲/ پر اُن کی یہ چال بیان کی ہے کہ

''یہ افواہ پھیلائی گئی کہ احمدی موٹر کاروں میں سوار ہو کر اندھا دُھند لوگوں پر گولیاں چلا رہے ہیں۔''

فاضل جج اس کے متعلق لکھتے ہیں :-

''یہ بیان کہ بعض احمدی فوجی وردیاں پہنے ایک جیپ میں سوار ہو کر لوگوں کو اندھا دھند گولیوں کا نشانہ بنا رہے تھے۔ ہمارے سامنے موضوع ثبوت بنایا گیا اور اس کی تائید میں متعدد گواہ پیش کئے گئے اگرچہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک پُراسرار گاڑی میں بعض نامعلوم آدمی اس دن شہر میں گھومتے رہے لیکن ہمارے سامنے اس امر کی کوئی شہادت نہیں کہ اس گاڑی میں احمدی سوار تھے یا وہ گاڑی کسی احمدی کی ملکیت تھی۔'' [4]

تحقیقاتی عدالت کا فیصلہ اس معاملہ میں واضح ہے کہ جو الزام احمدیوں پر عائد کیا گیا تھا وہ تحقیقات سے غلط ثابت ہوا۔ اور حقیقتاً یہ بھی ایجی ٹیٹروں کی دوسری چالوں کی طرح جن کا ذکر فاضل ججوں نے کیا ہے ایک چال تھی۔ اور فاضل ججوں نے یہ بھی اپنے فیصلہ میں نہیں لکھا کہ اس جیپ کے سوار اندھا دھند گولیاں چلا رہے تھے مگر مؤلفین تبصرہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہی خیال کہ جیپ کے سوار احمدی تھے قادیانیوں کے سب نقصان کا موجب ہوا۔

پھر لکھتے ہیں کہ

''اگر اُن لوگوں کے احمدی ہونے کا ثبوت شہادتوں سے نہیں ملا تو قرآئن کیا کہتے ہیں؟'' [5]

پھر خود ہی فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ سرکاری جیپ نہ تھی۔ سرحد پار سے ہندو سکھ گولیاں چلانے نہیں آئے تھے اور نہ ہی مسلمان ہوسکتے تھے تو الزام پھر قابل غور رہ جاتا ہے۔ (تبصرہ صفحہ ۶۱ ملخصاً)

مؤلفین تبصرہ کی اس تنقید کا خلاصہ تو یہ بنتا ہے کہ شہادت موجود نہیں تھی تو نہ سہی۔ تحقیقاتی عدالت کا فرض تو یہ تھا کہ وہ کسی نہ کسی کو ملزم قرار دے۔

---

[1] مسلمانوں کی موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ ۱۰۶-۱۰۸ | [2] تبصرہ صفحہ ۳۵ | [3] تبصرہ صفحہ ۶۰ | [4] رپورٹ صفحہ ۱۵۹ | [5] تبصرہ صفحہ ۶۱

اس سلسلہ میں ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ قرائن کی بحث میں مؤلفین تبصرہ ایک صورت لکھنی چھوڑ گئے ہیں جو شاید سب صورتوں سے زیادہ قرین قیاس ہے وہ یہ کہ جن ایجی ٹیٹروں نے یہ افواہ پھیلائی تھی وہی اس پُراسرار گاڑی میں سوار ہوں گے اور یہ افواہ بھی اُسی طرح پھیلائی گئی۔ جس طرح کہ اُسی روز یعنی ۴/ مارچ کو پولیس کے خلاف یہ افواہ پھیلائی گئی تھی کہ

''پولیس نے رضا کاروں کو منتشر کرتے ہوئے قرآن مجید کی توہین کی، اُس کو ٹھوکریں لگائیں، اُس کے اوراق پھاڑ دیئے اور ایک چھوٹے سے لڑکے کو ہلاک کر دیا۔ دہلی دروازے کے باہر جلسہ ہوا جس میں ایک لڑکا پیش کیا گیا جو اپنے ہاتھ میں قرآن مجید کے چند پھٹے ہوئے اوراق لئے ہوئے تھا اُس نے بیان کیا کہ میں کلام الٰہی کی اس توہین کا عینی گواہ ہوں۔ ایک مولوی نے یہ اوراق ہاتھ میں لے کر حاضرین کو دکھائے اور ایک نہایت پُرتشدد تقریر کی جس سے غصے میں بھرا ہوا مجمع اور بھی زیادہ غضبناک ہو گیا۔ واقعہ کی یہ بناوٹی کہانی ہر جگہ جوش میں بھرے ہوئے لوگوں کا موضوع گفتگو بن گئی اور چند ہی گھنٹوں کے اندر جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی جس سے پولیس کے خلاف غیظ و نفرت کے جذبات برانگیختہ ہو گئے۔''

فاضل ججوں نے اس افواہ کو بھی زیر بحث لا کر اور متعدد شاہدوں کی شہادت لینے کے بعد یہ فیصلہ دیا۔

''چونکہ اس بارے میں غیر سرکاری شہادت مایوس کن حد تک ناکافی اور قلیل ہے اس لئے ہم قبول نہیں کر سکتے کہ کسی نے قرآن مجید کو ٹھوکر ماری تھی یا کسی لڑکے کو مار مار کے ہلاک کر دیا تھا۔'' [1]

اور اسی غلط افواہ سے اشتعال کے نتیجہ میں سید فردوس شاہ ڈی ایس پی کی وفات کا حادثہ ہوا۔ اُن پر چھروں اور لاٹھیوں سے حملہ کر کے ہلاک کیا گیا۔ سید فردوس شاہ کے جسم پر باون زخموں کے نشان تھے۔'' [2]

(۱۰) پھر مؤلفین تبصرہ لکھتے ہیں :-

''کہ عدالت نے بعض ایسے معاملات پر پورے زور کے ساتھ اور بڑی تفصیل کے ساتھ اظہار رائے کیا ہے جو رپورٹ کے ایک عام قاری کو شرائط تحویل سے باہر معلوم ہوتے ہیں۔ [3]

اس کا جواب فاضل ججوں نے ابتدائے رپورٹ میں مسائل کا ذکر کر کے یہ دیا ہے

''یہ تمام مضامین جیسا کہ تفصیل سے ظاہر ہوگا کہ وہ کسی اعتبار سے بھی تحقیقات سے بے تعلق نہ تھے۔'' [4]

(۱۱) مؤلفین اپنے کتابچہ کے آخری حصے میں لکھتے ہیں کہ قادیانی مسئلہ کے سلجھانے میں رپورٹ نے کوئی حل پیش نہیں کیا۔ اُس نے صرف اس منفی بات پر اکتفاء کر لیا کہ ان مطالبات کو رد کر دیا جائے۔ مگر خود اس قضیے کو آخر کیسے حل کیا جائے۔ اِس باب میں کوئی مثبت تجویز پیش نہیں کی۔

مؤلفین تبصرہ نے کتابچہ کے آخر میں تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ کے متعلق اپنی رائے اِن الفاظ میں ظاہر کی ہے :-

''یہ ہے اس تحقیقات کا ماحصل جس پر پبلک کا روپیہ اور اس کے بہت سے کارآمد آدمیوں کا وقت بے دریغ خرچ کیا گیا۔'' [5]

لیکن اس رائے سے ہم اور دیگر بہی خواہان مملکت خداداد پاکستان متفق نہیں اور رپورٹ کا مطالعہ مؤلفین تبصرہ کی رائے کے باطل ہونے کا بہترین ثبوت ہے۔

---

[1] رپورٹ صفحہ ۱۵۹ | [2] رپورٹ صفحہ ۱۶۰ | [3] تبصرہ صفحہ ۶۸ | [4] رپورٹ صفحہ ۷ | [5] تبصرہ صفحہ ۲۰۷

حِصّہ دوم

فسادات کی ذمّہ داری

تحقیقاتی عدالت کا ایک فرض یہ قرار دیا گیا تھا کہ وہ تحقیق و تفتیش کے بعد رائے قائم کرے کہ فسادات کی ذمہ داری کس جماعت یا فرد پر عائد ہوتی ہے۔ عدالت نے اس ضمن میں جن جماعتوں یا افراد پر ذمہ داری ڈالی ہے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ذمہ دار جماعت کے اُن نظریات اور اغراض کا بھی ذکر کر دیا ہے جو ان فسادات کا درحقیقت پس منظر تھے۔ عدالت بعد از تحقیقات جن نتائج پر پہنچی ہے وہ حسب ذیل ہیں :-

(۱) مجلس احرار

(الف) احرار - فسادات کے براہِ راست ذمہ دار ہیں

فاضل ججوں نے احرار کی امن شکن کاروائیوں کا تفصیلی جائزہ لیکر یہ فیصلہ دیا ہے کہ

''سول بغاوت کا سارا سروسامان احرار ہی کا کیا دھرا تھا۔ آل مسلم پارٹیز کانفرنس بھی احرار ہی کی ساختہ پرداختہ تھی۔ اور اس کی کاروائیوں پر بھی انہی کا غلبہ رہتا تھا۔ مجلس عمل میں اُن کو اُن کے حصے سے زیادہ نمائندگی حاصل تھی اور مجلس کے بعض ممبر جو دوسری جماعتوں کے نامزد کئے ہوئے تھے وہ بھی اصل میں احراری ہی تھے۔ بالآخر گرفتاری اور قید میں بھی احراریوں کا حصہ سب سے زیادہ تھا پس وہ فسادات کے لئے براہ راست ذمہ دار تھے۔'' [1]

(ب) احرار نے قیام پاکستان کی مخالفت اسلام کے نام پر کی تھی

احرار کے متعلق تحقیقاتی عدالت اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ

''اسلام اُن کے لئے ایک حربے کی حیثیت رکھتا تھا جسے وہ کسی سیاسی مخالف کو پریشان کرنے کے لئے جب چاہتے بالائے طاق رکھ دیتے اور جب چاہتے اُٹھا لیتے۔ کانگرس کے ساتھ سابقہ پڑنے کی صورت میں اُن کے نزدیک مذہب ایک نجی معاملہ تھا۔ اور وہ نظریۂ قومیت کے پابند تھے۔ لیکن جب وہ لیگ کے خلاف صف آراء ہوئے تو اُن کی واحد مصلحت اسلام تھی جس کا اجارہ انہیں خدا کی طرف سے ملا ہوا تھا۔ اُن کے نزدیک لیگ اسلام کی طرف سے محض بے پرواہی نہ تھی بلکہ دشمن اسلام تھی۔ اُن کے نزدیک قائداعظم 'کافر اعظم تھے۔'

''انہوں نے اسلام کو حربہ بنا کر مسلم لیگ کو شکست دینے کی جو کوشش کی وہ احراری لیڈر مولانا مظہر علی اظہر کے بعض اقوال سے واضح

[1] رپورٹ صفحہ ۲۷۷

ہوتی ہے۔ یہ صاحب شیعہ ہیں لیکن انہیں مدح صحابہ جان سے زیادہ عزیز ہے اور لکھنؤ کے شیعہ سُنّی فسادات کے ایام میں انہوں نے اور اُن کے بیٹے نے یہی نعرہ اختیار کیا تھا جس سے ہر شیعہ غضبناک ہو جاتا تھا اور یہ دونوں شیعہ سُنّی فسادات کی آگ بھڑکانے کے لئے لاہور سے لکھنؤ گئے تھے۔''

شیعہ سُنّی نزاع سے اُن کی غرض کیا تھی وہ مولانا مظہر علی اظہر کے ایک خط سے ظاہر ہوتی ہے جو نوائے وقت ۲ رنومبر ۴۵ء میں شائع ہوا۔ اِس چٹھی میں مولانا نے لکھا

''مدح صحابہ کا حربہ مسلم لیگ کے خلاف مؤثر طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے اور الیکشنوں کے نتائج خواہ کچھ بھی ہوں، اس مسئلے پر مسلم لیگ اور حکومت دونوں کو ہتھیار ڈال دینے پڑیں گے۔ مولانا کے اس طرزِ عمل سے بالکل واضح ہے کہ احرار اور دوسری جماعتیں اپنے سیاسی مقصد کے لئے کس قدر آسانی سے مذہب کو استعمال کر لیتی ہیں۔'' [1]

''جہاں تک احراریوں کا تعلق ہے انہوں نے اپنے سیاسی مقصد کے لئے مذہب کا مسلسل استعمال کیا۔ انہوں نے کانگرس کو ترک کیا تو مذہبی وجوہ کی بنا پر کیا اور مسلم لیگ کی مخالفت کی تو وہ بھی مذہبی بنا پر کی۔''

اس کے بعد عدالت نے احراری لیڈروں کی بعض تقریروں کے اقتباسات نقل کئے ہیں۔

۱- مولانا مظہر علی اظہر نے ۱۹ رستمبر ۴۵ء کو امرتسر میں ایک بیان دیا :-

''مسلم لیگ کا نعرۂ پاکستان محض ایک سٹنٹ ہے، میں نہ مسٹر جناح کو قائداعظم مانتا ہوں نہ مسلم لیگ کو مسلمانوں کی نمائندہ تسلیم کرتا ہوں۔ کیونکہ مسٹر جناح کی زندگی غیر اسلامی ہے۔'' [2]

۲- امیر شریعت نے یہ اعلان کیا :-

''مسلم لیگ کے لیڈر بے عملوں کی ٹولی ہیں جنہیں اپنی عاقبت بھی یاد نہیں اور جو دوسروں کی عاقبت بھی خراب کر رہے ہیں اور وہ جس مملکت کی تخلیق کرنا چاہتے ہیں وہ پاکستان نہیں بلکہ خاکستان ہے۔'' [3]

اسی رہبر محترم نے پسرور میں تقریر کرتے ہوئے کہا :-

''اب تک کسی ماں نے ایسا بچہ نہیں جنا جو پاکستان کی پ بھی بنا سکے۔'' [4]

۳- ''چوہدری افضل حق احراری لیڈر نے مسلم لیگ کے تصور پاکستان کے خلاف بہت سی طنزیہ اور توہین آمیز باتیں کہیں جو 'خطبات احرار' کے صفحات ۴۱، ۸۲، ۸۳ اور ۹۹ پر درج ہیں۔'' [5]

۴- مولوی محمد علی جالندھری نے ۱۵ رفروری ۱۹۵۳ء کو لاہور میں تقریر کرتے ہوئے اعتراف کیا کہ

''احرار پاکستان کے مخالف تھے اور اُن کے اس عقیدے کی وجوہ عنقریب لوگوں پر ظاہر ہو جائیں گی۔''

''اس مقرر نے تقسیم سے پہلے اور تقسیم کے بعد بھی پاکستان کے لئے ''پلیدستان'' کا لفظ استعمال کیا۔'' [6]

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۷۳ | [2] رپورٹ صفحہ ۲۷۴ | [3] رپورٹ صفحہ ۲۷۴ بحوالہ ملاپ ۲۷ ردسمبر ۱۹۴۵ء | [4] رپورٹ صفحہ ۲۷۴ بحوالہ استقلال نمبر روزنامہ جدید نظام ۱۹۵۰ء | [5] رپورٹ صفحہ ۲۷۴

[6] رپورٹ صفحہ ۲۷۴، ۲۷۵

اوراحراری لیڈر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ایک تقریر میں کہا کہ ''پاکستان ایک بازاری عورت ہے جس کو احرار نے مجبوراً قبول کیا ہے۔'' [1]

(ج) احرار اب بھی دشمن پاکستان ہیں

عدالت نے یہ تسلیم کیا ہے کہ **احرار اب بھی پاکستان کے مخالف ہیں۔** فاضل جج لکھتے ہیں :-

''خواجہ ناظم الدین نے ان کو دشمن پاکستان قرار دیا اور وہ اپنی گذشتہ سرگرمیوں کی وجہ سے اسی لقب کے مستحق تھے۔ان کے بعد کے رویّے سے یہ واضح ہو گیا کہ نئی مملکت کے وجود میں آنے کے بعد وہ اس کے مخالف ثابت ہوئے۔ جو پارٹی پاکستان اور مسلم لیگ اور اس کے تمام لیڈروں کی مخالف اور کانگرس کی محض ایک کنیز تھی اس کے لئے یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ اپنے گذشتہ نظریات کو ترک کر دیتی اور قیام پاکستان پر، جو اس کی مخالفانہ کوششوں کے باوجود وجود میں آ گیا تھا، راتوں رات اپنے عقائد کو بدل کر اس مملکت میں اسلام کی واحد اجارہ دار بن بیٹھتی جس کے قیام کے خلاف اس نے ایڑی سے چوٹی تک زور لگا دیا تھا.....کیا ان کے ہندوستانی ساتھیوں کو جو اب تک احرار ہی کہلاتے ہیں کانگرس نے یہ کام سپرد نہیں کیا کہ وہ کشمیریوں کو بخشی کی حکومت گوارا کرنے پر آمادہ کریں۔'' [2]

(د) احمدیوں کے خلاف شورش کی اصل غرض وغایت

فاضل جج لکھتے ہیں :-

''مرکزی حکومت کے سرکاری اعلان میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ احمدیوں کے خلاف شورش کو احراریوں نے منظّم کیا ہے اور اُن کے ماضی سے ظاہر ہے کہ وہ تقسیم سے پیشتر کانگرس اور ان دوسری جماعتوں کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے جو قائداعظم کی اس جدوجہد کے خلاف صف آراء ہو رہی تھیں جو مرحوم نے مسلمانوں کی آزادی کے لئے جاری کر رکھی تھی۔**اس جماعت نے اب تک پاکستان کے قیام کو دل سے گوارا نہیں کیا۔** اِن لوگوں کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلافات پیدا کریں۔اور پاکستان کے استحکام کے متعلق عوام کے اعتماد کو نقصان پہنچائیں۔اس شورش کا یہ مقصد بالکل واضح ہے کہ مذہب کا لبادہ اوڑھ کر فرقہ وارانہ اختلافات کی آگ کو بھڑکایا جائے اور مسلمانوں کے اتحاد کو تباہ کر دیا جائے۔'' [3]

اوراحرار کی یہ حقیقت کوئی لکی چھپی بات نہ تھی بلکہ عام افسروں پر بھی اس کی حقیقت آشکار ہو چکی تھی۔مثلاً

(ا) مسٹر انور علی انسپکٹر جنرل پولیس نے ۲۱ر فروری ۱۹۵۳ء کو جو یادداشت چیف سیکرٹری کو ارسال کی اس میں احرار اور دیگر علماء جو ان کی پشت پناہی کر رہے تھے اُن کی سرگرمیوں کی کامیابی کا ذکر کر کے لکھا :-

''یہ لوگ پاکستان کی بیخ کنی کر رہے ہیں۔حکومت کو کمرِ ہمت باندھ کر اس خطرے کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔حکومت پڑھے لکھے طبقے کی ہمدردی کھو چکی ہے اور اب غیر ملکی لوگ بھی یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ حکومت غالباً اس بحران کا مقابلہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی جو علماء نے پیدا کر رکھا ہے۔'' [4]

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۷۵ | [2] رپورٹ صفحہ ۲۷۸ | [3] رپورٹ صفحہ ۱۵۰ | [4] رپورٹ صفحہ ۱۴۶

(۲) اور سپرنٹنڈنٹ پولیس سرگودھا نے اپنی ایک رپورٹ میں، جو حکومت کو بھیجی، واضح الفاظ میں لکھا :-

''احراری کارکن امن اور سلامتی کو برباد کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ اُن کا ظاہری مقصد تو احمدیوں کی مذمت کرنا ہے لیکن اندرونی مقصد یہ ہے کہ بدنظمی اور لاقانونی پیدا کی جائے۔'' [1]

(۳) مسٹر دولتانہ وزیراعلیٰ نے احرار کی سرگرمیوں کے متعلق جو پہلی یادداشت قلم بند کی اس کے متعلق فاضل جج لکھتے ہیں:-

''اس میں یہ بالکل صحیح لکھا کہ احراری اپنے لئے سیاسی مقام حاصل کرنے میں کوشاں ہیں۔''

یہی رائے مولوی ابوالحسنات کی تھی جو آخر میں ڈائریکٹ ایکشن کے پہلے ڈکٹیٹر بن گئے تھے۔ چنانچہ مولانا نے اپنے بیان میں جو مغربی پاکستان مؤرخہ ۱۱ر جولائی ۵۲ء میں شائع ہوا تھا یہ کہا کہ

''احرار نے ختم نبوت کی تحریک سیاسی مقصد سے شروع کی ہے اور ہمارا عزم مصمم ہے کہ ہم کسی سیاسی جماعت کو مذہب سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کا موقع نہیں دیں گے۔'' [2]

اس بارے میں محترم عدالت کا اپنا فیصلہ یہ ہے کہ

''یہ یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اب احراریوں نے احمدیوں کے خلاف نزاع کو اپنے اسلحہ خانے سے ایک سیاسی حربے کے طور پر باہر نکالا۔'' [3]

مزید برآں فاضل جج لکھتے ہیں کہ

''احرار کے رویے کے متعلق ہم نرم الفاظ استعمال کرنے سے قاصر ہیں اُن کا طرز عمل بطور خاص مکروہ اور قابل نفرین تھا اس لئے کہ انہوں نے ایک دنیاوی مقصد کے لئے ایک مذہبی مسئلے کی توہین کی۔ اور اپنے ذاتی اغراض کی تکمیل کے لئے عوام کے مذہبی جذبات وحسیّات سے فائدہ اُٹھایا۔'' [4]

پس احرار کی جاری کردہ شورش کا حقیقی پس منظر لیڈری کی خواہش اور سیاسی اقتدار حاصل کر کے پاکستان کی بیخ کنی اور اپنے مطلب کی حکومت قائم کرنا تھا۔

(۲) جماعت اسلامی

تحقیقاتی عدالت نے مجلس احرار کی طرح جماعت اسلامی کو بھی فسادات اور اُن کے نتائج کا براہ راست ذمہ دار قرار دیا ہے اور ذمہ داری کے تعین سے قبل فاضل ججوں نے جماعت اسلامی کے اغراض ومقاصد اور اُن کی سرگرمیوں کے دائرے کا بھی مختصر حال بیان کیا ہے۔ فاضل جج لکھتے ہیں:-

(الف) دو آئین :- ''تقسیم سے پہلے جماعت اسلامی کا صدر مقام پٹھان کوٹ ضلع گورداسپور میں تھا۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اس کے بانی تھے۔ تقسیم پنجاب کے بعد مولانا پاکستان چلے آئے اور انہوں نے ۱۹۵۲ء میں جماعت اسلامی پاکستان کے لئے ایک نیا آئین وضع کیا۔ ہندوستان کی جماعت اسلامی اب تک اپنا کام کر رہی ہے اور اس کا اپنا علیحدہ آئین ہے۔''

---

[1] رپورٹ صفحہ ۳۳۸ | [2] رپورٹ صفحہ ۲۷۶ | [3] رپورٹ صفحہ ۲۷۵ | [4] رپورٹ صفحہ ۲۷۸

(ب) جماعت کا نصب العین سیاسی اقتدار حاصل کرنا ہے

فاضل جج لکھتے ہیں :-

''جماعت اسلامی کا نظریہ نہایت سادہ ہے۔اس کا مقصد یہ ہے کہ دنیا بھر میں اللہ تعالےٰ کی حاکمیت قائم کی جائے جس کا دوسرے الفاظ میں یہ مطلب ہے کہ ایک دینی سیاسی نظام قائم کیا جائے جس کو جماعت ''اسلام'' کہتی ہے۔اس نصب العین کے حصول کے لئے وہ نہ صرف پروپیگنڈہ کو ضروری سمجھتی ہے۔ بلکہ آئینی ذرائع سے (اور جہاں ممکن ہو وہاں قوت سے) سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی خواہاں ہے۔''

(ج) دوسری حکومتیں شیطانی اور اس میں حصہ لینے والے گنہگار ہیں

''جو حکومت جماعت کے تصور پر مبنی نہ ہو، مثلاً جہاں اس کی بنیاد قومیت پر ہو، مولانا امین احسن اصلاحی کے نزدیک ''شیطانی حکومت'' اور خود مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے نزدیک ''کفر'' ہے۔اور تمام لوگ جو ایسی حکومت میں ملازمت یا کسی دوسری حیثیت سے حصہ لے رہے ہیں یا رضامندی سے اس نظام کی اطاعت کرتے ہیں وہ گنہگار ہیں۔''

(د) جماعت اسلامی پاکستان کی مخالف تھی اور ہے

''لہٰذا جماعت مسلم لیگ کے تصور پاکستان کی علی الاعلان مخالف تھی اور جب سے پاکستان قائم ہوا ہے جس کو ''ناپاکستان'' کہہ کر یاد کیا جاتا ہے۔ یہ جماعت موجودہ نظام حکومت اور اس کے چلانے والوں کی مخالفت کر رہی ہے۔ ہمارے سامنے جماعت کی جو تحریریں پیش کی گئی ہیں۔ان میں سے ایک بھی نہیں جس میں مطالبۂ پاکستان کی حمایت کا بعید سا اشارہ بھی موجود ہو۔اس کے برعکس یہ تحریریں جن میں کئی مفروضے بھی شامل ہیں۔تمام کی تمام اس شکل کی مخالف ہیں جس میں پاکستان وجود میں آیا اور جس میں اب تک موجود ہے۔ایک فوجی عدالت میں اس جماعت کے بانی نے یہ بیان کیا کہ مسلح بغاوت کے سوا جماعت کا عقیدہ اور مقصد یہ ہے کہ موجودہ نظام حکومت کو توڑ کر جماعت اسلامی کے تصور کے مطابق حکومت قائم کی جائے۔'' [1]

(ح) یہ مقصد افسروں کو بھی معلوم تھا

مسٹر انور علی ڈی آئی جی، سی آئی ڈی نے ۲۲/اکتوبر ۵۲ء کو صورت حال کا خلاصہ لکھتے ہوئے جماعت اسلامی کے متعلق لکھا :-

''حکومت کے مخالف عناصر مثلاً جماعت اسلامی (جس نے آٹھ مطالبات پر نویں مطالبے کا اضافہ کر دیا ہے کہ احمدیوں کو اقلیت قرار دیا جائے) اور اسلام لیگ (جس کا راولپنڈی میں خاص زور ہے) اور حکومت کے مخالف افراد مثلاً عبدالستار نیازی نے شورش پسندوں کی تائید وحمایت اختیار کر لی ہے۔تحریک کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ اکثر مقررین احمدیوں پر حملہ کرنے کے بعد حکومت کی مذمّت کرتے ہیں۔اور اس کو نا قابلیت، رشوت خوری اور خوراک کی کمی وغیرہ کے لئے موردالزام قرار دیتے ہیں۔اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ احمدیوں کے خلاف شورش کو محض رائے عامہ کے منظّم کرنے کے لئے ایک آلہ کار کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے تاکہ

[1] رپورٹ صفحہ ۲۶۱

بالآخر حکومت کے خلاف نفرت وحقارت کی آگ مشتعل کی جاسکے۔'' [1]

(ط) جماعت اسلامی ڈائریکٹ ایکشن کی حامی تھی

جماعت اسلامی نے فسادات کی ذمہ واری سے بچنے کے لئے یہ دلیل پیش کی تھی کہ اس نے ڈائریکٹ ایکشن کی یا ایسے اقدام کے فیصلے کی تعمیل کے لئے کسی پروگرام کی کبھی حمایت نہیں کی۔

تحقیقاتی عدالت نے اس سوال کو زیر بحث لاکر اس کی پوری چھان بین کی اور فاضل ججوں نے رپورٹ میں اس کے مالہٗ وماعلیہ پر بحث کر کے اور جماعت اسلامی کے دلائل کی کمزوری اور بوداپن ظاہر کر کے لکھا ہے :-

''اب جماعت اسلامی اور اس کے بانی کی سرگرمیوں کے تفصیلی بیان کے بعد جو حقائق جماعت اسلامی نے تسلیم کئے ہیں یا اس کے خلاف ثابت ہو چکے ہیں وہ یہ ہیں :-

۱- جماعت اسلامی پنجاب کی مجلس عمل کی ایک فریق تھی۔

۲- جماعت اسلامی اس مجلس عمل کی بھی ایک فریق تھی جو آل پارٹیز کنونشن نے قائم کی تھی اور جس نے ۱۸/جنوری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں ڈائریکٹ ایکشن کی قرارداد منظور کی تھی۔

۳- مولانا سلطان احمد نے جو کراچی میں ۲۶/فروری کو مجلس عمل کے اجلاس میں شریک ہوئے تھے اپنے آپ کو مجلس عمل کی سرگرمیوں سے منقطع نہیں کیا۔ گورنر جنرل اور وزیر اعظم پاکستان کی کوٹھیوں پر رضا کاروں کو بھیجنے کا پروگرام ان کی موجودگی میں طے کیا گیا لیکن انہوں نے اس کے خلاف کوئی احتجاج نہ کیا۔

۴- شروع سے آخر تک جماعت اسلامی کا ایک نمائندہ کراچی اور لاہور کی مجلس عمل کے اجلاسوں میں برابر شریک ہوتا رہا۔

۵- ڈائریکٹ ایکشن کی قرارداد منظور ہونے کی تاریخ سے لے کر فسادات کی پوری شدت تک جماعت اسلامی نے کوئی ایسا اعلان عام نہ کیا کہ وہ ڈائریکٹ ایکشن میں شامل نہیں ہے اور ان سرگرمیوں سے بے تعلقی کا اظہار کرتی ہے جو مجلس عمل کے طے کردہ پروگرام میں جاری تھیں۔

جماعت کو خوب معلوم تھا کہ ڈائریکٹ ایکشن کے پروگرام سے نہایت خوفناک قسم کے فسادات رُونما ہوں گے کیونکہ مولانا مودودی نے اپنی بعض تقریروں میں جو تسنیم میں شائع ہوئیں لفظ ''جنگ'' استعمال کیا اور ۳۰/جنوری کو لاہور میں موچی دروازے کے باہر تقریر کرتے ہوئے ہندو مسلم فسادات کا حوالہ بھی دیا۔

۵/مارچ سے پہلے تسنیم کی مختلف تحریرات اور جماعت اسلامی کی جاری کردہ ہدایات میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے یہ ظاہر ہو سکے کہ جماعت ''ڈائریکٹ ایکشن'' کے پروگرام کی حامی یا مؤید نہیں ہے۔ اس کے برعکس اُن تحریروں میں جو اس حقیقت کا چھپا ہوا اعتراف کیا گیا ہے کہ جماعت اسلامی نے اس معاملے میں ایک خاص ذمہ داری لی ہے جس کو پورا کرنے میں وہ اپنی بہترین قابلیت صرف کر دے گی۔''

---

[1] رپورٹ صفحہ ۱۱۶-۱۱۷

اگر یہ مان بھی لیا جائیے کہ

''جماعت اسلامی اور دوسرے فریقوں کے درمیان ڈائریکٹ ایکشن کے پروگرام کی تفصیلات کے متعلق اختلافات تھے اور جماعت آئینی ذرائع اختیار کرنے پر مصر تھی، پھر بھی اس امر کی حیثیت مجلس عمل کے ممبروں کے درمیان ایک گھریلو اور داخلی معاملہ کی تھی اور اس سے اس ڈائریکٹ ایکشن کے قدرتی نتائج کے متعلق جماعت کی ذمہ داری پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ جماعت اسلامی ڈائریکٹ ایکشن کے فیصلے میں سنجیدگی سے شامل تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر جماعت نے علی الاعلان اور وضاحت کے ساتھ اپنے آپ کو ڈائریکٹ ایکشن کے پروگرام سے بے تعلق کر لیا ہوتا تو وہ ان واقعات کی ذمہ دار نہ ہوتی جو بعد میں رونما ہوئے۔ لیکن اس امر کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے کہ جماعت نے ڈائریکٹ ایکشن سے اپنی بے تعلقی کا اعلان کیا ہو، اس کی نامنظوری ظاہر کی ہو یا اس کی مذمّت کی ہو۔'' [1]

(ی) ممبران جماعت اسلامی کا فسادات میں عملی حصّہ

مزید برآں تحقیقاتی عدالت نے اس امر کی بھی تصدیق کر دی ہے کہ جماعت اسلامی کے ممبروں نے فسادات میں حصہ لیا اور جن دو ممبروں کو جماعت سے خارج کیا گیا وہ بعد از وقت تھا۔ چنانچہ فاضل جج لکھتے ہیں :-

''میانوالی کے غلام صدیق اور سرگودھا کے سید احمد شاہ جماعت سے اسوقت خارج کئے گئے جب مارشل لاء کے نفاذ پر خاصی مدت گذر چکی تھی۔ لہٰذا اس اخراج سے جماعت کے موقف کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ بہت سے اضلاع کے ڈپٹی کمشنروں اور پولیس سپرنٹنڈنٹوں نے جو اطلاعات بصیغہ راز بھیجیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی کے ممبروں نے فسادات میں حصہ لیا۔ ڈپٹی کمشنر منٹگمری نے اپنی ڈائری مورخہ ۲۸ / مارچ ۵۳ء میں ایک شخص سلطان احمد کا ذکر کیا ہے اور اسی ضلع میں جماعت کا ایک اور ممبر محمد حسین تو گرفتار بھی کیا گیا تھا۔ گوجرانوالہ اور راولپنڈی کے پولیس سپرنٹنڈنٹوں نے بھی اپنی رپورٹوں میں ارکانِ جماعت اسلامی کی اُن سرگرمیوں کا ذکر بھی کیا ہے جو انہوں نے دوران فسادات میں اختیار کی تھیں۔'' [2]

(ک) قوت کے استعمال پر اعتراض کا جواب

اسلامی جماعت نے سارا الزام حکومت پر اس لئے عائد کیا کہ اُس نے فسادات کو فرو کرنے کے لئے قوت استعمال کی تھی۔ اس الزام کے جواب میں فاضل جج لکھتے ہیں :-

''جماعت کا یہ دعوی بالکل نازیبا ہے کہ سارا الزام حکومت پر عائد ہوتا ہے کیونکہ اس نے ان فسادات کو فرو کرنے کے لئے، جو نہایت سرعت سے نہایت تشویش ناک صورت اختیار کر رہے تھے، قوت کا استعمال کیا۔ سید فردوس شاہ کو ۴ (مارچ) کی شام کو ایک غضبناک ہجوم نے مسجد وزیر خاں کے اندر یا باہر قتل کر دیا۔ یہ بعد میں ہونے والے واقعات کا محض ایک پیش خیمہ تھا لیکن اس حادثے کے بعد بھی جماعت اسلامی نے نہ اظہار تاسف کیا، نہ اس وحشیانہ قتل کی مذمت میں ایک لفظ کہا۔ بلکہ اس کے برعکس اس جماعت کے بانی نے آگ وخون کے اس ہولناک ہنگامے کے درمیان ''قادیانی مسئلہ'' کا بم پھینک دیا۔'' [3]

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۷۰ | [2] رپورٹ صفحہ ۲۷۲ | [3] رپورٹ صفحہ ۲۷۱

(ل) عدالت کا فیصلہ

''جب جماعت اسلامی کے لیڈر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے حکومت کی ان سرتوڑ کوششوں میں جو وہ ۵/مارچ کے فسادات کو روکنے کے لئے کر رہی تھی کسی قسم کا تعاون پیش نہ کیا تو ہمارے نزدیک جماعت کی ذمہ داری میں بہت بڑا اضافہ ہوگیا۔ بلکہ اس کے برعکس مولانا نے سرکشانہ رویہ اختیار کیا۔ تمام واقعات کا الزام حکومت پر عائد کیا اور فسادی عناصر کو ''تشدد کا شکار'' کہہ کر اُن سے عام ہمدردی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ گورنمنٹ ہاؤس میں انہوں نے جو رویہ اختیار کیا اس کے متعلق جو شہادت پیش ہوئی ہے، اس سے ہم یہی اثر قبول کر سکتے ہیں کہ وہ پورے نظام حکومت کے انہدام کی توقع کر رہے تھے۔ اور حکومت کی متوقع پریشانی اور حوالگی پر بغلیں بجا رہے تھے۔ اور اگر اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھ لی جائے کہ جماعت اسلامی کا مقصد اقتدار حاصل کرنا ہے کیونکہ اس کے خیال کے مطابق اللہ کی حاکمیت کے ماتحت مذہبی ادارات کے قیام کا مقصد حاصل کرنے کا مؤثر ترین ذریعہ یہی ہے تو اس امر میں ذرا بھی شبہ باقی نہیں رہتا کہ جو کچھ ہو رہا تھا اُسے جماعت اسلامی کی پوری تائید وحمایت حاصل تھی لہٰذا ڈائریکٹ ایکشن کی منظوری سے اور اس پروگرام سے جو مجلس عمل نے کراچی میں ۲۶/فروری کو طے کیا تھا کہ گورنر جنرل اور وزیراعظم پاکستان کی کوٹھیوں پر رضا کاروں کے دستے بھیجے جائیں اور مولانا ابوالحسنات کو پہلا ڈکٹیٹر مقرر کیا جائے، جو طبعی نتائج پیدا ہوئے اُن کی ذمہ واری جماعت پر بھی عائد ہوتی ہے۔'' [1]

اس تمام تحقیق سے ظاہر ہے کہ جماعت اسلامی کا احمدیوں کے خلاف احرار کی جاری کردہ تحریک میں شامل ہونا اور اس میں عملی حصہ لینا تحفظ ختم نبوت یا ترقی اسلام کی خاطر نہیں تھا بلکہ اس کے پیچھے پاکستان کیلئے چھپی ہوئی عداوت کا جذبہ کارفرما تھا اور حکومت کا تختہ اُلٹ کر اپنے برسر اقتدار آنے کی خواہش کا ایک کرشمہ تھا۔

(۳) آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن کراچی
اور
(۴) آل مسلم پارٹیز کنونشن لاہور
کی ذمہ داری

(الف) تحقیقاتی عدالت کے نزدیک فسادات کی ذمہ داری تمام اُن علماء پر ہے جو آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن کراچی اور آل مسلم پارٹیز کنونشن لاہور کے ممبر تھے اور اُن بے شمار مذہبی انجمنوں پر عائد ہوتی ہے جن کے ممبر اپنی انجمنوں کے نمائندوں کی حیثیت سے ان کنونشوں میں شامل ہوئے۔

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۷۱

(ب) کیا فسادات گرفتاریوں کا نتیجہ تھے؟

مجلس عمل کے نزدیک لیڈروں کی گرفتاری ایک نامناسب اقدام تھا اور اگر تحریک کے لیڈر جو اقدام کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنے والے تھے، گرفتار نہ کئے جاتے تو فسادات نہ ہوتے کیونکہ احتجاج اور مظاہرے اور فسادات اپنی گرفتاریوں کی وجہ سے ہوئے اور ان کے لئے صوبائی حکومت اور مرکزی حکومت ذمہ دار ہیں۔ عدالت نے مجلس عمل کے اس دعویٰ کو قبول نہیں کیا۔ فاضل جج اس کے متعلق لکھتے ہیں:-

''یہ دعویٰ بالکل ناقابل قبول ہے۔ اگر کسی حکومت کو یہ دھمکی دی جائے کہ اگر اُس نے فلاں فلاں مطالبات فلاں فلاں تاریخ تک تسلیم نہ کئے تو مطالبات کرنے والی جماعت حکومت کے خلاف ڈائریکٹ ایکشن کرے گی اور حکومت اُن مطالبات سے اتفاق نہ کرتے ہوئے اس قسم کی دھمکی دینے والی جماعت کو گرفتار کر لے اور ان گرفتاریوں کی وجہ سے فسادات برپا ہو جائیں تو اُس جماعت کو نہ یہ کہنے کی اجازت دی جاسکتی ہے اور نہ اُس کے لئے یہ کہنا زیبا تھا کہ اگر گرفتاریاں نہ ہوتیں تو فسادات نہ ہوتے۔ ''ڈائریکٹ ایکشن'' کی دھمکی ایک قائم شدہ حکومت کو دھمکی دینا ہے۔ اور کوئی حکومت، جو صحیح معنوں میں حکومت ہو، اس قسم کی دھمکی کی طرف سے بے پرواہ نہیں ہوسکتی سوائے اس حالت کے کہ وہ اس دھمکی کا سامنا کرنے کی جرأت نہ رکھتی ہو اور ہتھیار ڈال دینے اور اقتدار سے دست بردار ہونے پر آمادہ ہو جائے۔'' [1]

(ج) تحریک کے ذمہ دار بدنظمی لاقانونی اور فسادات کے لئے پہلے سے سامان فراہم کر چکے تھے

فاضل جج لکھتے ہیں :-

''اگر گرفتاریاں نہ کی جاتیں، جب بھی بدنظمی اور لاقانونی ضرور بپا ہوتی۔ یہ ایک حقیقت ہے جس سے صرف اس تحریک کے علمبردار ہی انکار کر سکتے ہیں۔ وہ تمام لوگ جو اس تحریک سے متعلق یا اس کے ذمہ دار تھے خوب جانتے تھے کہ ایسے نتائج ضرور رونما ہوں گے۔ پنجاب میں جو اس تحریک کا مرکز تھا ہزار ہا رضا کار بھرتی ہو چکے تھے اور اُن کی تعداد پچاس ہزار کی اس مقررہ تعداد سے بڑھ چکی تھی جس کے بھرتی کرنے کا ذمہ صاحبزادہ فیض الحسن نے لے رکھا تھا۔ اِن رضا کاروں سے حلف ناموں پر دستخط کرائے جا چکے تھے۔ بے انداز سرمایہ فراہم کیا جا چکا تھا اور اضلاع اور اُن کے ڈکٹیٹروں کی فہرستیں تیار ہو چکی تھیں تا کہ یکے بعد دیگرے گرفتار ہوتے چلے جائیں۔ تحریک کے منظّم کرنے والوں کے سامنے ملتان اور کراچی کی نظیریں موجود تھیں۔ اور ان میں اکثر خود اس کا تجربہ رکھتے تھے کہ ایسے موقعوں پر کیا ہوا کرتا ہے۔ لیڈروں کی تمام تقریروں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اگر حکومت ڈائریکٹ ایکشن کی دھمکی کے آگے سر نہ جھکائے گی تو اس سے کس قدرتی نتیجہ کی توقع ہے اور الٹی میٹم دینے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی عوام سے جو اپیلیں کی جاتی تھیں اُن میں گولیوں کا اور خون کا، رسول پاکؐ کی ناموس پر جانیں قربان کرنے کا، کفن کا، آگ کا، شعلہ ریزی کا اور تقسیم سے پیشتر ہندو مسلم فسادات کے ایام کا نہایت پُرمعنی ذکر موجود تھا۔ جن لوگوں نے اِن جذبات وحسّیات کا اظہار کیا تھا وہ ہم سے یہ توقع نہیں رکھ سکتے کہ ہم اُن کا دعویٰ تسلیم کر لیں گے کہ انہیں ان واقعات کی توقع نہ تھی جو بعد میں پیش آئے۔'' [2]

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۵۹ | [2] رپورٹ صفحہ ۲۵۹

(۵) فسادات کی ذمہ داری کے متعلق عدالت کا فیصلہ

فاضل جج لکھتے ہیں :-

''ہمارے سامنے جو شہادت پیش ہوئی ہے اس سے ظاہر ہے کہ جب مجلس عمل کے ممبروں نے خواجہ ناظم الدین کو الٹی میٹم دینے کا فیصلہ کیا اس وقت اُن کو خوب معلوم تھا کہ اگر مطالبات رد کر دیئے گئے اور ڈائریکٹ ایکشن پر عمل شروع ہو گیا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ بڑے پیمانے پر فسادات برپا ہو جائیں گے جن میں آتش زنی، خونریزی اور شدید قسم کی عام بدنظمی شامل ہوگی۔ چونکہ واقعات نے بالکل وہی صورت اختیار کی جو متوقع تھی لہٰذا ان فسادات کی ذمہ داری براہ راست اس مجلس کے ممبروں پر عائد ہوتی ہے۔ اور چونکہ مجلس عمل بہت سی مذہبی انجمنوں اور مذہبی رہنماؤں کے کارندے کی حیثیت سے کام کر رہی تھی اس لئے جو اشخاص یا گروہ اس کراچی کنونشن کے ممبر تھے جس نے ڈائریکٹ ایکشن کی قرارداد منظور کی وہ سب کے سب فسادات اور اس کے نتائج کے ذمہ دار ہیں۔ آل مسلم پارٹیز کنونشن لاہور کے ممبر اس لئے ذمہ دار ہیں کہ انہوں نے ڈائریکٹ ایکشن کی قرارداد منظور کی۔ وزیراعظم کو الٹی میٹم دینے کی تائید کی اور ڈائریکٹ ایکشن کے پروگرام کا ساز و سامان فراہم کیا۔'' [1]

(۵) تعلیماتِ اسلامی بورڈ کراچی کے ممبر

فاضل جج لکھتے ہیں :-

''یہ امر بے حد تعجب انگیز ہے کہ تعلیمات اسلامی کا بورڈ بھی، جو ایک حکومتی ادارہ ہے، اس ڈائریکٹ ایکشن کے کاروبار میں از سر تا پا کود پڑا۔ مولانا سلیمان ندوی (صدر)، مولانا ظفر احمد انصاری (سکرٹری) اور مولانا محمد شفیع ممبر بورڈ ان قراردادوں میں شامل تھے جو ڈائریکٹ ایکشن اور مجلس عمل کے قیام کے متعلق منظور کی گئی تھیں..... ان میں سے کسی نے علی الاعلان یہ کہنے کی جرأت نہ کی کہ وہ ڈائریکٹ ایکشن کے خلاف ہے۔ نہ اس ہنگامے کی مذمت کی جو اس اقدام کے نام پر برپا کیا جا رہا تھا۔ جس حالت میں ایسا کوئی اعلان موجود نہیں۔ وہ بھی کنونشن کے دوسرے ممبروں کی طرح فسادات کے ذمہ وار ہیں۔'' [2]

اس جگہ یہ ذکر کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جیسا کہ فاضل جج لکھتے ہیں :-

''لاہور اور بیرون جات کے جن افسروں نے تحریری بیانات داخل کئے ہیں ان میں سے اکثر نے احرار کو اور ان ملّانوں کو موردِ الزام قرار دیا ہے جو شورش کی آگ کو ہوا دینے کے لئے احراریوں کے ساتھ ہو گئے تھے۔'' [3]

(٦) صوبائی مسلم لیگ اور اُس کے ممبروں کی ذمہ داری

صوبہ پنجاب میں برسر اقتدار حکومت مسلم لیگی تھی۔ اِس لئے تحقیقاتی عدالت نے صوبائی مسلم لیگ اور اس کے ممبروں کی کارروائیوں کا بھی مفصّل جائزہ لیا۔ نتیجہ حسب ذیل ہے :-

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۶۰ | [2] رپورٹ صفحہ ۲۶۱ | [3] رپورٹ صفحہ ۲۵۸

(الف) ''مسلم لیگ کے ممبروں نے سرمائے کی فراہمی اور رضا کاروں کی بھرتی میں سرگرم حصہ لیا۔ اُن میں سے بعض افراد اضلاع میں ڈکٹیٹر یا ڈائریکٹ ایکشن کمیٹیوں کے ممبر بن گئے اور جب فسادات شروع ہوئے تو یہ لوگ دل و جان سے تحریک میں کود پڑے۔ مسلم لیگ کے ۳۷۷ ممبر اس شورش میں شامل ہوئے (اس جگہ رپورٹ میں اِن ممبروں کی ضلع وار تعداد دی گئی ہے) ان حضرات نے جلوسوں میں حصہ لیا، پُر تشدد ہجوم کی قیادت کی، دفعہ ۱۴۴ کے احکام کی خلاف ورزی کی اور تحریک کی مالی امداد کے لیئے سرمایہ فراہم کیا۔'' [1]

''صوبائی مسلم لیگ ان تمام سرگرمیوں کو بالکل اطمینان سے دیکھتی رہی اور ہمارے سامنے کاغذات کا جو بھاری ریکارڈ موجود ہے اس میں کہیں بھی اس امر کی شہادت موجود نہیں کہ صوبائی مسلم لیگ نے ایسی سرگرمیوں کو ناپسند کیا ہو بلکہ متعدد حلقوں کی طرف سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس تحریک کو صوبائی مسلم لیگ کی تائید وحمایت حاصل تھی۔'' [2]

پھر فاضل جج لکھتے ہیں :-

''مطالبات اگر چہ احمدیوں کے متعلق تھے لیکن حکومت کے خلاف تھے اور اُن ایام میں آج کل کی مانند برسر اقتدار حکومت مسلم لیگ کی حکومت تھی۔ یہ امر ہماری حس جواز وشائستگی کے اعتبار سے بالکل نا قابل فہم ہے کہ وہ لوگ جو مسلم لیگ کے ضبط ونظم کے ماتحت تھے کس طرح ایک ایسی تحریک میں یا اس کے بعد ڈائریکٹ ایکشن کی مہم میں حصہ لے سکتے تھے اور اس فعل کو، جو مسلم لیگ کے انضباط اور اس کے ساتھ وفاداری کے قطعاً منافی تھا، واضح کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔'' [3]

(ب) مسلم لیگیوں نے کیوں حصہ لیا؟

رپورٹ اس کی مندرجہ ذیل وجوہات بتاتی ہے:-

(۱) بعض مقامات پر مسلم لیگی پارٹیوں کا آپس میں حصول اقتدار کے لئے اختلاف

مثلاً گوجرانوالہ کے مسلم لیگیوں کے اس رویہّ کی فاضل ججوں نے جب وضاحت کی تو معلوم ہوا کہ سٹی مسلم لیگ گوجرانوالہ میں دو حریف گروہ ہیں یعنی مسٹر آفتاب احمد اور مسٹر منظور حسن کا گروہ۔ اور شیخ برکت علی اور شیخ محمد عاشق کا گروہ۔ پہلا گروہ برسر اقتدار ہے۔ دوسرا گروہ جو لیگ میں برسر اقتدار نہیں لیکن حکام ضلع کا پسندیدہ ہے اور پہلے گروہ کو بے دخل کرنے کا خواہشمند ہے۔ لہٰذا پہلے گروہ نے اپنے اقتدار کو بحال رکھنے کی غرض سے اور ہر دلعزیزی حاصل کرنے کے لئے ختم نبوت کی تحریک اور احمدیوں کے خلاف شورش میں حصہ لیا۔ اسی مقصد سے مسٹر منظور حسن سکرٹری سٹی مسلم لیگ نے احراریوں کے حلف نامے پر دستخط کئے، سرمایہ فراہم کیا، جلوسوں کی قیادت کی اور ڈائریکٹ ایکشن کے پروگرام کے ماتحت ہر دوسری سرگرمی میں حصہ لیا۔

اور ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ کے تحریری بیان کے مطابق برسر اقتدار گروہ نے

''قانون شکنی کی تائید کی، حکومت کے اقدام کی مذمت کی، جن شورش پسندوں کو عام جلسوں پر عائد شدہ پابندی توڑنے پر گرفتار کیا گیا تھا اُن کی رہائی کا مطالبہ کیا اور لیگ میں اپنے مخالف گروہ شیخ برکت علی، شیخ محمد صادق وغیرہ سے لیڈری چھین لینے کی امید میں شورش پسندوں سے جا ملے۔'' [4]

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۸۶ | [2] رپورٹ صفحہ ۲۸۶ | [3] رپورٹ صفحہ ۲۸۷ | [4] رپورٹ صفحہ ۲۸۷، ۲۹۳

(۲) عوام میں ہردلعزیز رہنے کی خواہش

بہت سے ایسے واقعات ذکر کرنے کے بعد جن کے نتیجہ میں مقدمات چلانے اور قانونی کاروائی کرنے کی شدید ضرورت تھی۔ فاضل جج لکھتے ہیں:-

بہت سے افسروں نے زیر دفعہ ۱۵۳-الف اور زیر دفعہ ۲۹۵-الف تعزیرات پاکستان بہت سے مقدمات چلانے کی سفارش کی اور اس باب میں کوئی دو رائیں نہیں ہوسکتیں کہ جن لوگوں کے خلاف یہ قانونی کاروائی تجویز کی گئی تھی، وہ ان دونوں دفعات کے ماتحت جرائم کے مرتکب ہوئے تھے لیکن نہ کسی مقدمہ کے دائر کرنے کا حکم دیا گیا اور نہ کوئی مقدمہ دائر کیا گیا۔

''لہٰذا جو لوگ ایک چھوٹی سی جماعت کے خلاف عوامی جذبات کو مسموم کرنے کے ذمہ دار تھے اُن کے خلاف کسی کاروائی کے فقدان کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ ایسی تدابیر اختیار نہ کرنی پڑیں جن سے عوام کی بے اطمینانی میں اضافہ ہو جائے خواہ اس چھوٹی سی جماعت کو کتنا ہی گہرا اور شدید صدمہ پہنچا ہو۔

اس تمام صورت حالات کی وجہ صرف یہ تھی کہ مسلم لیگ اور اُس کے لیڈر عوام کے نزدیک ہردلعزیز رہنا چاہتے تھے اور کوئی ایسی حرکت نہ کرنا چاہتے تھے جس کی وجہ سے ووٹر ناراض ہو جائیں اور لیگ کو اقتدار سے محروم کر دیں۔'' [۱]

مسٹر دولتانہ کی خواہش ہردلعزیزی

''اسی خواہش نے مسٹر دولتانہ کو ۶/مارچ ۱۹۵۳ء والا بیان شائع کرنے کی ترغیب دی۔''

فاضل جج لکھتے ہیں:-

''ہمارے سامنے یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ یہ بیان ان معنوں میں غیر دیانتدارانہ تھا کہ اس کی حیثیت ایک سیاسی چال سے زیادہ نہ تھی۔ اور یہ چال اس لئے چلی گئی کہ جس طرح بھی ہوسکے مارشل لاء نافذ نہ ہونے پائے۔ یہی نتیجہ اس واقعہ سے بھی نکلتا ہے کہ بعد میں مسٹر دولتانہ نے ۱۰/مارچ کو یہ بیان خود ہی واپس لے لیا۔''

سوال یہ ہے کہ پھر یہ بیان جاری ہی کیوں کیا گیا؟ فاضل جج لکھتے ہیں :-

''اس کا صرف ایک ہی جواب ممکن ہے کہ عوام میں ہردلعزیز رہنے کی خواہش نے مسٹر دولتانہ سے یہ بیان جاری کرایا۔ مسٹر دولتانہ نے اس بیان کے اثرات و نتائج پر ایک لمحہ کے لئے بھی غور نہ کیا۔ اور اس انتہائی پریشانی کا اندازہ بھی نہ لگایا جو اس سے مرکزی حکومت کو لاحق ہونی ضروری تھی اور لاحق ہوئی۔ مسٹر دولتانہ نے سوچا کہ مرکزی حکومت خواہ کتنی ہی بڑی مصیبت میں مبتلا ہو جائے مجھے ضرور کوئی ایسا قدم اُٹھانا چاہئے جس سے میں ہردلعزیز ہو جاؤں۔'' [۲]

(۳) تیسری وجہ مسلم لیگیوں کے شورش میں حصہ لینے کی رپورٹ یہ بتاتی ہے کہ :-

''مسلم لیگیوں کا فسادات کے آغاز اور بعد میں حصہ لینا مسلم لیگی قرارداد اور صدر مسلم لیگ کی تقریروں کا قدرتی نتیجہ تھا۔'' [۳]

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۹۹ | [۲] رپورٹ صفحہ ۳۰۰ | [۳] رپورٹ صفحہ ۲۹۳

(ج) عدالت کا فیصلہ

مسلم لیگ کی قرارداد مورخہ ۲۷/جولائی ۵۲ء کے نتیجہ میں فاضل جج لکھتے ہیں کہ :-

''تمام جماعتوں نے، جو مطالبات کی منظوری کے لئے چیخ و پکار کر رہی تھیں، اپنی تمام سرگرمیوں کا رُخ مرکزی حکومت کی طرف کر دیا۔ جس کے رئیس خواجہ ناظم الدین تھے۔ اس لئے اگر خواجہ ناظم الدین اُن مطالبات کو تسلیم نہ کر سکے اور نتیجہ یہ ہوا کہ ڈائریکٹ ایکشن شروع ہو گیا اور فسادات پھوٹ پڑے تو واقعات کی ذمہ داری واضح طور پر مسلم لیگ پر بھی اسی طرح عائد ہوتی ہے جس طرح آل پاکستان مسلم پارٹیز کانفرنس پر، جس نے مطالبات وضع کئے تھے اور خواجہ ناظم الدین کے سینے پر پستول رکھ کر اُن کے سامنے دو مطالبات پیش کئے تھے۔ اس تمام دوران میں مسلم لیگ یا اس کے کسی لیڈر نے نہ تحریک کی مزاحمت کے لئے کچھ کہا اور نہ عوام کے سامنے کوئی مقابلے کا نظریہ پیش کیا۔'' [1]

(د) تحریک کی مزاحمت نہ کرنے کی وجہ ''خوف نامقبولیت''

فاضل جج لکھتے ہیں کہ مسلم لیگی لیڈروں کو

''خوف یہ تھا کہ اگر ہم نے جرأت و ہمت کا کوئی اقدام کیا تو عوام میں نامقبول ہو جائیں گے۔ زیادہ تر اسی خوف کا یہ نتیجہ تھا کہ ایک ایسی تحریک کا مقابلہ کرنے یا اس کو روکنے کے لئے جس نے اپنی بظاہر مذہبی اپیل کی وجہ سے جمہور پر نہایت سرعت سے قابو پا لیا تھا، جس نظریے کی ضرورت تھی وہ بالکل ناپید رہا۔ لہٰذا ہماری رائے یہ ہے کہ ہمارے لیڈر اپنے فرض کی بجا آوری میں قاصر رہے اور ایک ایسی صورت حالات کا مقابلہ کرنے کے قطعاً ناقابل ثابت ہوئے جو دور اندیشی، دانشمندی اور حسن تدبیر کے تمام اوصاف کی متقاضی تھی۔ اس تمام دوران ایک بھی عوامی لیڈر نے شہریوں کی عام عقل و فہم کو اپیل کرنے کی جرأت نہ کی یہاں تک کہ جب فسادات کی آگ پوری شدت کے ساتھ بھڑک رہی تھی ان میں سے کسی ایک نے بھی عوام کو یہ سمجھانے کی تکلیف گوارہ نہ کی کہ ان کو گمراہ کر کے ایک ایسے راستے پر ڈالا جا رہا ہے جس کا فوری نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔'' [2]

(۷) مرکزی اور صوبائی حکومتیں

چونکہ مجلس احرار، مجلس عمل اور اسلامی جماعت اور صدر انجمن احمدیہ ربوہ نے اپنے تحریری بیانوں میں صوبائی و مرکزی دونوں حکومتوں کو اور مسٹر دولتانہ نے صرف مرکزی حکومت کو فسادات کا ذمہ وار قرار دیا ہے۔ اور ہر فریق نے ذمہ واری کی وجوہ علیحدہ علیحدہ بیان کی ہیں اور فاضل ججوں نے جو احراری شورش کے آغاز سے لے کر مارشل لاء کے قیام تک دونوں حکومتوں کے رویہ اور اُن کی کارروائیوں کا مکمل جائزہ لیا ہے۔ اس کا سلسلہ رپورٹ کے صفحہ ۳۰۲ سے شروع ہو کر صفحہ ۴۲۵ تک یعنی ۱۲۳ صفحات تک پھیلا ہوا ہے۔ اس لئے جو قاری ان دونوں حکومتوں کی کارروائیوں اور احراری شورش کے سلسلہ میں اُن کی اصلی پوزیشن معلوم کرنے کا شائق ہو اُسے رپورٹ کے اس مخصوص حصہ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۹۴ | [2] رپورٹ صفحہ ۲۹۶

(الف) دونوں حکومتوں کا موقف

جہاں تک دونوں حکومتوں میں ''شورش احرار'' کے خلاف ایکشن لینے کے متعلق اختلاف کا سوال ہے فاضل ججوں نے، جیسا کہ ہم رپورٹ کے مطالعہ سے سمجھتے ہیں، قانونی رو سے مرکزی حکومت کو حق پر اور صوبائی حکومت کو غلطی پر قرار دیا ہے۔ فاضل جج لکھتے ہیں:-

''مرکزی حکومت نے پالیسی کی ایک چٹھی ستمبر ۱۹۵۱ء کو اور دوسری جولائی ۱۹۵۲ء کو جاری کی اور صوبائی حکومت پر یہ واضح کر دیا کہ جارحانہ فرقہ آرائی کو سختی سے دبا دیا جائے۔ لیکن صوبائی حکام نے اپنی یادداشتوں میں اس امر پر زور دیا کہ مطالبات کے متعلق فیصلہ مرکز کا کام ہے اور جب تک اُن کے موافق یا مخالف فیصلہ نہ ہوگا، قانون وانتظام کی صورت حالات بہتر نہ ہوگی۔''

عدالت کی رائے- فاضل جج لکھتے ہیں :-

''انہیں خوب معلوم تھا کہ مرکز کسی حالت میں بھی مطالبات کو منظور نہیں کر سکتا اور اگر کوئی فیصلہ ہوگا بھی تو وہ نامنظوری ہی کا فیصلہ ہو گا۔ لیکن وہ مصّر رہے کہ کوئی فیصلہ ضرور ہونا چاہیئے۔''

مرکز کا موقف

''اور مرکز جس کے نمائندہ خواجہ ناظم الدین تھے کھلم کھلا یہ نہیں کہنا چاہتا تھا کہ وہ مطالبات کو مسترد کر رہا ہے کیونکہ خواجہ صاحب کے نزدیک ایسے فیصلے سے اُن کا علماء سے تصادم ہو جائیگا اور خواجہ صاحب علماء کی طرف نہایت گہرا میلان رکھتے تھے۔''

عدالت کی رائے

''ہمارا خیال ہے کہ یہ مطالبات بغیر کسی مذہبی احتیاط کے بغیر امن عامہ کو خطرے میں ڈالے اور حسیّات عامہ کو صدمہ پہنچائے مسترد کئے جا سکتے تھے۔ لیکن ہمارے نزدیک قانون وانتظام کی صورتِ حالات کے مقاصد کے لئے اُن کا جواب دینا بالکل ضروری نہ تھا۔ وہ صورت حالات تو ایک سادہ حکم امتناعی کے نفاذ ہی سے بہت بہتر ہوگئی تھی (گو وہ حکم بہت ناکافی تھا) لیکن جب جولائی ۵۲ء کے بعد احرار اور علماء کے ہر قول وفعل کی طرف سے کامل بے پروائی کا رویہ اختیار کر لیا گیا تو وہ صورتِ حالات پھر بگڑتی چلی گئی بلکہ اس کے برعکس چیف منسٹر کی اُن تقریروں کی وجہ سے یہ بگاڑ اور بھی زیادہ ہو گیا جن میں انہوں نے علی الاعلان یہ خیال ظاہر کیا کہ احمدی مسلمان نہیں ہیں۔'' [1]

مرکزی حکومت کا قصور فاضل جج لکھتے ہیں :-

''مرکزی حکومت کئی مہینوں تک عدم فیصلہ تامل اور تذبذب کی جس پالیسی پر کاربند رہی اس کا اثر صوبے کی صورت حالات پر پڑا۔ بلاشبہ قانون وانتظام ایک صوبائی مضمون تھا لیکن ایسی صورتوں میں جب پوری آبادی کسی مذہبی جوش میں مبتلا ہو رہی تھی، محض قانونی وانتظامی آلات کو حرکت دینے سے زیادہ کسی اور چیز کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ''چیز'' پنجاب میں موجود نہ تھی اور مرکز نے اس پر غور ہی نہ کیا تھا۔ لہٰذا نتیجہ یہ ہوا کہ فساد برابر پرورش پاتا رہا اور جب پُھوٹا تو نہایت شدت سے پُھوٹا۔'' [2]

---

[1] رپورٹ صفحہ ۴۲۳، ۴۲۴ | [2] رپورٹ صفحہ ۳۰۴

(ب) مسٹر دولتانہ اور خواجہ ناظم الدین کی کشمکش کا پس منظر

بے شک قانون وانتظام کی بے مثال توہین ہورہی تھے۔شورش دن بدن بڑھ رہی تھی۔حضرت بانی جماعت احمدیہ اور حضرت امام جماعت احمدیہ اور چوھری ظفراللہ خاں صاحب کو پلیٹ فارم سے حد درجہ ناشائستہ اور گندی گالیاں دی جارہی تھیں،نفرت انگیز کارٹون نکالے جارہے تھے،جلوسوں میں حد درجہ اشتعال انگیز اور تحقیر آمیز نعرے لگائے جارہے تھے اور اخبارات نہایت فحش اور دلآزار کلمات استعمال کررہے تھے اور حالت یہ تھی جیسا کہ فاضل ججوں نے لکھا ہے۔

''حکومت نے خود احمدیوں کی جماعتی حیثیت سے مذہبی عزت اور اس جماعت کے بعض اہم افراد کی ذاتی عزت کی کوئی پرواہ نہ کی۔'' [1]

لیکن خواجہ ناظم الدین صاحب ایک طرف تو علماء کے تصادم سے خوف کھارہے تھے اور دوسری طرف اس کے ساتھ ہی جیسا کہ فاضل جج لکھتے ہیں

''اس حقیقت سے بھی باخبر تھے کہ ''جو شخص مرکز سے کسی فیصلے کیلئے اصرار کرتا ہے اس کی نیت یہ ہے کہ ذمہ داری مرکز کی طرف منتقل ہوجائے.....ایسی حالت میں اگر فوج یا پولیس کسی پر گولی چلائیگی تو صوبائی لیڈر یہ کہیں گے کہ یہ سب کچھ مرکز کے حکم سے ہورہا ہے اگر اس کشمکش میں مرکزی حکومت ٹوٹ گئی تو صوبائی حکومت لوگوں سے یہ کہے گی کہ ''ہم تو شروع سے آخر تک تمہاری تائید کرتے رہے ہیں'' کسی ناگوار اقدام کی ذمہ داری اُٹھانے کا یہی طبعی لیکن افسوسناک خوف ہے جس سے یہ تلخ نتائج رونما ہوئے۔''

خواجہ ناظم الدین کا کیس۔ فاضل جج لکھتے ہیں:۔

''خواجہ ناظم الدین کا کیس یہ ہے کہ اگر صورت حالات کا تدارک قانون وانتظام کے پہلو سے بوجہ احسن کیا جاسکتا تھا تو اس امر پر اصرار کیوں ضروری سمجھا گیا کہ مطالبات کے متعلق کوئی فیصلہ ضرور کرنا چاہیئے۔''

اس کا جواب مسٹر انور علی کے بیان سے ملتا ہے۔

''ایک دفعہ چیف منسٹر نے مجھ سے کہا کہ اگر میں نے کوئی اقدام کردیا اور مرکز نے مطالبات منظور کرلئے تو مجھے اندیشہ ہے کہ میری پوزیشن نازک ہوجائے گی۔''

(ج) عدالت کی رائے

''اگر مطالبات رد کردئے جاتے تو مرکز نامقبول ہوجاتا۔اگر قانون وانتظام کے پہلو سے کوئی اقدام کیا جاتا تو اس سے صوبہ غیر ہر دلعزیز ہوجاتا لیکن دونوں صورتوں میں نامقبولیت کی نوعیت مختلف ہوتی .....اگر ایک تنہا نقطہ نگاہ سے دیکھا جاتا تو صوبائی دائرے میں کاروائی یقیناً دو خرابیوں میں کم درجے کی خرابی ہوتی اور اگر دو مختلف زاویوں سے دیکھا جاتا تو دونوں فریقوں کے پیش نظر اپنا اپنا مفاد ہوتا اور حقیقت یہی ہے کیونکہ لوگ لازماً عام آدمی کی بہبودی پر نظر نہیں رکھتے بلکہ اپنے سیاسی مستقبل کا خیال رکھتے ہیں۔'' [2]

(د) صوبائی حکومت

صوبائی مسلم لیگ اور حکومت کے متعلق ہم فاضل ججوں کی رائے ''مسلم لیگ کی فسادات میں ذمہ داری'' کے زیر عنوان ذکر کرچکے ہیں لیکن رپورٹ

[1] رپورٹ صفحہ ۳۶۸ | [2] رپورٹ صفحہ ۳۲۵

کے اس حصے میں جس کا ہم نے شروع میں ذکر کیا ہے اور رپورٹ کے صفحہ ۸ سے لیکر صفحہ ۱۲۶ تک کے حصے میں صوبائی حکومت کے خلاف جو مواد جمع ہے اُس کی موجودگی میں کوئی منصف شخص اُسے فسادات کی ذمہ داری سے بری قرار نہیں دے سکتا۔

(۸) اخبارات کو امداد

اخبارات کی ذمہ داری کے عنوان کے تحت ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اخبارات نے شورش کی آگ کو ہوا دینے کے لئے کیا کچھ نہ کیا لیکن تحقیقاتی عدالت کے اس انکشاف سے ہر مخلص پاکستانی انگشت بدنداں رہ گیا کہ شورش کی آگ کو ہوا دینے والے اخبارات کی پشت پناہ صوبائی حکومت تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ پنجاب ایڈوائزری بورڈ آف ایجوکیشن کی سفارشات پر ۱۹۴۷ء میں صوبائی حکومت نے ناخواندگی کو کم کرنے کے لئے تعلیم بالغاں کا نظام جاری کیا۔ یہ نظام سررشتہ تعلیم کے سپرد تھا اور اس کے لئے ۵۰-۱۹۴۹ء میں دو لاکھ پچیس ہزار ۵۱-۱۹۵۰ میں دس لاکھ ۵۲-۱۹۵۱ میں چھ لاکھ اور ۵۳-۱۹۵۲ء میں چھ لاکھ روپے کی رقوم منظور ہوئیں۔

۱۸ مئی ۱۹۵۱ء کو میر نور احمد ڈائریکٹر تعلقات عامہ نے چیف سیکرٹری کی خدمت میں ہسپتالوں، جیلوں، سکولوں وغیرہ کے لئے موزوں اخباروں کے پرچے خریدے جانے کی تجویز پیش کی اور یہ بھی کہ اس مقصد کیلئے پچاس ہزار روپیہ کی منظوری دی جائے۔

چیف منسٹر اور وزیر تعلیم نے سررشتہ تعلیم کے اس احتجاج کے باوجود کہ اخبارات صرف خواندہ لوگوں کے لئے مفید ہو سکتے ہیں نہ اُن لوگوں کیلئے جنہیں خواندہ بنانا مقصود ہے، نیز مجوزہ خرچ کو تعلیم بالغاں کی سکیم میں سے ادا کرنا جائز بھی نہیں ہے۔ ۲۶ مئی ۱۹۵۱ء کو فیصلہ کر دیا کہ رقم منظور کی جاتی ہے جو ڈائریکٹر تعلقات عامہ کے لئے محفوظ رکھی جائے۔ چنانچہ ڈائریکٹر تعلقات عامہ نے وقتاً فوقتاً سررشتہ تعلیم سے ۵۲-۱۹۵۱ اور ۵۳-۱۹۵۲ میں مزید رقوم طلب اور وصول کیں جن کی مجموعی مقدار دو لاکھ تین ہزار روپے ہوتی ہے۔ اس رقم میں سے بحیثیت مجموعی ''آفاق'' کو ایک لاکھ روپیہ دیا گیا۔ اس اخبار پر میر نور احمد کی نگرانی قائم تھی اور ایڈیٹر پروفیسر محمد سرور کی شہادت کے مطابق یہ اخبار خواد مسٹر دولتانہ کا تھا اور اس کا مینیجر اشتہارات جو بعد میں مینیجر ڈائریکٹر ہو گیا خود میر نور احمد کا بیٹا تھا۔

۲- احسان کو اٹھاون ہزار روپیہ

۳- مغربی پاکستان کو پندرہ ہزار روپیہ

۴- زمیندار کو تیس ہزار روپیہ دیا گیا۔

یہ حقائق لکھ کر فاضل جج لکھتے ہیں :-

> ''ان اخباروں کے لئے جن میں سے دو اخباروں کی اشاعتیں بہت کم تھیں یہ عطیات امداد غیبی سے کم نہ تھے اور وہ اس قدر ممنون اور زیر بار احسان تھے کہ اگر حکومت چاہتی تو جس پالیسی پر اُن کو چلانا چاہتی وہ فوراً اُسی پر کاربند ہو جاتے لیکن اِن اخباروں کے تراشوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سب کے سب اس تنازع میں سرگرمی سے مصروف تھے اور جن دنوں میں اُنہیں یہ رقوم دی جا رہی تھیں اُن دنوں میں بھی برابر اس شورش کی آگ کو ہوا دے رہے تھے۔'' [1]

اسی طرح اخبارات کی ذمہ داری پر بحث کرتے ہوئے فاضل جج لکھتے ہیں کہ اگر ڈائریکٹر تعلقات عامہ چاہتے تو اس معقول مالی امداد کے پیش نظر

---

[1] رپورٹ صفحہ ۸۴-۸۵

جوحکومت نے اس اخبار کو دی تھی، اس کی سرگرمیوں پر قابو رکھ سکتے تھے۔ اور اسی طرح ''احسان'' اور ''مغربی پاکستان'' بھی ڈائریکٹر تعلقات عامہ کو ناراض کرنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔ [1]

مؤلفین تبصرہ کی عدالت پر بے جا نکتہ چینی

ہمیں سخت تعجب ہے کہ فاضل ججوں کی اس رائے سے اس اتہام کو کیا نسبت ہے جو مؤلفین تبصرہ نے تحقیقاتی عدالت پر لگایا ہے کہ گویا

''عدالت یہ کہنا چاہتی ہے کہ وہ سراسر ناجائز رشوت جو سرکاری خزانے سے ان اخبارات کو دی گئی تھی، اُن کی پالیسی خریدنے یا کم ازکم ان کی پالیسی پر اثر انداز ہونے میں استعمال ہونی چاہیئے تھی اور غلطی کی گئی جو ضمیر کی خرید وفروخت کا یہ کاروبار نہ کیا گیا۔'' [2]

رپورٹ کی عبارت ہرگز اس نتیجہ کی متحمل نہیں ہے جو مؤلفین تبصرہ نے اخذ کیا ہے۔ عدالت صرف یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ حکومت کے محکمہ تعلقات عامہ نے ایک دوسرے محکمہ کے فنڈ کو بے محل اور بے جا طور پر اپنی سیاسی اغراض کے لئے استعمال کیا اور کوشش کی کہ تحریک کا رُخ کراچی کی طرف پھیر دیا جائے۔

فاضل جج اخبارات کے مندرجات کا ذکر کر کے لکھتے ہیں :-

''ان سب افعال کا نتیجہ یہی ہوسکتا تھا کہ شورش کی وسعت وشدّت میں اضافہ ہو۔'' [3]

اور احراری شورش کے متعلق صوبائی حکومت کے وزیر اعلیٰ اور دوسرے افسر اپنے تحریری بیانات میں تسلیم کر چکے ہیں کہ وہ اُن لوگوں نے منظّم کی جو پاکستان کے دشمن تھے اور اب تک دشمن ہیں۔ جن کا مقصد سیاسی اقتدار کا حصول اور مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا اور سالمیت پاکستان کو نقصان پہنچانا ہے۔ اور عدالت کے سامنے بھی انہوں نے اپنا مؤقف یہی بیان کیا ہے کہ وہ اس شورش کے حق میں نہ تھے اور اس کی توسیع اور شدت میں انہوں نے کوئی حصہ نہیں لیا۔ عدالت دریافت کرتی ہے اگر اُن کا یہ مؤقف درست ہے تو حکومت کے ایک محکمہ نے اُن اخبارات کی مالی امداد کیوں کی جو اس شورش کی آگ کو ہوا دے رہے تھے۔ یہ امداد یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ اخبارات اسی پالیسی کو چلا رہے تھے جو ڈائریکٹر تعلقات عامہ نے اُن کے لئے تجویز کی تھی کیونکہ وہ اخبارات ایسے نہ تھے کہ وہ حکومت سے ہزاروں روپے کی امداد لے کر بھی اس کی پالیسی کے خلاف لکھتے رہتے چنانچہ ۱۹۵۲ء کے موسم گرما میں حکومت کے متعلق اس بناء پر کہ ان اخباروں نے حکومت سے امداد واعانت پانے کے باوجود اس مکروہ تنازع میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا۔ لوگوں کو یہ شبہ لاحق ہو گیا تھا کہ

''حکومت خود ان اخباروں کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے کہ وہ فرقہ وار نفرت پھیلانے میں اپنی قوت صرف کر دیں۔'' [4]

پس مؤلفین تبصرہ کا نتیجہ ہمارے نزدیک تحکمانہ نتیجہ ہے۔

(۹) محکمہ اسلامیات

۱۹۵۱ء میں محکمۂ اسلامیات قائم کیا گیا جس کے حاکم اعلیٰ چیف سیکرٹری قرار پائے اور اس کی نگرانی اور مصارف کا انتظام ڈائریکٹر تعلقات عامہ کے سپرد کیا گیا۔ اور منشی ابراہیم علی چشتی چھ سو روپیہ ماہانہ پر ڈپٹی سیکرٹری مقرر کئے گئے۔ اس محکمے کے حقیقی اخراجات ۵۲-۱۹۵۱ء میں ۴۹،۸۱۵ روپے اور ۵۳-۵۲ء میں ۴۳۵، ۱۰۵ روپے ہوئے۔ ستمبر ۱۹۵۱ء سے لیکر فروری ۱۹۵۳ء تک بہتّر اشخاص کو مختلف اخباروں اور رسالوں میں مضامین لکھنے کے معاوضے پیش کئے گئے۔ اُن میں مولانا ابوالحسنات محمد احمد اور مولانا محمد بخش مسلم نے احمدیوں کے خلاف تحریک میں نمایاں حصہ لیا کیونکہ اول الذکر پنجاب کی مجلس اول کے صدر اور آخر الذکر ممبر تھے۔ اس محکمہ نے اٹھاون اشخاص کو سکولوں، کالجوں اور جیلوں میں دینیات پر لیکچر دینے کے کام پر متعین کیا۔ ان میں سے ۱۱/افراد

---

[1] رپورٹ صفحہ ۳۰۱ | [2] تبصرہ صفحہ ۵۴ | [3] رپورٹ صفحہ ۳۰۱ | [4] رپورٹ صفحہ ۸۵

نے تحریک میں نہایت سرگرم حصہ لیا۔

۱۔ مولانا محمد بخش مسلم ۲۔مولوی غلام دین ۳۔مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری ۴۔صاحبزادہ فیض الحسن ۵۔علامہ علاؤالدین صدیقی ۶۔مولانا غلام محمد ترنّم ۷۔قاضی مرید احمد ۸۔حافظ کفایت حسین ۹۔پروفیسر عبدالحمید ۱۰۔مولانا سمیع اللہ ۱۱۔مفتی محمد حسین

ان حضرات میں سے چھ شورش کے سلسلہ میں اپنی سرگرمیوں کی وجہ سے گرفتار کئے گئے۔قاضی مرید احمد، پروفیسر عبدالحمید اور مفتی محمد حسن کے سوا باقی سب مجلس عمل کے ممبر تھے۔قاضی مرید احمد مجلس عمل ضلع سرگودھا اور حافظ کفایت حسین مجلس عمل ضلع لاہور کے صدر تھے۔ممبروں کے بورڈ میں سے چار اشخاص نے تحریک میں نمایاں حصہ لیا ان میں سے دو اپنی سرگرمیوں کی وجہ سے گرفتار ہوئے گویا محکمہ اسلامیات کا فنڈ بھی زیادہ تر انہی لوگوں پر صرف ہو رہا تھا جو اس تحریک کے سرگرم کارکن تھے۔ ۞

(۱۰) اخبارات کی ذمہ داری

فاضل ججوں کی یہ رائے صائب اور حقیقت پر مبنی ہے کہ :-

''ہر بات اس پر منحصر ہے کہ آپ لوگوں کو کیا بتاتے ہیں۔اس لئے واقعات کا انحصار اس شخص پر ہے جو لوگوں کو زبان سے بتاتا ہے یا اُس اخبار پر ہے جو انہیں قلم سے بتاتا ہے یعنی یا تو وہ شخص ہے جو زبان کو دشنام طرازی اور عناد کا آلہ سمجھتا ہے یا وہ شخص جو یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اپنے طاقتور قلم سے ہر غلیظ جوہڑ کے پانی کو حرکت دے سکتا ہے۔'' [1]

اخبارات کے متعلق فاضل جج لکھتے ہیں :-

''ہم زمانہ زیر بحث کے دوران میں اخباروں کی سرگرمیوں کا ذکر اور اُن پر تبصرہ تفصیل کے ساتھ کر چکے ہیں[2] اس اعتبار سے بدترین مجرم "آزاد"، "زمیندار"، "احسان"، "آفاق" اور "مغربی پاکستان" تھے۔''

اخبارات پر فسادات کی ذمہ داری

فاضل جج لکھتے ہیں

''اس رپورٹ کے ایک سابقہ حصے میں ہم نے ان مضامین کا مفاد نقل کیا تھا جو ان اخباروں نے موجودہ نزاع پر قلمبند کئے تھے۔ انہوں نے اس موضوع پر بار بار مضامین لکھ کر اس سے جس غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کیا اور جس طریقے سے مطالبات کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کی، اس سے اُن کا مقصد صاف طور پر واضح ہوتا تھا کہ شورش کی آگ کو ہوا دی جائے اور حتی الامکان اس کو وسیع پیمانے پر پھیلایا جائے۔ان اخباروں کے کالموں میں کہیں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملتا جس میں ان واقعات کو ناپسندیدہ اور قابل نفرین قرار دیا گیا ہو جو اس سلسلہ میں صوبے بھر کے اندر رونما ہو رہے تھے۔یہ ثابت کرنے کے لئے کہ احمدی ایک الگ قوم ہیں طویل اور مدلل مضامین شائع کئے گئے۔شورش کے سلسلے میں رونما ہونے والے واقعات کی ہیجان انگیز خبریں درج کی گئیں۔ ملاقاتوں کے نتائج، مساجد میں اور دوسرے مقامات پر ہونے والے جلسوں اور منظور شدہ قراردادوں کا اندراج کیا گیا۔ان سب افعال کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ شورش کی وسعت اور شدت میں اضافہ ہو اور اس نتیجے سے یہ اخبارات باخبر ہی نہ تھے بلکہ ان کا مقصد

۞ رپورٹ صفحہ ۸۸ | [1] رپورٹ صفحہ ۳۲۲ | [2] ملاحظہ ہو رپورٹ از صفحہ ۱۰۱ تا ۱۱۰

بھی یقیناً یہی ہوگا۔ مزید برآں اِن اخباروں نے اس نکتے پر جو زور دیا کہ یہ مطالبات مرکز کے دائرہ اختیار میں ہیں، اس کا اثر بھی صرف یہی ہوسکتا تھا کہ شورش کی رفتار کا رُخ کراچی کی طرف پھر جائے۔ اس سے قبل ہم اس بیان کو تسلیم کر چکے ہیں کہ ڈائریکٹر تعلقات عامہ تحریک کو کراچی کے ''راستے پر لگانے'' کی پالیسی میں شریک تھے۔ اور آزاد کے سوا باقی سب مذکورہ اخبارات ڈائریکٹر تعلقات عامہ کے ممنون اور اُن سے اثر پذیر تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس پالیسی میں بھی وہ ڈائریکٹر ہی کے پیرو تھے۔

لہٰذا

مطالبات کے ردّ ہونے سے جو صورت حالات پیدا ہوئی اس کے لئے یہ سب ذمہ دار ہیں۔ اس لئے بعد میں رونما ہونے والے فسادات کی **ذمہ داری اِنہی پر ہے۔**'' [1]

(۱۱) احمدی

احمدیوں کے متعلق فاضل ججوں نے صاف لکھا ہے کہ

''احمدی براہ راست فسادات کے ذمہ دار نہیں ہیں۔''

لیکن

۱۔ ''مطالبات کا تعلق احمدیوں سے تھا اور یہ مطالبات احمدیوں کے عقائد اور اُن کی سرگرمیوں کی وجہ سے پیدا ہوئے۔''

۲۔ تقسیم سے پیشتر احمدی کسی روک ٹوک کے بغیر اپنے پروپیگنڈے اور اپنی تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف تھے لیکن قیام پاکستان سے صورت حالات بالکل بدل گئی۔ مگر ان بدلے ہوئے حالات کے مطابق ان کی سرگرمیوں اور ان کی جارحانہ نشر و اشاعت میں کوئی تغیر پیدا نہ ہوا۔

۳۔ ''اگرچہ احمدی براہ راست فسادات کے ذمہ دار نہیں ہیں لیکن ان کے خلاف احساسات اتنے شدید نہ ہوتے تو ہم نہیں سمجھتے کہ احراری اس حالت میں بھی ہر قسم کی مختلف مذہبی جماعتوں کو اپنے گرد جمع کرنے میں کامیاب ہوجاتے۔'' [2]

ایک غلط فہمی کا ازالہ۔ مؤلف محاسبہ نے یہ ذکر کر کے کہ ''عدالت نے قادیانیوں کو فسادات کی براہ راست ذمہ داری سے بری قرار دیا'' یہ فقرہ زائد کیا ہے ''یعنی بالواسطہ ذمہ داری کا مورد ٹھہرایا۔'' [3] لیکن رپورٹ میں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں۔ فاضل ججوں نے احمدیوں کے متعلق بحث شروع کرتے وقت اور بحث کے خاتمہ پر دو دفعہ یہ فقرہ لکھا ہے کہ ''**احمدی فسادات کے ذمہ دار نہیں ہیں۔**'' اور اس کے ساتھ یہ الفاظ نہیں لکھے کہ وہ بالواسطہ ذمہ دار ہیں۔

اس کی وجہ ظاہر و باہر ہے کیونکہ اگر کوئی شخص یا گروہ کسی شخص کے عقائد یا اس کی تبلیغ یا طرز عمل کی وجہ سے، جس کا اُسے قانونی رُو سے پورا پورا حق حاصل ہے، شورش یا ہنگامہ برپا کرتا ہے یا اس کے خلاف ایسے مطالبات پیش کرتا ہے جنہیں حکومت از روئے قانون قبول کرنے کی مجاز نہیں اور اس کے نتیجہ میں فسادات ہوجاتے ہیں تو وہ شخص جس کے عقائد کو مطالبات کا موجب قرار دیا جاتا ہے، اگر وہ اپنے اعمال کو قانونی حدود کے اندر رکھتا ہے تو عقلاً اور انصافاً

[1] رپورٹ صفحہ ۳۰۱-۳۰۲ | [2] رپورٹ صفحہ ۲۸۱ | [3] محاسبہ صفحہ ۸

وہ فسادات کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ فاضل ججوں نے احمدیوں کو فسادات کا بالواسطہ بھی ذمہ دار قرار نہیں دیا۔

تحقیقاتی عدالت کی وجوہات

قیام پاکستان سے صورت حالات کی تبدیلی کا فاضل ججوں نے جو ذکر کیا ہے اس کے متعلق ہم یہ عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ بے شک ملک ہندوستان بھارت اور پاکستان دو حصوں میں تقسیم ہو گیا لیکن قانون ملکی میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ مذہبی آزادی اور تبلیغ مذہب کے متعلق پاکستان میں وہی قانون رائج رہا جو متحدہ ہندوستان میں رائج تھا اس لئے جماعت احمدیہ اپنے آزادئ تبلیغ کے حق کو استعمال کرتی رہی۔ جس کا حکومت پاکستان نے بھی بار بار اعلان کیا تھا کہ ہر ایک پاکستانی کو اپنے عقیدہ اور مذہب کی تبلیغ کا حق ہے۔ شورش کے دوران میں بھی وزارت داخلہ حکومت پاکستان نے اپنی چٹھی مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۱ء میں حکومت صوبہ پنجاب کو لکھا :-

> ''بلاشبہ کسی جماعت اور فرقے کے اس حق پر ناواجب پابندی نہیں ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے عقائد مذہبی کی تبلیغ کرے اور اس معاملے میں مختلف عقائد کے مبلغوں کے درمیان کسی قسم کا فرق و امتیاز ملحوظ نہ ہونا چاہیئے لیکن مذہبی مناظروں اور مناقشوں کو معقول حدود کے اندر محدود رکھنا چاہیئے۔'' [1]

اور اگر شورش کا باعث احمدیوں کے عقائد قرار دیئے جائیں تو یہ بھی درست نہیں ہوسکتا کیونکہ اُن کے عقائد کوئی نئے عقائد نہ تھے جو قیام پاکستان کے بعد پہلی مرتبہ لوگوں کے سامنے آئے، بلکہ آج سے ستّر سال پہلے سے سامنے آتے رہے اور فاضل ججوں نے تسلیم کیا ہے کہ

> ''عامۃ المسلمین کے ساتھ اُن کے اختلافات نصف صدی سے زیادہ مدت سے چلے آرہے تھے۔'' [2]

پس اگر وہ عقائد حقیقتاً طبائع میں ایسا جوش پیدا کر دینے والے ہوتے جس سے اس قسم کے فسادات پھیل جائیں، تو وہ جوش اب سے مدتوں پہلے پیدا ہونا چاہیئے تھا اور محض انگریزی دور حکومت اس جوش کے اُبھرنے میں مانع نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ

۱- انگریزی دور حکومت میں ہندو مسلم اور شیعہ سُنّی فسادات ہوتے رہے۔ انفرادی طور پر مذہبی اختلافات کی بناء پر قتل کی وارداتیں ہوتی رہیں مثلاً راجپال شردھانند وغیرہ قتل ہوئے۔ بعض انگریز گورنروں اور افسروں پر قاتلانہ حملے ہوئے۔ لیکن یہ حقیت ہے کہ برعظیم ہندو پاکستان میں گذشتہ ستّر سال میں احمدی غیر احمدی فسادات نہیں ہوئے اور نہ مذہبی اختلافات کی بناء پر کبھی کوئی احمدی قتل ہوا۔ پس اگر احمدیہ عقائد، احمدیہ لٹریچر اور دوسرے مسلمانوں سے اُن کی نمازوں اور جنازوں میں علیحدگی، باہمی تکفیر اور مسئلہ ختم نبوت مسلمانوں کے لئے فی الحقیقت ناقابل برداشت ہوتے تو قطعاً ممکن نہ تھا کہ باہم فسادات نہ ہوتے اور کوئی احمدی کسی غیر احمدی کے ہاتھ سے مارا نہ جاتا۔

۲- پھر قیام پاکستان کے بعد بھی ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۵۳ء کے فسادات سے قبل پاکستان میں چار مقامات (نارووال ضلع سیالکوٹ، ضلع لاہور، ضلع سرگودھا اور ضلع میانوالی) میں شیعہ سُنّی فسادات ہوئے لیکن کسی جگہ احمدی غیر احمدی فسادات نہیں ہوئے۔ اس سے بھی ثابت ہے کہ ابتداءً عام مسلمانوں کے دل میں احمدیوں کے خلاف ہرگز وہ جوش اور اشتعال نہیں تھا جو شیعوں کے خلاف تھا۔ احمدیوں کے خلاف تو جوش و اشتعال ایک لمبی مدت کی مسلسل کوششوں سے پیدا کیا گیا ہے۔

۳- گذشتہ پچاس ساٹھ سال میں احمدیوں اور غیر احمدیوں کے مابین مسئلہ حیات و وفات مسیح، مسئلہ صداقت حضرت مسیح موعود اور مسئلہ ختم نبوت پر ہزارہا

---

[1] رپورٹ صفحہ ۳۴ | [2] رپورٹ صفحہ ۲۸۰

مناظرے ہوئے۔ بڑے بڑے شہروں ہی میں نہیں، بلکہ قصبوں اور قریوں تک میں، تقریری بھی اور تحریری بھی۔ لاکھوں انسانوں نے یہ مناظرے دیکھے اور سنے ہیں لیکن کبھی کسی جگہ کوئی فساد نہیں ہوا۔ اور یہ ایک ہی بات اس خود ساختہ نظریہ کو کہ یہ فسادات طبعی تھے غلط ثابت کر دینے کے لئے کافی ہے۔

۴- یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مسلمان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی و نبوت کا تصور برداشت ہی نہیں کر سکتا۔ اس وجہ سے بھی غلط ہے کہ جماعت احمدیہ کہیں باہر سے نہیں آ گئی بلکہ اسی ملک کے مسلمانوں سے بنی ہے اور جتنے لوگ بھی اس جماعت میں داخل ہوئے ہیں وہ سب کے سب اِسی ملک کے مسلمانوں میں سے داخل ہوئے ہیں، جو تقسیم سے پہلے ایک ہی نام سے موسوم تھا اور جماعت احمدیہ میں آنے والوں میں علماء بھی ہیں۔ صوفیاء اور گدی نشین بھی اور مذہبی اور دنیاوی لحاظ سے تعلیم یافتہ بھی۔

پھر یہیں تک بس نہیں بلکہ غیر احمدی معززین اور اخبارات نے نہ صرف ایک بار بلکہ بار بار جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات کا اقرار کیا اور اُن کی بے حد تعریف کی۔

پس جماعت احمدیہ کے خلاف ۱۹۵۳ء کے فسادات احمدیت کی تعلیم اور نظریات کے اشتعال انگیز ہونے کا نتیجہ نہیں تھے بلکہ اس اشتعال انگیز اور منافرت خیز پروپیگنڈے کا نتیجہ تھے جو مجلس احرار نے کھلے بندوں جماعت احمدیہ کے خلاف ایک لمبی مدت تک جاری رکھا۔ اور اُن کا مقصد جیسا کہ فاضل ججوں نے خود تسلیم کیا ہے، مذہبی نہیں بلکہ محض سیاسی تھا۔ (ملاحظہ ہوں رپورٹ کے حوالجات زیر عنوان ''فسادات کی ذمہ داری'' صفحہ ۱۰، ۱۱)

جارحانہ نشر و اشاعت

رپورٹ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ جارحانہ سے کیا مراد ہے۔ اگر اس سے مراد لوگوں کو ایک خیال یا عقیدہ کے قبول کرنے کے لئے دعوت دینا ہے تو یہ ابتدائے دنیا سے آج تک تمام مامورین اور مصلحین کرتے چلے آئے ہیں۔ قابل اعتراض امر تو صرف یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مذہب کو منوانے کے لئے جبر و اکراہ اور تشدّد کے وسائل استعمال کرے جو احمدیہ جماعت نے کبھی نہیں کئے بلکہ اُس نے ہمیشہ ایسا کرنے والوں کی مذمت کی ہے۔

اِس ضمن میں فاضل ججوں نے حضرت [امام] جماعت احمدیہ کی بمقام کوئٹہ تقریر کا ذکر کیا ہے۔ اس کا ملخّص ہم ''دیگر شکایات و الزامات'' کے زیر عنوان لکھیں گے۔ اور یہ تقریر بھی مطالبات کا باعث قرار نہیں دی جا سکتی کیونکہ یہ تقریر اگست ۱۹۴۹ء میں کی گئی تھی اور احراری ''احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت'' قرار دئے جانے کا مطالبہ اس سے پہلے کر چکے تھے۔ چنانچہ رپورٹ میں لکھا ہے:-

> ''احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ سب سے پہلے راولپنڈی کی ایک کانفرنس میں کیا گیا اور اس کے بعد یکم مئی ۱۹۴۹ء کو پنڈ دادنخان کے ایک جلسہ عام میں اس کا اعادہ کیا گیا۔'' [1]

دوسرا حوالہ اِس ضمن میں فاضل ججوں نے یہ دیا ہے کہ :-

> ''اسی طرح جب انہوں نے (یعنی حضرت امام جماعت احمدیہ نے۔ ناقل) اپنے پیروؤں کو یہ ہدایت کی کہ تبلیغ احمدیت کے پروپیگنڈا کو تیز کر دیں تا کہ ۱۹۵۲ء کے آخر تک پوری مسلم آبادی احمدیت کی آغوش میں آ جائے تو گویا مسلمانوں کو تبدیل مذہب کے متعلق سرگرمیوں کا کھلا نوٹس دیدیا۔''

معلوم ہوتا ہے فاضل ججوں کی یہ رائے اس حوالہ کی بناء پر ہے جو رپورٹ کے صفحہ ۲۱۳ پر درج ہے اور وہ یہ ہے:-

---

[1] رپورٹ صفحہ ۱۲

''اُن کا وہ خطبہ جو ۱۹۵۱ء کے کرسمس میں انہوں نے صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے سالانہ اجلاس میں دیا تھا اور جو الفضل مورخہ ۱۶؍جنوری ۱۹۵۲ء میں شائع کیا گیا تھا، اس خطبہ میں اُنہوں نے اپنے پیروؤں سے پُر جوش اپیل کی تھی کہ اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو تیز کردیں تا کہ جو لوگ احمدیت سے منکر رہے ہیں وہ ۱۹۵۲ء کے آخر تک احمدیت کی آغوش میں آجائیں۔''

رپورٹ کے صفحہ ۲۱۳ پر یہ حوالہ غیر احمدیوں کی شکایات کے ضمن میں درج کیا گیا ہے اور مولانا مودودی صاحب نے اس حوالہ کا ذکر اپنے تحریری [بیان] میں ایسے رنگ میں کیا ہے کہ وہ امام جماعت احمدیہ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے لیکن یہ حقیقت میں درست نہیں کیونکہ نہ تو حضرت امام جماعت احمدیہ نے ۱۹۵۱ء کے جلسہ سالانہ پر کوئی ایسا خطبہ یا تقریر کی جس میں آپ نے ایسی تحریک کی ہو اور نہ ہی کوئی ایسا خطبہ الفضل مورخہ ۱۶؍جنوری ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں شائع ہوا ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے۔ الفضل کا یہ پرچہ دیکھ کر ہر کوئی ہمارے بیان کی تصدیق کر سکتا ہے۔ اس پرچہ میں اس مضمون کا ایک نوٹ احمدی نوجوانوں کی مجلس خدام الاحمدیہ کے مہتمم تبلیغ کا لکھا ہوا ہے جس میں اُس نے خدام کو تبلیغ کی ترغیب دلائی ہے اور اس میں حضرت امام جماعت احمدیہ کا ذکر نہ صراحتاً نہ اشارۃً اور نہ کنایۃً پایا جاتا ہے۔ اِس لئے اِس حوالہ کا حضرت امام جماعت احمدیہ کی طرف انتساب قطعاً درست نہیں۔

تیسری بات فاضل ججوں نے غیر احمدی مسلمانوں کے اشتعال کا باعث یہ قرار دی ہے کہ اُن کے لئے ''دشمن'' یا ''مجرم'' یا محض ''مسلمان'' کے الفاظ استعمال کئے گئے۔

ہم نہیں سمجھتے کہ ایک مسلمان کے لئے محض ''مسلمان'' کا لفظ استعمال کرنا کیونکر اشتعال کا باعث ہو سکتا ہے اور جو شخص کسی سے دشمنی کر رہا ہو اُس کے لئے دشمن کے لفظ کا استعمال کرنا کیونکر نادرست ہو سکتا ہے۔ احرار کے لئے خواجہ ناظم الدین نے ''دشمنان پاکستان'' کا لفظ استعمال کیا۔ اِس کا ذکر کر کے خود فاضل جج لکھتے ہیں۔ ''کہ وہ اپنی گذشتہ سرگرمیوں کی وجہ سے اِسی لقب کے مستحق تھے۔'' [1]

رہا مجرم کے لفظ کا استعمال تو اس کے لئے جو حوالہ دیا گیا ہے وہ الفضل ۳؍جنوری ۱۹۵۲ء کا ہے جس کے الفاظ بحوالہ تحریری بیان مولانا مودودی صاحب یہ ہیں :-

''ہم فتحیاب ہوں گے۔ ضرور تم مجرموں کی طرح ہمارے سامنے پیش ہو گے۔ اُس وقت تمہارا حشر بھی وہی ہوگا جو فتح مکہ کے دن ابوجہل اور اس کی پارٹی کا ہوا۔''

الفضل ۳؍جنوری ۱۹۵۲ء میں حضرت امام جماعت احمدیہ کی جو تقریر شائع ہوئی ہے اس میں خطاب صرف چند اخبار نویسوں سے کیا گیا ہے اور خاص طور پر ایڈیٹر آفاق سے۔ مولانا مودودی صاحب نے اخبار الفضل ۳؍جنوری کا حوالہ دے کر جو مذکورہ بالا الفاظ پیش کئے ہیں وہ اس پرچہ میں قطعاً موجود نہیں اور بالکل غلط طور پر امام جماعت احمدیہ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔ اس کی تصدیق الفضل کے مذکورہ پرچہ کے ملاحظہ سے ہو سکتی ہے۔

آخری بات فاضل ججوں نے اس ضمن میں یہ لکھی ہے کہ :-

''اگر ان کے (یعنی احمدیوں کے۔ ناقل) خلاف احساسات اتنے شدید نہ ہوتے تو ہم نہیں سمجھتے کہ احراری اس حالت میں بھی ہر قسم کی مذہبی جماعتوں کو اپنے گرد جمع کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔''

اس کے متعلق ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ صرف فاضل ججوں کے بعض فقرات کو پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ فاضل جج لکھتے ہیں:-

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۷۸

(۱) ''ایک بات تو اس تحقیقات میں قطعی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ اگر ایک دفعہ عوام کو یقین دلایا جائے کہ جو کچھ اُن سے کیا جا رہا ہے یہ مذہبی اعتبار سے صحیح ہے یا مذہب نے اس کا حکم دیا ہے تو انکو ہر عمل پر آمادہ کیا جا سکتا ہے جس میں وہ ضبط و نظم، وفاداری، شائستگی، اخلاق اور حس شہریت کے تمام مصالح کو آگ لگا دینگے۔'' [۱]

(۲) احراری جن نظریات کو پاکستان میں نافذ کرنا چاہتے ہیں اُن کے اختیار کرنے کے متعلق صدر مجلس احرار کے خیالات درج کر کے فاضل جج لکھتے ہیں:

''اس پر تبصرے کی کوئی ضرورت نہیں کہ پاکستان میں احرار کا سا ماضی رکھنے والی جماعت بھی اگر ایک بظاہر معقول مذہبی شاخسانہ کھڑا کر دے تو وہ حکومت کا تختہ اُلٹ سکتی ہے۔'' [۲]

شورش پسند ہر جگہ یہ اعلان کر رہے تھے کہ وہ جہاد کر رہے ہیں اور ''حکومت کے خلاف جدوجہد ایک جہاد ہے۔'' [۳] اور خواجہ ناظم الدین کو تقریروں میں کافر، مرتد، احمق اور جاہل کہا گیا (ملاحظہ ہو رپورٹ صفحہ ۱۲۴)۔ عطاء اللہ شاہ بخاری نے اُن کے حق میں '' **بل هو الذين احمقون** '' [۴] اور خان عبدالستار خاں نیازی نے کہا۔ ''دولتانہ ڈاکو ہے اور ملّت کو لُوٹ رہا ہے۔'' [۵] اور نتیجہ یہ ہوا کہ فسادات میں خواجہ ناظم الدین اور اُن کی حکومت کے خلاف شورش پسندوں نے لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لیا حالانکہ پہلے اُن کے خلاف کوئی شدید احساسات نہ تھے۔

فسادات کی اصل وجہ وہی ہے جو فاضل ججوں نے دوسری مقامات پر ذکر کی ہے کہ

۱۔ ''ہر دلعزیز بننے کی خواہش سے حکام متعلقہ نے ان لوگوں کے خلاف قانونی کاروائی نہ کی جو مبیّنہ جرائم کے مرتکب ہوئے تھے اور جن کے خلاف بہت سے افسروں نے زیر دفعہ ۱۵۳-الف اور زیر دفعہ ۲۹۵-الف تعزیرات پاکستان مقدمات چلانے کی سفارش کی تھی۔ ''لیکن نہ کسی مقدمے کے دائر کرنے کا حکم دیا گیا اور نہ کوئی مقدمہ دائر کیا گیا۔'' [۶]

۲۔ ''جب جولائی ۱۹۵۲ء کے بعد احرار اور علماء کے ہر قول و فعل کی طرف سے بے پروائی کا رویہ اختیار کر لیا گیا تو وہ صورت حالات پھر بگڑتی چلی گئی۔ بلکہ اس کے برعکس چیف منسٹر کی اُن تقریروں کی وجہ سے یہ بگاڑ اور بھی زیادہ ہو گیا جن میں انہوں نے علی الاعلان یہ خیال ظاہر کیا کہ احمدی مسلمان نہیں ہیں۔'' [۷]

''حکومت نے لوگوں کو اس امر کا موقعہ دیا کہ جو زہر اُن کو دیا جا رہا ہے اس کو بے تکلف پیتے چلے جائیں۔'' [۸]

پس اگر فسادات کے پس منظر کا نمایاں پہلو حکام کا ''ہر دلعزیز رہنے کی خواہش'' اور ''ذاتی اغراض'' اور ''سیاسی اقتدار کا حصول'' نہ ہوتا تو جیسے گزشتہ ستر سال میں احمدیوں اور غیر احمدیوں کے مابین کبھی فسادات نہیں ہوئے تھے، اسی طرح اب بھی نہ ہوتے اور صرف قانون و انتظام کا سوال ہوتا تو شورش بہت جلد ختم کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ

مسٹر آفتاب احمد صدر سٹی مسلم لیگ گوجرانوالہ نے اپنی شہادت میں ذکر کیا کہ چیف منسٹر نے اُن سے مخاطب ہو کر یہ الفاظ کہے تھے:-

''صاحب! میں تو اس شورش کو دو منٹ کے اندر ختم کر سکتا ہوں لیکن خواجہ صاحب مجھے کچھ نہیں کرنے دیتے۔'' [۹]

اور فاضل ججوں کی اپنی یہ رائے ہے کہ

''ہمیں یقین واثق ہے کہ اگر احرار کے مسئلے کو سیاسی مصالح سے الگ ہو کر محض قانون و انتظام کا مسئلہ قرار دیا جاتا تو صرف ایک

---

۱ رپورٹ صفحہ ۲۴۹ | ۲ رپورٹ صفحہ ۲۷۹ | ۳ رپورٹ صفحہ ۱۶۳ | ۴ رپورٹ صفحہ ۱۴۵ | ۵ رپورٹ صفحہ ۱۲۴ | ۶ رپورٹ صفحہ ۲۹۹ | ۷ رپورٹ صفحہ ۴۲۴ | ۸ رپورٹ صفحہ ۳۳۱ | ۹ رپورٹ ۲۹۰

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور سپرنٹنڈنٹ پولیس ان کے تدارک کے لئے کافی تھے۔'' [1]

۴- فاضل ججوں کا یقین:-

''ہمارا نیک نیتی سے یقین ہے کہ مسٹر انور علی نے احرار کو خلاف قانون جماعت قرار دینے کے اثر کے متعلق جو کچھ کہا اس سے ظاہر ہے کہ صورت حالات کے متعلق اُن کا اندازہ بالکل صحیح تھا۔ اگر یہ تدبیر مئی ۱۹۵۲ء میں اختیار کر لی جاتی تو احراری علماء سے مذہبی اپیل کرنے کے قابل نہ ہوتے۔ اور جولائی ۱۹۵۲ء میں آل پارٹیز کنونشن منعقد نہ ہوئی ہوتی اور اگر علماء بیچ میں نہ کود پڑے ہوتے تو احمدی نزاع کو دوسرے فرقہ وارانہ نزاعات سے (جن سے ہم واقف ہیں) مختلف حیثیت دینے کی نوبت نہ آتی۔'' [2]

The Persecution.org

[1] رپورٹ صفحہ ۴۲۵ | [2] رپورٹ صفحہ ۳۴۸

حصہ سوم

(الف) مسلمانوں اور احمدیوں کے اختلافی مسائل
(ب) مسلمانوں کی احمدیوں کے خلاف دیگر شکایات والزامات

اختلافی مسائل:-

فاضل ججوں نے رپورٹ کے حصہ چہارم میں احمدیوں اور غیر احمدیوں کے تین اختلافی مسائل کا ذکر کیا ہے۔

(۱) ختم نبوت (۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات وممات اور اُن کا ظہور ثانی (۳) جہاد

فاضل ججوں نے ان مسائل پر بحث کرتے ءہوئے فریقین کی طرف سے بعض پیش کردہ آیات لکھ دی ہیں اور ہر فریق کے عقائد کا ذکر بھی خود اُنہی کے الفاظ میں کر دیا ہے لیکن اپنی طرف سے کوئی رائے نہیں دی اور صاف الفاظ میں لکھ دیا ہے کہ

''ہمارا فرض یہ نہیں کہ کسی خاص تاویل کی صحت کے مسئلے پر اپنی رائے کا اظہار کریں۔'' [1]

اور مسئلہ حیات ووفات مسیح کے بیان میں صفحہ ۲۰۲ پر مکرر ظاہر کر دیا ہے کہ

''یہ ہمارا کام نہیں کہ اس بحث کے مالہ وماعلیہ کے متعلق اپنی رائے ظاہر کریں۔'' [2]

چونکہ فاضل ججوں نے اس امر کے متعلق کہ مسئلہ حیات ووفات مسیح اور مسئلہ ختم نبوت میں کس فریق کا نقطہ نظر صحیح ہے اور کس کا غلط۔ اپنی رائے ظاہر کرنے سے قطعاً اجتناب کیا ہے اس لئے ہمیں بھی اس پر کچھ اور لکھنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ فاضل ججوں نے احمدیوں کی طرف منسوب کر کے ختم نبوت کی یہ تشریح لکھی ہے کہ

''مرزا غلام احمد صاحب نے نبی کا لفظ اپنے لئے استعمال کیا ہے لیکن یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ لفظ ایک خاص معنی میں استعمال کیا ہے اور وہ اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے نبی نہ تھے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسا پیغام نہ لائے تھے جس سے سابقہ پیغام کی تنسیخ یا ترمیم یا ایزادی لازم آتی ہے۔ اور اُن کا دعویٰ تشریعی نبوت کا نہیں بلکہ ظلّی یا بروزی نبوت کا ہے۔'' ۞ [3]

۞ اس جگہ رپورٹ میں لکھا ہے کہ ''فریق ثانی کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ ظل اور بروز کا تصور (جسے حلول یا ہندی میں اوتار کہنا چاہئے) عقائد اسلامی کے منافی ہے۔'' [4] حالانکہ بروز کی اصطلاح صرف حضرت بانی جماعت احمدیہ نے پیش نہیں کی بلکہ آپ سے پہلے صوفیائے کرام نے بھی اس اصطلاح کو استعمال کیا ہے (ملاحظہ ہو خزائن اسرار الکلم مقدمہ شرح منصوص الحکم صفحہ ۴۷ مسئلہ بروز اور تمثّل مؤلفہ شاہ مبارک احمد علی حیدر آبادی مطبوعہ کانپور۔ ۲- نیز ملاحظہ ہو اشارات فریدی حصہ دوم صفحہ ۱۱۰ و ۱۱۱، ۱۱۵۔ اس میں جناب پیر خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف والوں نے بروز کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے۔

۳- اسی طرح محمد اکرم صاحب صابریؒ نے اپنی کتاب اقتباس الانوار صفحہ ۵۲ میں بروز کی حقیقت بیان کر کے لکھا ہے ''در خاتم الولایت کہ مہدی است نیز روحانیت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بروز وظہور خواہد کرد وتصرفہا خواہد نمود وایں را بروزات کمل گویند نہ تناسخ۔ وبعضے بر آئندہ کہ روح عیسیٰ در مہدی بروز کند ونزول عبارت از ہمیں بروز است مطابق حدیث کہ لا مہدی الّا عیسیٰ ابن مریم''۔ پس مسئلہ بروز کو غیر اسلامی بتانا معترضین کی لاعلمی کی وجہ سے ہے۔ اور آپکو جو وحی ہوئی وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت کا نتیجہ تھی۔

---

[1] رپورٹ صفحہ ۱۹۸ | [2] رپورٹ صفحہ ۲۰۲ | [3] رپورٹ صفحہ ۱۹۸ | [4] رپورٹ صفحہ ۱۹۹

پھر لکھتے ہیں :-

''ہمارے سامنے جو موقف اختیار کیا گیا ہے وہ واضح طور پر یہ ہے کہ مرزا غلام احمد اپنے آپ کو محض اس لئے نبی کہتے تھے کہ ان کو ایک الہام میں اللہ تعالےٰ نے نبی کر کے مخاطب کیا تھا۔ وہ کوئی نیا قانون یا ضابطہ نہیں لائے انہوں نے اصلی اور پُرانی شریعت میں نہ کوئی تنسیخ کی ہے، نہ اضافہ کیا ہے اور مرزا صاحب کی وحی پر ایمان نہ لانے سے کوئی شخص خارج از اسلام قرار نہیں دیا جا سکتا۔'' ۱

یہ موقف کوئی نیا موقف نہیں بلکہ وہی پرانا موقف ہے جو حضرت بانئے جماعت احمدیہ نے اپنی کتب میں بار بار بیان کیا ہے۔

(۱) حضرت اقدس فرماتے ہیں :-

''اس نکتہ کو یاد رکھو کہ میں رسول اور نبی نہیں ہوں۔ یعنی باعتبار نئی شریعت نئے دعوے اور نئے نام کے۔ اور میں رسول اور نبی ہوں یعنی باعتبار ظلیت کاملہ کے۔ میں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہوا۔'' ۲

(۲) اور فرماتے ہیں :-

''اگر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت نہ ہوتا اور آپ کی پیروی نہ کرتا تو اگر تمام دنیا کے پہاڑوں کے برابر میرے اعمال ہوتے تو پھر بھی میں کبھی یہ شرف مکالمہ ومخاطبہ حاصل نہ کر سکتا۔ اور اب بجُز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آ سکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے مگر وہی جو پہلے اُمتی ہو پس اس بناء پر میں اُمتی بھی ہوں اور نبی بھی۔'' ۳

(۳) اور فرماتے ہیں :-

''یاد رہے کہ بہت سے لوگ میرے دعوے میں نبی کا لفظ دیکھ کر دھوکا کھاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ گویا میں نے اس نبوت کا دعویٰ کیا ہے جو پہلے زمانہ میں براہ راست نبیوں کو ملی ہے۔ لیکن وہ اس خیال میں سخت غلطی پر ہیں میرا ایسا دعویٰ نہیں ہے بلکہ خدا تعالےٰ کی مصلحت اور حکمت نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے افاضہ روحانی کا کمال ثابت کرنے کے لئے یہ مرتبہ بخشا ہے کہ آپ کے فیض کی برکت سے مجھے مقامِ نبوت تک پہنچایا۔ اس لئے میں صرف نبی نہیں کہلا سکتا بلکہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی۔ اور میری نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظل ہے نہ کہ اصل نبوت۔ اِسی وجہ سے حدیث اور الہام میں جیسا کہ میرا نام نبی رکھا گیا ہے ویسا ہی میرا نام اُمتی بھی رکھا ہے۔ تا معلوم ہو کہ ہر ایک کمال مجھ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپ کے ذریعہ ملا ہے۔'' ۴

اور وحی کے متعلق فرماتے ہیں :-

''اور اب کوئی ایسی وحی یا ایسا الہام منجانب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکام فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کی تبدیلی یا تغیر کر سکتا ہو۔ اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔'' ۵

اس جگہ رپورٹ میں فریق ثانی کہ یہ بات بھی درج کی گئی ہے کہ

''ہر شخص جو وحی نبوت کا مورد ہونے کا دعویٰ کرتا ہے وہ ایک نئی اُمت کی بنیاد رکھتا ہے لہٰذا ملت اسلام کے دائرے سے خارج ہو جاتا ہے۔''

---

۱ رپورٹ صفحہ ۱۹۹ | ۲ نزول المسیح حاشیہ صفحہ ۳ | ۳ تجلیات الٰہیہ صفحہ ۲۴ ۱۹۰۶ء | ۴ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۰ حاشیہ مطبوعہ ۱۹۰۷ء | ۵ ازالہ اوہام ایڈیشن اول صفحہ ۱۳۸

نیز فریق ثانی کے اس دعویٰ کا بھی ذکر کیا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنی وحی کو ایسی ہی وحی نبوت قرار دیا ہے۔ اس دعویٰ کے باطل ہونے کا ناقابل تردید ثبوت یہ ہے کہ حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے کبھی نئی اُمت بنانیکا دعویٰ نہیں کیا بلکہ اپنے آپ کو اُمت محمدؐیہ میں سے قرار دیا ہے۔ [1] اور تمام احمدی اپنے آپ کو اُمت محمدؐیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ پس جب کوئی احمدی بھی اپنے آپ کو سوائے اُمت محمدؐیہ کے کسی اور اُمت کی طرف منسوب نہیں کرتا تو مخالف فریق کا یہ کہنا کہ بانی جماعت احمدیہ نے ایک علیحدہ امت بنائی کس قدر غلط اور خلاف واقعہ اور غیر معقول قول ہے اور اسی سے اُن کا یہ دعویٰ بھی باطل ثابت ہو جاتا ہے کہ انہوں نے ایسی وحی نبوت کا دعویٰ کیا جس سے انسان ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے۔

مسئلہ وفات وحیات مسیح اور اُن کا دوبارہ ظہور

اس مسئلہ کے متعلق فاضل ججوں نے جس اختلاف کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے۔

(۱) غیر احمدی مسلمان کہتے ہیں کہ

''مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے بلکہ معجزانہ طور پر نظر کا ایک دھوکا واقع ہو گیا تھا۔ دراصل اللہ تعالےٰ نے مسیح کو اپنی طرف اُٹھا لیا تھا۔ وہ اب تک چوتھے آسمان پر موجود ہیں اور روزِ قیامت سے پہلے وہاں سے نازل ہوں گے۔ اس عقیدے کی تائید میں بے شمار حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔'' [2]

(۲) احمدی عقیدہ یہ ہے۔

''کہ مسیح صلیب پر نہیں مرے بلکہ عام حالات میں طبعی موت مرے تھے۔ ان کے خصائل رکھنے والا ایک اور آدمی موعود تھا چنانچہ وہ مرزا غلام احمد کی شخصیت میں ظہور کر چکا ہے۔ وہ نامور علماء و آئمہ کی کئی تحریرات اپنے اس عقیدے کی تائید میں پیش کرتے ہیں کہ روزِ قیامت سے پیشتر جو مسیح موعود ظاہر ہونے والا تھا خود مسیح نہیں بلکہ مثیل مسیح ہوگا۔'' [3]

اِس کے متعلق ڈاکٹر علامہ محمد اقبال فرما گئے ہیں کہ

''مرزائیوں کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک فانی انسان کی مانند جامِ مرگ نوش فرما چکے ہیں نیز یہ کہ اُن کے دوبارہ ظہور کا مقصد یہ ہے کہ رُوحانی اعتبار سے اُن کا ایک مثیل پیدا ہوگا کسی حد تک معقولیت کا رنگ لئے ہوئے ہے۔'' [4]

اور ۱۹۴۲ء میں مصر کے ایک بڑے ازہری عالم الشیخ محمد شلتوت نے بھی تفصیلی بحث کر کے لکھا ہے کہ ''قرآن مجید اور سُنت مطہرہ میں کوئی ایسی سند نہیں ہے جس سے اس عقیدہ پر دل مطمئن ہو سکے کہ حضرت عیسیٰؑ اپنے جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے اور اب تک وہ آسمان پر زندہ ہیں اور یہ کہ وہی آخری زمانے میں زمین پر آئیں گے۔'' (الرسالۃ مورخہ ۱۱ مئی ۱۹۴۲ء مطبوعہ القاہرہ)

کسی نے خوب فرمایا ؎ بدنیا گر کسے پایندہ بودے ابوالقاسم محمدؐ زندہ بودے

مسئلہ جہاد

جن مسائل میں احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان اختلاف ہے اُن میں سے ایک مسئلہ جہاد بھی ہے۔ غیر احمدی علماء نے عام مسلمانوں کو

---

[1] دیکھو تجلیات الٰہیہ صفحہ ۲۴ وحقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۰ حاشیہ | [2] و [3] رپورٹ صفحہ ۲۰۲ | [4] آزاد ۲۱/اپریل ۱۹۵۰ء

احمدیوں کے خلاف مشتعل کرنے کے لئے یہ مکروہ پروپیگنڈہ کیا کہ احمدی جہاد اسلامی کے منکر ہیں اور یہ کہ بانی جماعت احمدیہ نے اس جہاد کو جو قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہے اور اسلام کی روح رواں ہے، منسوخ کر دیا ہے۔ فاضل جج رپورٹ میں اس اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

''جہاں تک عقیدۂ جہاد کا تعلق ہے۔ احمدیوں کا خیال یہ ہے کہ جس جہاد کو "جہاد بالسیف" کہتے ہیں وہ صرف اپنے دفاع میں جائز ہے اور مرزا غلام احمد صاحب نے اس مسئلہ پر اپنا خیال پیش کرتے ہوئے محض ایک عقیدہ مرتب کر لیا ہے جو قرآن مجید کی متعدد آیات پر مبنی اور براہ راست اس سے ماخوذ ہے۔ ❁ (فاضل ججوں نے وہ آیات بھی نقل کر دی ہیں۔ ناقل) اور مرزا صاحب قرآن مجید کے کسی قاعدے یا کسی ہدایت کو منسوخ و موقوف کرنے کے مدعی نہیں ہیں۔'' [1]

پھر دوسری جماعتوں کے اعتراض اور انہوں نے اپنے قول کی تائید میں حضرت بانی جماعت احمدیہ کے جو اقوال پیش کئے تھے، اُن کا ذکر کر کے فاضل جج لکھتے ہیں :-

''احمدیوں کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جو الفاظ و تصریحات استعمال کی گئی ہیں ان میں تنسیخ کا مفہوم نہیں۔ بلکہ قرآن مجید کے ایک عقیدے کی تعبیر و توجیہہ ہے جو صدیوں سے غلط فہمی کا شکار بنا رہا ہے اور بہر کیف ان الفاظ کی تعبیر دوسرے لوگ کچھ بھی کریں احمدیوں نے ہمیشہ یہی سمجھا ہے کہ ان میں کوئی نیا عقیدہ رائج نہیں کیا گیا۔ بلکہ اُسی اصلی عقیدے کا اعادہ ہے جو قرآن مجید میں موجود ہے اور مرزا غلام احمد نے صرف پرانے عقیدے کی پاکیزگی کو میل کچیل سے پاک کر دیا ہے۔'' [2]

پھر مختصراً انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں سے ''جہاد'' کے متعلق مسلمانوں کا نظریہ پیش کر کے لکھتے ہیں :-

''عام طور پر مسلّمہ رائے یہ ہے کہ سورۂ توبہ (سورہ ۹) کی پانچویں آیت نے ان مکّی آیات کو منسوخ کر دیا ہے جن میں صرف دفاع کے لئے کفار کے خلاف قتال کی اجازت دی گئی تھی۔ اس کے برعکس احمدیوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید کی کوئی آیت کسی دوسری آیت کو منسوخ نہیں کرتی اور دونوں قسم کی آیات یعنی مکّی آیات اور سورۂ توبہ کی متعلقہ آیات کے دائرے مختلف ہیں۔ چنانچہ وہ پہلو بہ پہلو چل سکتی ہیں۔'' [3]

غیر احمدیوں کا جہاد کے متعلق عقیدہ

''ہم اس مباحثے کے مالہٗ و ماعلیہ پر اپنی رائے ظاہر نہیں کر سکتے لیکن یہ بتا دینا ضروری ہے کہ مختصر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالے سے اور بعض دوسری پیش شدہ تحریرات سے جن میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا شبیر احمد عثمانی کی کتابیں شامل ہیں عقیدۂ جہاد کے متعلق جو کچھ ہمیں معلوم ہوا ہے۔ اس کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ اسلام اسلحہ اور فتوحات کے زور سے پھیلا ہے۔ اب

❁ حضرت بانی جماعت احمدیہ پادری عمادالدین کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

''اس نکتہ چیں نے جو جہاد اسلام کا ذکر کیا ہے اور گمان کرتا ہے کہ قرآن بغیر لحاظ کسی شرط کے جہاد پر برانگیختہ کرتا ہے۔ سو اس سے بڑھکر اور کوئی جھوٹ اور افترا نہیں۔ قرآن شریف صرف ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کا حکم فرماتا ہے جو خدا تعالےٰ کے بندوں کو اس کا ایمان لانے اور اس کے دین میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اور اس بات سے کہ خدا تعالیٰ کے حکموں پر کاربند ہوں اور اسکی عبادت کریں۔ اور اُن لوگوں سے لڑنے کیلئے حکم فرماتا ہے جو مسلمانوں سے بے وجہ لڑتے ہیں اور مومنوں کو اُن کے گھروں اور وطنوں سے نکالتے ہیں اور خلق اللہ کو جبراً اپنے دین میں داخل کرتے ہیں اور دین اسلام کو نابود کرنا چاہتے ہیں اور لوگوں کو مسلمان ہونے سے روکتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے۔ اور مومن پر واجب ہے کہ اُن سے لڑیں اگر وہ باز نہ آئیں۔'' [2]

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۰۵ | [2] نورالحق حصہ اول صفحہ ۴۵ | [3] رپورٹ صفحہ ۳ | [4] رپورٹ صفحہ ۲۴۱

جارحیت اور نسل کُشی انسانیت کے خلاف جرائم قرار پا چکے ہیں.....ایک طرف جارحیت اور نسل کشی کے جرائم ہیں اور دوسری طرف یہ عقیدہ ہے کہ اسلام بزور شمشیر اور بزور فتوحات کے پھیلا ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اِن دونوں میں فرق کیا ہے۔ نسل کُشی کے متعلق عنقریب ایک بین الاقوامی میثاق مرتب ہونے والا ہے لیکن اگر جہاد کا وہ نظریہ درست ہے جو ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے تو پاکستان اس میثاق میں ہرگز حصہ نہیں لے سکتا۔ مکّی سورتوں کی مندرجہ ذیل آیات میں وہ بلند ترین اور پاکیزہ اصول پیش کیا گیا ہے جس کا تصور اب کہیں جا کر بین الاقوامی قانوندانوں کو نظر آنے لگا ہے لیکن ہم برابر یہی تلقین کر رہے ہیں کہ جارحیت اسلام کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔'' [1]

رپورٹ کو پڑھنے والا یہ نتیجہ اخذ کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اسلامی جہاد کا جو تصور جماعت احمدیہ پیش کرتی ہے، فاضل ججوں کے نزدیک وہی صحیح تصور ہے۔ اور جو تصور اسلامی جہاد کا علماء نے عدالت کے روبرو پیش کیا وہ غلط اور حد درجہ گھناؤنا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مؤلف محاسبہ کو یہ لکھنا پڑا کہ

''انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار نے یا مودودی صاحب نے جہاد کا مقصد جو یہ بیان کیا ہے کہ تلوار کی طاقت کے بل پر دین اسلام کی اشاعت کی جائے، وہ صحیح نہیں۔'' [2]

اور مؤلفین تبصرہ کو یہ لکھنا پڑا کہ

''اگر عدالت کے پاس مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کی ایسی تحریرات موجود تھیں جن سے عقیدۂ جہاد کی تشریح 'اشاعت اسلام بزور اسلحہ وفتوحات' ثابت ہوتی تھی تو کیا زیادہ مناسب یہ نہ ہوتا کہ ان تحریروں کی ضروری عبارتیں نقل کر دی جاتیں؟ حد یہ کہ رپورٹ ان کی طرف اشارہ تک بھی نہیں کرتی کہ وہ کس کتاب یا رسالے میں اُس کے کس صفحہ پر ہیں۔'' [3]

مؤلفین تبصرہ کے اس مطالبہ سے صاف ظاہر ہے کہ اگر مولانا مودودی صاحب نے فی الواقعہ جہاد کا یہ تصور پیش کیا ہو تو وہ اسلام کو دنیا میں رُسوا کرنے والا تصور ہوگا۔ چونکہ تبصرہ لکھنے والے مودودی ہیں اس لئے ہم اُن کی خاطر مولانا مودودی صاحب کی وہ عبارات پیش کر دیتے ہیں جن میں جہاد کا وہی تصور پیش کیا گیا ہے جس کا ذکر فاضل جج صاحبان نے اپنی رپورٹ میں کیا ہے۔

(۱) مولانا مودودی صاحب اپنے رسالہ ''حقیقت جہاد'' میں زیر عنوان ''جہاد کا مقصد'' لکھتے ہیں :-

''اصلاح خلق کی کوئی سکیم بھی حکومت کے اختیارات پر قبضہ کئے بغیر نہیں چل سکتی۔ جو کوئی حقیقت میں خدا کی زمین سے فتنہ وفساد کو مٹانا چاہتا ہو، اور واقعی یہ چاہتا ہو کہ خلق خدا کی اصلاح ہو تو اس کیلئے محض واعظ اور ناصح بن کر کام کرنا فضول ہے۔ اُسے اُٹھنا چاہیئے اور غلط اصول کی حکومت کا خاتمہ کر کے غلط کار لوگوں کے ہاتھوں سے اقتدار چھین کر صحیح اصول اور صحیح طریقے کی حکومت قائم کرنی چاہیے۔''

(۲) پھر ان لوگوں کا ذکر کر کے جو عبادات کے ذریعہ تربیت حاصل کرتے ہیں لکھتے ہیں۔ تب اسلام اُن سے کہتا ہے

''اب تم روئے زمین پر خدا کے سب سے صالح بندے ہو۔ لہٰذا آگے بڑھو اور لڑ کر خدا کے باغیوں کو حکومت سے بے

[1] رپورٹ صفحہ ۲۴۲ | [2] محاسبہ صفحہ ۴۱ | [3] تبصرہ صفحہ ۱۵

دخل کردو اور حکمرانی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لو۔''

(۳) پھر اسی رسالہ 'حقیقت جہاد' میں زیرعنوان 'عالمگیر انقلاب' لکھتے ہیں :-

''کوئی ایک مملکت بھی اپنے اصول ومسلک کے مطابق پوری طرح عمل نہیں کرسکتی جب تک ہمسایہ ممالک میں بھی وہی اصول ومسلک نہ رائج ہو جائے۔ لہٰذا مسلم پارٹی کے لئے اصلاح عمومی اور تحفظ خودی دونوں کی خاطر یہ ناگزیر ہے کہ کسی ایک خطہ میں اسلامی نظامِ حکومت قائم کرنے پر اکتفا نہ کرے بلکہ جہانتک اسکی قوتیں ساتھ دیں اس نظام کو تمام اطراف میں وسیع کرنے کی کوشش کرے وہ ایک طرف اپنے افکار ونظریات کو دنیا میں پھیلائے گی اور تمام ممالک کے باشندوں کو دعوت دیگی کہ اس مسلک کو قبول کریں جس میں اُن کیلئے حقیقی فلاح مضمر ہے۔ دوسری طرف اگر اُس میں طاقت ہوگی تو وہ لڑکر غیر اسلامی حکومتوں کو مٹادیگی اور انکی جگہ اسلامی حکومت قائم کرے گی۔''

ہم امید رکھتے ہیں کہ مؤلفین تبصرہ ان عبارات کو پڑھکر فاضل ججوں کی تحقیق کو درست قرار دینگے جو انہوں نے جہاد کے بارے میں مولانا مودودی صاحب کی طرف منسوب کی ہے۔ مؤلفین تبصرہ کے نزدیک حیدرآباد کا پولیس ایکشن جارحانہ حملہ بھی تھا اور نسل کشی بھی، جو حد درجہ قابل اعتراض ہے تو پھر مولانا مودودی صاحب کی تعریف جہاد سے جو اُن کے رسالہ حقیقت جہاد کی مذکورہ بالا عبارات میں بیان کی گئی ہے۔ کیا جہاد کا تصور بعینہٖ وہی ہے یا نہیں جو حیدرآباد کے پولیس ایکشن کا ہے اور ان سے جارحانہ حملے کرنے کا وجوب نکلتا ہے یا نہیں؟

اِسلامی مملکت میں غیر مسلموں کا موقف

حقوق شہریت- آزادیٔ تبلیغ

اور غیر مسلم مملکتوں میں اس کا متوقع ردِّعمل

پھر فاضل ججوں نے جہاد سے متعلقہ مسائل مثلاً غازی، شہید، دارالاسلام، دارالحرب، ہجرت، غنیمت، خُمس اور غلامی وغیرہ پر بحث کی ہے۔ چونکہ ان سوالات کا زیر بحث تنازعہ سے بلاواسطہ کوئی علاقہ نہیں اس لئے ہم انہیں چھوڑ کر دو اہم امور کو لیتے ہیں اور وہ ہیں۔

اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کا موقف۔ اور آیا انہیں وہی حقوق شہریت حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو ہوں گے اور انہیں اپنے مذہب کی تبلیغ کا حق ہوگا یا نہیں۔ فاضل جج لکھتے ہیں :-

''اگر ہم اسلامی دستور نافذ کریں گے۔ تو پاکستان میں غیر مسلموں کا موقف کیا ہوگا۔ ممتاز علماء کی رائے یہ ہے کہ پاکستان کی اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کی حیثیت ذمّیوں کی سی ہوگی اور وہ پاکستان کے پورے شہری نہ ہوں گے کیونکہ ان کو مسلمانوں کے مساوی حقوق حاصل نہیں ہوں گے۔ وضع قوانین میں ان کی کوئی آواز نہ ہوگی۔ قانون کے نفاذ میں اُن کا کوئی حصہ نہ ہوگا اور انہیں سرکاری عہدوں پر فائز ہونے کا کوئی حق نہ ہوگا۔'' [1]

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۲۹

اور مولانا عبدالحامد بدایونی کی شہادت سے متعلقہ فقرات ذکر کر کے لکھتے ہیں :-

''پس اس عالم دین کی شہادت کی رُو سے پاکستان کے غیر مسلم نہ تو شہری ہوں گے نہ انہیں ذمیوں یا معاہدوں کی حیثیت حاصل ہوگی۔'' [1]

مزید برآں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے کہا ''یہ ممکن نہیں کہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم حکومت کا وفادار ہو۔ اسی طرح چار کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی مملکت کے وفادار شہری ہوں۔'' [2] اس کے متعلق فاضل جج لکھتے ہیں :-

''یہ جواب اس نظریے کے بالکل مطابق ہے جو ہمارے سامنے پُر زور طریق پر پیش کیا گیا ہے۔ لیکن اگر پاکستان کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے دستور کی بنیاد مذہب پر رکھے تو یہی حق اِن ملکوں کو بھی دینا ہوگا جن میں مسلمان کافی بڑی اقلیتوں پر مشتمل ہیں یا جو کسی ایسے ملک میں غالب اکثریت رکھتے ہیں جن میں حاکمیت کسی غیر مسلم قوم کو حاصل ہے۔'' [3]

پس جب پاکستان کی اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کا یہ موقف ہوگا تو ردّعمل کے طور پر اس کے بعض نتائج اُن مسلمانوں پر ضرور اثر انداز ہوں گے جو غیر مسلم مملکتوں میں آباد ہیں۔ اس لئے عدالت نے علماء سے یہ سوال کیا کہ اگر پاکستان میں غیر مسلموں کے ساتھ شہریت کے معاملات میں مسلموں سے مختلف سلوک کیا جائے تو کیا علماء کو اس امر پر اعتراض ہوگا؟

مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، صدر جمیعت العلماء پاکستان نے یہ جواب دیا کہ ''ہندوؤں کو جو ہندوستان میں اکثریت رکھتے ہیں۔ ہندو دھرم کے ماتحت مملکت قائم کرنے کا حق ہے اور اگر اس نظام حکومت میں منُو شاستر کے تحت مسلمانوں سے ملیچھ یا شودروں کا سا سلوک کریں تو اُن پر مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔''

اسی طرح مولانا مودودی صاحب نے کہا :-

''یقیناً مجھے اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا کہ حکومت کے اس نظام میں مسلمانوں سے ملیچھوں اور شودروں کا سا سلوک کیا جائے۔ ان پر منو کے قوانین کا اطلاق کیا جائے اور انہیں حکومت میں حصہ اور شہریت کے حقوق قطعاً نہ دئے جائیں۔'' [4]

۲- میاں طفیل محمد قیم جماعت اسلامی کے متعلق رپورٹ کہتی ہے :-

''اس گواہ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم حکومت اپنے ملک کی سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کو آسامیاں پیش بھی کرے تو ان کا فرض ہوگا کہ انکو قبول کرنے سے انکار کر دیں۔'' [5]

۳- غازی سراج الدین صاحب منیر نے جب یہ جواب دیا کہ ہمسایہ ملک اپنے سیاسی نظام کو اپنے مذہب پر مبنی قرار دے سکتا ہے تو عدالت نے اُن سے سوال کیا۔

سوال :- ''کیا آپ اُن کا یہ حق تسلیم کرتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانان ہند کو شودر اور ملیچھ قرار دے دیں اور انہیں کسی قسم کا شہری حق نہ دیں۔''

جواب :- ''ہم انتہائی کوشش کریں گے کہ ایسی حرکت سے پہلے اُن کی سیاسی حاکمیت ختم کر دی جائے۔ ہم ہندوستان کے مقابلے میں بہت طاقتور ہیں۔ ہم ضرور اتنے مضبوط ہوں گے کہ ہندوستان کو ایسا کرنے سے روک دیں۔''

جب غازی صاحب نے عدالت کے سوال پر یہ جواب دیا کہ تبلیغ اسلامی مذہبی فرائض میں سے ہے اور مسلمانان ہند کا بھی فرض ہے کہ علی الاعلان اپنے

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۳۱ | [2] رپورٹ صفحہ ۲۴۵ | [3] رپورٹ صفحہ ۲۴۵ | [4] رپورٹ صفحہ ۲۴۵ | [5] رپورٹ صفحہ ۲۴۶

مذہب کی تبلیغ کریں۔اور اُن کو اس کا حق حاصل ہونا چاہئے۔تو عدالت نے سوال کیا ۔

سوال :- ''اگر ہندوستانی مملکت مذہبی بنیاد پر قائم کردی جائے اور وہ مسلم باشندوں کو تبلیغ مذہب کے حق سے محروم کردے تو کیا ہوگا؟''

جواب :- ''اگر ہندوستان کوئی ایسا قانون وضع کرے گا تو چونکہ میں تحریک توسیع پر ایمان رکھتا ہوں، اس لئے ہندوستان پر حملہ کر کے اسکو فتح کرلوں گا۔''

اس پر عالت نے یہ ریمارک لکھا ہے۔

''گویا مذہبی وجوہ کی بناء پر امتیازی سلوک کی باہم مساوات کا یہ جواب ہے۔''

پھر فاضل ججوں نے اپنی رائے اِن الفاظ میں ظاہر کی ہے :-

''ہمارے سامنے جس نظریے کی حمایت کی گئی ہے اس کو اگر ہندوستان کے مسلمان اختیار کرلیں تو وہ مملکت کے سرکاری عہدوں سے کاملاً محروم ہوجائیں گے اور صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی ان کا یہی حشر ہوگا۔ جہاں غیر مسلم حکومتیں قائم ہیں مسلمان ہر جگہ دائمی طور پر مشتبہ ہوجائیں گے اور فوج میں بھرتی نہ کئے جائیں گے کیونکہ اس نظریہ کے مطابق کسی ملک اور کسی غیر مسلم ملک کے درمیان جنگ ہونے کی صورت میں غیر مسلم ملک کے سپاہیوں کے لئے کوئی چارہ نہیں کہ یا تو مسلم ملک کا ساتھ دیں یا اپنے عہدوں سے مستعفی ہوجائیں۔'' [1]

ہم سمجھتے ہیں کہ فاضل ججوں نے نہایت لطیف انداز اور حکیمانہ اسلوب میں علماء پر اُنکی غلطی نمایاں کی ہے اور انہیں بتایا ہے کہ جس تعلیم کو وہ اسلام کی طرف منسوب کررہے ہیں اس کے نتیجہ میں کروڑہا مسلمان جو ایسے ملکوں میں آباد ہیں جن کی اکثریت غیر مسلم ہے۔اُن کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ ہلاک اور تباہ ہوجائیں۔اور شہریت کے حقوق سے محروم کردئے جائیں اور چوہڑوں اور چماروں کی سی زندگی بسر کریں۔ چنانچہ علماء کو اپنی مملکتِ اسلامی کے بیان کردہ نظریہ کے ردّعمل کے طور پر یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ واقعی غیر مسلم مملکتوں اور جمہورتیوں میں رہنے والے تیس کروڑ کے قریب مسلمانوں کو ان روح فرسا حالات میں سے گذرنا پڑے گا اس لئے فاضل ججوں کو نہایت افسوس سے اُن کے دائرہ نگاہ کی تنگی کا ذکر کرتے ہوئے اُن کے متعلق یہ لکھنا پڑا۔

''علماء نے ہم سے صاف صاف کہہ دیا ہے (اور یہ کہتے ہوئے انہوں نے آنسو بہانا تو ایک طرف رہا آنکھ تک نہیں جھپکی) کہ جب تک ہمارے خاص نمونے کا اسلام یہاں رائج ہے، ہم کو اس بات کی پرواہ نہیں کہ دوسرے ممالک کے مسلمانوں کا کیا حشر ہوگا۔ صرف ایک مثال سُن لیجئے۔امیر شریعت نے کہا کہ ''باقی ۶۴ کروڑ (یہ عدد اُن کا اپنا ہے) کو اپنی تقدیر کا فیصلہ خود کرنا چاہیئے''..... لہٰذا جن لوگوں کو صرف یہیں کی کھیتیوں کی نہیں بلکہ چین اور پیرو کی فصلوں کی دیکھ بھال کرنی ہے اُن کے لئے اشد ضروری ہے کہ تمام اطراف کے مفادات کا خیال رکھیں۔'' [2]

فاضل جج اس بروقت انتباہ کے لئے شکریہ کے مستحق ہیں۔اور اُن کی یہ نصیحت قابل قدر ہے کہ زمانہ کے بدلے ہوئے حالات اور بین الاقوامی مشاکل کا جائزہ لے کر قرآن مجید اور احادیث پر غور کر کے ان کا حل پیش کیا جائے۔مگر افسوس کہ مؤلفین تبصرہ نے اُن کے انتباہ کو بھی بایں وجوہ غیر معقول اور

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۴۷ | [2] رپورٹ صفحہ ۳۲۳

قابل ردّ قرار دیا ہے۔

۱- دلچسپ بات یہ ہے کہ عدالت کے اپنے ٹھپے کا اسلام بھی وہی کچھ ہے جو علماء کے ٹھپے کا اسلام ہے۔'' [۱]

۲- حقیقت یہ ہے کہ اس معاملہ میں رپورٹ کچھ اس قسم کا تصور پیش کرتی ہے کہ گویا دنیا کے مختلف ممالک میں مسلمانوں کی پوزیشن مبادلے کے اصول پر مبنی ہے کہ جو سلوک ایک مسلمان ریاست میں غیر مسلموں کے ساتھ ہوگا وہی اس کے بدلے میں مسلمانوں کیساتھ غیر مسلم ریاستوں میں ہوگا۔ حالانکہ اجتماعی زندگی کے قوانین کو دیکھتے ہوئے بہ بداہتہً غلط معلوم ہوتا ہے اور عملی مشاہدات کے خلاف ہے۔'' [۲]

۳- ہمارے فاضل جج غالباً مذہب کو بھی ایک جنس مبادلہ سمجھتے ہیں کہ جہاں ہم نے اپنے مذہب پر عمل کیا اور بس دوسرے فوراً آستین چڑھا کر کہیں گے کہ اچھا اب ہم اپنے مذہب پر عمل کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر دوسروں کو اُن کے مذہبی رویہّ سے روکنا ہے تو اُن کے ساتھ یہ لین دین کا معاملہ کرلو کہ آؤ بھائیو تم اپنا مذہب چھوڑو، ہم اپنے مذہب کو طلاق دیتے ہیں۔'' [۳]

۴- اس کے علاوہ رپورٹ کے فاضل مصنّفین کا شاید یہ خیال بھی ہے کہ دنیا میں ایک اسلامی ریاست کی قدر و قیمت کا سارا انحصار بس ایک سوال پر ہے اور وہ یہ کہ اس ریاست میں غیر مسلموں کو شہریت کے وہ چند مخصوص حقوق دئے جاتے ہیں یا نہیں۔ جو نظام حکومت میں حصہ دار ہونے سے متعلق ہیں۔'' [۴]

(ا) **وجہ اوّل کا جواب** یہ ہے کہ رپورٹ اوّل سے آخر تک مؤلفین تبصرہ کی اُس پیش کردہ وجہ کی تردید کر رہی ہے۔ فاضل جج علماء کے اُن خیالات سے جو انہوں نے اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کے موقف کے متعلق ذکر کئے، قطعاً مخالف ہیں۔

مولانا عبدالحامد بدایونی سے عدالت نے یہ سوال کیا کہ

''کیا آپ اب تک پاکستان کے اس تصور سے اتفاق رکھتے ہیں جو قائداعظم نے دستور ساز اسمبلی کی تقریر میں پیش کیا تھا اور جس میں انہوں نے کہا تھا کہ آج کے بعد صرف ایک پاکستانی قوم ہوگی جس میں مسلم اور غیر مسلم شامل ہوں گے۔ اِن سب کو مساوی شہری حقوق حاصل ہوں گے۔ نسل، مذہب اور مسلک کا کوئی امتیاز نہ ہوگا۔''

مولانا بدایونی نے اس کا یہ جواب دیا :-

''میں اس اصول کو تسلیم کرتا ہوں کہ تمام قوموں کو خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، مملکت کے نظم و نسق اور قانون سازی میں اُن کی آبادی کے مطابق نمائندگی حاصل ہونی چاہیئے۔ سوائے اس کے کہ غیر مسلم شعبہ فوج اور محکمہ عدالت میں نہ لئے جاسکیں گے نہ وزیر مقرر کیئے جائیں گے اور نہ کسی اعتماد کے عہدے پر فائز ہوسکیں گے۔

نیز کہا کہ موجودہ حالت میں پاکستان میں غیر مسلم قوموں کو شہریت کے کوئی حقوق حاصل نہ ہوں گے۔''

اُن علماء کی، جنہوں نے اِن خیالات کا اظہار کیا، غلطی واضح کرنے کے لئے فاضل ججوں نے انتخاب خلیفہ اور اس کی بیعت اور خلیفہ کے اُن اختیارات کا ذکر کیا ہے جو جمہوریہ اسلامی کے دوران میں اُسے حاصل ہوتے تھے، اور بتایا ہے کہ اُس کا انتخاب بھی زمانہ حاضرہ کے انتخاب سے قطعاً مختلف

[۱] تبصرہ صفحہ۱۱۲ | [۲] تبصرہ صفحہ۱۱۳ | [۳] تبصرہ صفحہ۱۱۴ | [۴] تبصرہ صفحہ۱۱۴

تھا اور صرف اُسی کو حکومت کرنے کا حق ہوتا تھا۔

پھر مجلس شوریٰ کا ذکر کر کے فاضل ججوں نے لکھا ہے :-

''اِس نظام کا نمایاں پہلو یہ تھا کہ کفار ان وجوہ کے ماتحت، جو واضح تھے اور جن کے بیان کی حاجت نہیں، اس مجلس میں دخل حاصل نہیں کر سکتے تھے اور خلیفہ اپنے اختیارات کفار کو بالکل تفویض نہ کر سکتا تھا۔ وہ غیر مسلموں کو اہم عہدوں پر مقرر نہ کر سکتا تھا۔ نہ قانون کی تعبیر یا تنفیذ میں انکو کوئی جگہ دے سکتا تھا۔ اور وضع قوانین کا کام اُنکے سپرد کرنا تو قانونی اعتبار سے بالکل ہی ناممکن تھا۔'' [1]

مؤلفین تبصرہ نے یہ ذکر کر کے لکھا ہے :-

''اور اس کے وہ دلائل اس قدر ظاہر و باہر ہیں کہ بیان کی حاجت نہیں۔'' [2]

آخری فقرہ مؤلفین تبصرہ نے اپنی تنقید کو درست ثابت کرنے کے لئے بگاڑ کر اور اس کے اصل محل سے ہٹا کر لکھا ہے۔ رپورٹ کے اصل الفاظ کا وہی ترجمہ ہے جو اوپر اردو رپورٹ سے لکھا جا چکا ہے۔ کہ

کفار ان وجوہ کے ماتحت، جو واضح تھے اور جن کے بیان کی حاجت نہیں، اس مجلس (یعنی خلیفہ کی مجلس شوریٰ - ناقل) میں دخل حاصل نہیں کر سکتے تھے

انگریزی رپورٹ کے الفاظ یہ ہیں :-

"The principal feature of this system was that the "kuffar" for reasons which are too obvious and need not be stated could not be admitted to this majlis." Report p.214

مؤلفین تبصرہ کے اس قسم کے تصرف سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے پیش نظر حقیقت بیان کرنا نہیں بلکہ محض فاضل ججوں کی رائے کی مخالفت کرنا ہے۔

فاضل ججوں نے خلیفہ اور اس کے اختیارات کا ذکر کر کے علماء کو یہ بتایا ہے کہ موجودہ زمانہ کے حالات کو اس ابتدائی زمانہ کے حالات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

پھر فاضل ججوں نے اپنی اصلی رائے ظاہر کی ہے۔

''آج کا مسلمان یادِ ماضی کا لبادہ اوڑھے صدیوں کا بھاری بوجھ اپنی پشت پر لادے مایوس و مبہوت ایک دوراہے پر کھڑا ہے اور فیصلہ نہیں کر سکتا کہ دونوں میں سے کس موڑ کا رُخ کرے۔ دین کی وہ تازگی اور سادگی جس نے ایک زمانے میں اس کے ذہن کو عزم مصمم اور اس کے عضلات کو لچک عطا کی تھی آج اس کو حاصل نہیں ہے۔ اس کے پاس نہ فتوحات حاصل کرنے کے وسائل ہیں، نہ اہلیت ہے اور نہ ایسے ممالک ہی موجود ہیں جن کو فتح کیا جا سکے۔ مسلمان بالکل نہیں سمجھتا کہ جو قوتیں آج اس کے خلاف صف آراء ہیں۔ وہ ان قوتوں سے بالکل مختلف ہیں جن سے اس کو ابتدائے اسلام میں جنگ کرنی پڑی تھی اور اس کے اپنے آباء و اجداد ہی کی رہنمائی سے ذہن انسانی نے ایسے کارنامے انجام دئے ہیں جن کے سمجھنے سے وہ قاصر ہے.....صرف ایک چیز ہے جو اسلام کو ایک عالمگیر تصور کی حیثیت سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ اور مسلمان کو جو آج ضد و قدامت کا پیکر بنا ہوا ہے، دنیائے حال اور دنیائے مستقبل کا شہری بنا سکتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اسلام کی نئی تاویل و تشکیل دلیرانہ کی جائے جو زندہ حقائق کو مردہ تصورات سے الگ کر

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۳۱

دے۔.....اگر جہاں ریتی کی ضرورت ہو وہاں ہتھوڑا استعمال کرنا چاہیں گے اور اسلام سے ان عقدوں کو حل کرنے کی توقع رکھیں گے جن کو حل کرنا اس کا کبھی مقصود نہ تھا۔ مایوسی، نامرادی اور دل شکستگی برابر ہمارے شامل حال رہے گی۔ وہ مقدس دین جس کا نام اسلام ہے برابر زندہ رہے گا۔ خواہ ہمارے لیڈر اس کو نافذ کرنے کے لئے موجود نہ بھی ہوں۔ دین اسلام فرد میں اُس کی رُوح اور اس کے نقطہ نگاہ میں اور مہد سے لحد تک خدا اور بندوں کے ساتھ تعلقات میں زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ اور ہمارے اربابِ سیاست کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر احکامِ الٰہی ایک انسان کو مسلمان نہیں رکھ سکتے تو اُن کے قوانین یہ کام انجام نہیں دے سکتے۔'' [1]

اس سے قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مؤلفین تبصرہ کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ

''عدالت کے اپنے ٹھپے کا اسلام بھی وہی کچھ ہے جو علماء کے ٹھپے کا اسلام ہے۔''

(۲) دوسری وجہ کا جواب۔ مؤلفین تبصرہ کی دوسری پیش کردہ وجہ کا غلط ہونا ان فسادات سے ظاہر ہے جو مشرقی اور مغربی پنجاب میں تقسیم ہند کے وقت ہوئے تھے جب مشرقی پنجاب کے مسلمانوں پر سکھوں اور ہندوؤں نے مل کر حملے کئے، اُن کی جائدادوں کو لوٹ لیا اور انہیں اُن کے گھروں سے نکال دیا تو مغربی پنجاب کے مسلمانوں نے مغربی پنجاب کے ہندوؤں اور سکھوں سے اس کا بدلہ لیا تھا یا نہیں؟ حالانکہ وہ مظالم مغربی پنجاب کے سکھوں اور ہندوؤں نے نہیں کئے تھے بلکہ اُن کے مذہبی بھائیوں نے کئے تھے۔ اس قسم کے مبادلہ اور انتقام کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

اور اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

وَلَا تَسُبُّواْ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللّهِ فَيَسُبُّواْ اللّهَ عَدْوًّا بِغَيْرِ عِلْمٍ [2]

کہ تم ان معبودوں کو جنہیں لوگ خدا کے سوا پکارتے ہیں بُرا بھلا نہ کہو، ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ بغیر سوچے سمجھے محض انتقام لینے کی خاطر اللہ تعالیٰ کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیں گے۔

پس اس آیت میں اِسی مبادلہ کا اصول بیان کیا گیا ہے جس کا ذکر فاضل ججوں نے اپنی رپورٹ میں کیا ہے۔

(۳) تیسری وجہ کا جواب دوسری وجہ کے جواب سے ظاہر ہے، بدلہ کی صورت میں مذہبی معتقدات وعبادات کو اپنانا ضروری نہیں بلکہ اس سے صرف یہ مراد ہے کہ جس طرح اُن کے غیر مسلم قومی اور دینی بھائیوں کو مسلمانوں کی جمہوری حکومت میں مذہب کی بناء پر شہریت کے حقوق سے محروم کیا جاتا اور ذلیل وحقیر سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک غیر مسلم ریاست بھی بدلہ کے طور پر مسلمانوں سے اپنی مملکت میں وہی سلوک کرنے کا حق رکھتی ہے۔

(۴) چوتھی وجہ کا جواب یہ ہے کہ غیر مسلم حکومتوں کے نزدیک اسلامی ریاست کی قدر و قیمت جاننے کا معیار لازماً یہ ہوگا کہ اُن کے ہم قوم بھائیوں سے اسلامی مملکت میں کیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ فطرتاً ہر قوم چاہتی ہے کہ اس کا نظامِ حکومت میں حصہ ہو اور جماعت اسلامی کے قیام کی غرض ہی مولانا مودودی صاحب نے یہ بتائی ہے کہ حکومت کے اقتدار پر قبضہ کرنا اور خدا کے باغیوں کو بذریعہ جنگ حکومت سے بے دخل کر کے خود حکمران بننا۔ (ملاحظہ ہو تفہیمات اور رسالہ حقیقت جہاد)

پھر مؤلفین تبصرہ کیونکر خیال کرتے ہیں کہ وہ اسلامی حکومت کے غیر مسلموں سے ناپسندیدہ اور ظالمانہ رویہ کا نوٹس نہ لیں گی۔

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۵۰-۲۵۱ | انعام ۱۳ ع

مؤلفین تبصرہ کی طرف سے تحقیقاتی عدالت کو چیلنج

مؤلفین تبصرہ نے فاضل ججوں کی رائے کا خلاف کرتے ہوئے مذکورہ بالا وجوہ ذکر کرکے اُنہیں یہ چیلنج دیا ہے۔

''ذرا ٹھہریئے۔ یہ سب تو بعد کی باتیں ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ سر ظفر اللہ خاں کی علیحدگی اور کلیدی مناصب سے قادیانی افسروں کے ہٹانے کے مطالبہ پر اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی پوزیشن کا اتنا بڑا مسئلہ اپنے سارے امکانی اور خیالی نتائج سمیت سامنے کیوں آ گیا؟ آخر کس نے یہ کہا تھا کہ ان لوگوں کو اس لئے ہٹاؤ کہ یہ غیر مسلم ہیں اور اسلامی ریاست میں ان مناصب پر نہیں رہ سکتے؟ کب یہاں دوسرے غیر مسلم عہدیداروں کے ہٹانے کا سوال اٹھایا گیا۔ غیر مسلم وزیر تک ہمارے مرکز میں رہ چکا ہے۔ کس نے کہا کہ اُسے نکال دو؟ ہماری مرکزی اسمبلی میں بھی اور صوبوں کی اسمبلیوں میں بھی غیر مسلم ارکان موجود ہیں۔ کب یہاں کسی نے کہا کہ اُن کی رُکنیت منسوخ کر دو۔ آئندہ دستور میں غیر مسلموں کو وہ سارے حقوق دئے جا رہے ہیں جنہیں آپ شہریت کے اہم حقوق کہتے ہیں..... علماء خود جانتے ہیں کہ ہمارے ملک کے مخصوص حالات اور تاریخی اسباب اس معاملے میں وسعت برتنے کے متقاضی ہیں اور اسلام کے احکام میں حالات کے لحاظ سے اس طرح کی وسعت کی گنجائش موجود ہے۔ غیر مسلموں کو حکومت میں حصہ دار بنانا قطعی حرام نہیں کر دیا گیا ہے..... قادیانیوں کے بارے میں تو بار بار یہی کہا گیا کہ اُن کے سالہا سال کے رویّے سے جو شکایات پیدا ہوئی ہیں اُن کو رفع کرنے کے لئے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے۔'' [1]

سچ ہے۔ یا تو آں شور اشوری یا بایں بے نمکی پہلے تو فاضل ججوں کی رائے کو غلط ثابت کرنے کے لئے ان علماء کے نظریہ کی پُر زور تائید کی جس کی رُو سے اسلامی حکومت میں غیر مسلم شہریت کے حقوق سے بھی محروم رہتے ہیں اور اب یہ اعتراف کہ اسلام کی تعلیم کی رُو سے غیر مسلم وزیر بھی بن سکتا ہے اور دوسرے مناصب بھی غیر مسلموں کو دئے جا سکتے ہیں۔ اور رپورٹ کا مطمع نظر بھی یہی تھا کہ علماء نے جس تنگ نظری کا اظہار کیا ہے وہ اس زمانہ میں اسلام کے لئے نہایت مضر اور نقصان رساں ہے۔

شکر ہے کہ مؤلفین تبصرہ کو اسلامی احکام کی وسعت کا خیال آ گیا جو رپورٹ کا منشاء تھا۔ لیکن پھر بھی مطابق مثل ''رسی جل گئی مگر بل نہ گیا'' فاضل ججوں کی مخالفت دل سے نہ گئی اور اُن پر جھوٹا الزام عائد کر دیا کہ انہوں نے ان امور پر بلاوجہ بحث کی ہے۔ ورنہ ان پر بحث کرنے کے لئے کوئی وجہ موجّہ موجود نہ تھی۔

کیونکہ چودھری ظفر اللہ خان اور کلیدی مناصب سے قادیانی افسروں کو ہٹانے کے مطالبہ میں یہ کب کہا گیا تھا کہ اِن لوگوں کو اس لئے ہٹاؤ کہ یہ غیر مسلم ہیں اور اسلامی ریاست میں اِن مناصب پر نہیں رہ سکتے۔

تعجب ہے کہ یہ مصلحین کا گروہ ثابت شدہ حقائق کا انکار کس جرأت و جسارت سے کرتا ہے۔ پھر عام لوگوں کی مخالفت کرنے کے لئے نہیں بلکہ ہائیکورٹ کی عدالت کے فاضل ججوں کی رائے کو غلط اور خلاف واقعہ ثابت کرنے کے لئے ایسا کرتا ہے۔ رپورٹ میں ایک جگہ نہیں بلکہ متعدد جگہ اس بات کا ذکر پایا جاتا ہے کہ مطالبات مذہبی بناء پر کئے گئے تھے۔ مثلاً

۱۔ رپورٹ کے صفحہ ۲۲۹ میں لکھا ہے :-

---

[1] تبصرہ صفحہ ۱۱۶

''جس وجہ کی بناء پر چودھری ظفر اللہ خاں اور مملکت کی کلیدی آسامیوں کے احمدی عہدہ داروں کی برطرفی کا مطالبہ کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ **احمدی غیر مسلم ہیں**۔ اِس لئے ایک اسلامی مملکت کے ذمیوں کی طرح وہ مملکت کے بڑے عہدوں پر تقرر کا حق نہیں رکھتے۔''

۲- پھر فاضل جج صاحبان رپورٹ کے صفحہ ۱۹۴ میں لکھتے ہیں :-

''مطالبات تین تھے۔ پہلے مطالبہ میں حکومت سے کہا گیا تھا کہ احمدیوں کے قادیانی فرقے کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ دوسرے مطالبے کا منشاء یہ تھا کہ چودھری ظفر اللہ خاں کو وزیر خارجہ کے عہدے سے برطرف کیا جائے اور تیسرا یہ تھا کہ دوسرے احمدی جو مملکت کے کلیدی عہدوں پر فائز ہیں موقوف کر دئے جائیں۔

ہمارے سامنے سب جماعتوں نے تسلیم کیا ہے کہ ان تینوں مطالبات کی نوعیت سیاسی نہیں بلکہ قطعی طور پر مذہبی ہے (صرف حافظ کفایت حسین نے کہا کہ صرف پہلا مطالبہ مذہبی نوعیت رکھتا ہے۔) ان مطالبات کی لازمی دینی نوعیت سے نہ جماعت اسلامی نے اور نہ اس کے امیر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے انکار کیا ہے۔ گو مولانا نے ان کے لئے چند مزید وجوہ بھی پیش کی ہیں۔ تمام دوسرے علماء نے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ تینوں کے تینوں مذہبی مطالبات ہیں اور ان میں سے ایک بھی سیاسی نہیں۔'' [۱]

۳- پھر فاضل ججوں نے اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے :-

''اور اگر یہ مطالبات مذہبی وجوہ پر مبنی قرار دے کر پیش نہ کئے جاتے تو ظاہر ہے کہ کوئی بحران پیدا نہ ہوتا۔ کیونکہ اس حالت میں حکومت اِن مطالبات کو پیش کرنے والے فریق سے یہ خواہش ظاہر کرتی کہ وہ اپنے دعویٰ کو دلائل سے ثابت کرے تا کہ ان لوگوں کے خلاف مناسب اقدام کیا جا سکے جو مملکت کے خلاف سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔

لیکن ان میں سے ایک مطالبہ یہ تھا کہ **احمدیوں کو کلیدی عہدوں** سے برطرف کیا جائے۔ اور اس کی بنیاد صرف مذہب پر تھی کیونکہ چودھری ظفر اللہ خاں کے سوا کوئی احمدی کسی کلیدی عہدے پر فائز نہیں ہے۔ اور خود جماعت اسلامی کلیدی عہدے کی یہ تعریف کر چکی ہے کہ وہ عہدہ جس کا کام پالیسی وضع کرنا ہو۔ مولانا امین احسن اصلاحی سے سوال کیا گیا کہ جب احمدیوں کے برطرف کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو ان سے کون سے عہدے مراد ہیں تو وہ کسی ایسے عہدے کا نام نہ لے سکے جس پر کوئی احمدی فائز ہو۔

اسی طرح اگر چودھری ظفر اللہ خاں کی موقوفی کا مطالبہ اس بنا پر کیا جاتا کہ اُن کی سرگرمیاں مملکت کے مفاد کے لئے مضر ہیں تو حکومت (اُن کے احمدی ہونے کے علاوہ) اس امر کا قطعی ثبوت طلب کرتی کہ وہ بعض ایسی سرگرمیوں میں مصروف ہیں جن کا علم وزیر اعظم کو نہیں ہے اور جن سے مملکت کو ایسا نقصان پہنچ رہا ہے کہ انکی برطرفی ضروری ہو گئی ہے۔'' [۲]

۴- رپورٹ کے صفحہ ۹۵-۹۶ پر فاضل ججوں نے وہ قراردادیں ذکر کی ہیں جو لیگ کے جائنٹ سکرٹری کو موصول ہوئیں۔ اُن میں سے نمبر ۴ پر قرارداد مورخہ ۱۲/جون ۱۹۵۲ء لکھی ہے جو مولانا سید احمد سعید کاظمی ممبر صوبہ مسلم لیگ کونسل ملتان اور عبدالحکیم صدیقی صدر سٹی مسلم لیگ ملتان اور صوفی محمد عبدالغفور لدھیانوی سکرٹری ضلع مسلم لیگ ملتان کی طرف سے تھی۔

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۱۹۴ | [۲] رپورٹ صفحہ ۲۶۲

''کہ چونکہ قادیانی بالاتفاق خارج از اسلام سمجھے جاتے ہیں س لئے ان کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ اور حکومت کو اس اعلان میں تاخیر نہ کرنی چاہیئے کہ چودھری ظفر اللہ خاں قادیانی ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے نمائندہ نہیں ہیں۔ اس لئے پنجاب صوبہ مسلم لیگ کی کونسل کو حکومت پاکستان سے یہ مطالبہ کرنا چاہیئے کہ وہ اپنے عہدے سے برطرف کر دئے جائیں اور اُن کی جگہ کوئی قابل اعتبار مسلمان مقرر کیا جائے۔''

۵- اسی طرح رپورٹ کے صفحہ ۳۸۹ پر ایک تار کا ذکر ہے جو ۲۷ رفروری ۵۳ء کو حکومت مرکزیہ کی طرف سے تمام صوبوں کے نام بھیجا گیا تھا جس میں مطالبات کے متعلق مرکزی حکومت کا رویہ واضح کیا گیا تھا۔ تار کا مضمون یہ تھا :-

''نہ تو جمہور کے کسی طبقے کو اس کی مرضی کے خلاف غیر مسلم اقلیت قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ کسی احمدی افسر یا وزیر خارجہ کو محض مذہب کی بنا پر اُن کے عہدوں سے برطرف کیا جا سکتا ہے۔''

قارئین کرام خود فیصلہ فرمالیں کہ رپورٹ میں اِن تصریحات کے پیش نظر مؤلفین تبصرہ کے اس قول میں (کہ چودھری ظفر اللہ خاں صاحب اور دیگر احمدیوں کے متعلق کس نے کہا تھا کہ ان لوگوں کو اس لئے ہٹاؤ کہ یہ غیر مسلم ہیں) صداقت کا کوئی شمہ بھی پایا جاتا ہے۔

مزید برآں خود مولانا مودودی صاحب نے اپنے تحریری بیان کے پیرا نمبر ۱۲ میں احرار کے تینوں مطالبات کا ذکر کیا ہے کہ ''(۱) قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت قرار دیا جائے (۲) سر ظفر اللہ خاں کو وزارت خارجہ سے ہٹایا جائے (۳) قادیانیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے۔''

اور اسی طرح جماعت اسلامی نے اپنے تحریری بیان کے پیرا نمبر ۳۳ میں ان مطالبات کا ذکر کیا ہے۔ اور اوپر یہ لکھا جا چکا ہے کہ احرار کے یہ مطالبات مذہبی بناء پر تھے۔

(ب) دیگر شکایات والزامات

۱- سخت الفاظ اور دشنام طرازی

معزز عدالت نے ''دیگر شکایات والزامات'' کے زیر عنوان بعض سخت الفاظ کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ فریقین نے ایسے الفاظ استعمال کئے مثلاً

''ولد الزنا۔ ولد الحرام۔ خنزیر۔ طوائفیں۔ رنڈیاں۔ کُتیاں۔ شرابی۔ زانی۔ بدکار۔ فریبی۔ غنڈا۔ خونی۔ بے حیا اور بے شمار دیگر الفاظ جن کا ذکر بے حد شرمناک ہے۔ تقسیم کے بعد اس نزاع نے محض دشنام طرازی کی ایک مسلسل مہم کی صورت اختیار کر لی ہے جس میں شخصی چال چلن پر نہایت فحش اور بازاری حملے کئے گئے ہیں اور احرار اس معاملے میں مخالفین سے ہمیشہ بازی لے گئے ہیں۔'' [1]

ہم نے رپورٹ کا اول سے آخر تک بغور مطالعہ کیا ہے۔ اس میں کسی جگہ بھی یہ ذکر نہیں پایا جاتا کہ یہ الفاظ کسی احمدی مقرر نے استعمال کئے یا وہ بانی جماعت احمدیہ یا آپ کے خلفاء کی کسی کتاب میں پائے جاتے ہیں۔ اس لئے ہم اس کے متعلق اظہار رائے سے قاصر ہیں۔

اور مخالفین احمدیت نے اپنے بیانات میں جو الفاظ حضرت بانی جماعت احمدیہ کی طرف منسوب کئے تھے اُن کا جواب ہماری طرف سے دیا جا چکا

[1] رپورٹ صفحہ ۲۰۸

ہے جو عدالت کے ریکارڈ پر موجود ہے۔

حضرت بانی جماعت احمدیہ نے اپنی کتابوں میں بارہا تصریح کی ہے کہ آپ نے سخت الفاظ کے استعمال میں کبھی سبقت نہیں کی۔ اور فرماتے ہیں:-

(الف) ''میں سچ سچ کہتا ہوں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے میں نے ایک لفظ بھی ایسا استعمال نہیں کیا جس کو دشنام دہی کہا جائے۔ بڑے دکھ کی بات یہ ہے کہ اکثر لوگ دشنام دہی اور بیان واقعہ کو ایک ہی صورت میں سمجھ لیتے ہیں اور ان دونوں مختلف مفہوموں میں فرق کرنا نہیں جانتے۔'' [1]

(ب) پھر بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ ایک خاص معین گندہ دہن اور بدزبان شخص کو مدنظر رکھ کر ایک سخت لفظ استعمال کیا جاتا ہے جس کا وہ فی الحقیقت مستحق بھی ہوتا ہے۔ لیکن جب اُسے عام کر دیا جائے تو وہی گالی بن جاتا ہے۔ اور وہ شخص خطرناک تصرف اور بددیانتی کا مرتکب ہوتا ہے جو کسی کے قول کے ماحول اور پس منظر کو مخفی رکھ کر اُسے مستقل حیثیت دے کر لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں کفار اور مشرکین کے متعلق سخت الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو اپنی بدزبانیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے اُن کے مستحق ہو چکے تھے۔ قرآن مجید کا طریق بیان اگرچہ عام ہے لیکن مراد خاص لوگ ہیں۔ چنانچہ مولانا شبلی نعمانی ایسے قرآنی کلمات کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں

''قرآن مجید میں پیہم اعلانیہ بدکاروں کی شان میں آیتیں ہوتی تھیں اور گو طریقۂ بیان عام ہوتا تھا۔ لیکن لوگ جانتے تھے کہ روئے سخن کس کی طرف ہے۔'' [2]

لیکن انہی الفاظ کو شر انگیز لیڈران کفار نے مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو اُکسانے کے لئے ایک حجت بنا لیا اور اُنہیں گالیاں سمجھا اور اپنے معبودوں کی توہین خیال کیا اور کہا کہ ہمارے آباء واجداد کو کم عقل اور بے وقوف کہا گیا ہے۔ ابوطالب کے پاس اُن کا ایک وفد آیا اور مطالبہ کیا کہ یا تو اپنے بھتیجے کو سخت کلامی سے باز رکھو یا اس سے علیحدہ ہو جاؤ ہم اس سے نپٹ لیں گے ورنہ قوم سے مقابلہ کے لئے تیار رہو۔ تب ابوطالب نے آپ کو بلوا کر کہا کہ میں خیر خواہی سے کہتا ہوں کہ اپنی زبان کو تھام اور دشنام طرازی سے باز آجا۔ ورنہ میں قوم سے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتا۔ تب نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم نے جو دنیا کو حقیقی تہذیب اور اخلاق فاضلہ سکھانے کے لئے آئے تھے۔ جواب دیا کہ اے چچا یہ دشنام دہی نہیں بلکہ اظہار واقعہ ہے اور نفس الامر کا عین محل پر بیان ہے اور یہی تو کام ہے جس کے لئے میں بھیجا گیا ہوں۔ اگر اس سے مجھے مرنا درپیش ہے تو میں بخوشی اپنے لئے اس موت کو قبول کرتا ہوں۔ موت کے ڈر سے اظہار حق سے رُک نہیں سکتا۔

پس دشنام دہی اور چیز ہے اور بیان واقعہ گو وہ کیسا ہی تلخ اور سخت ہو دوسری شے ہے۔ چنانچہ خود فاضل ججوں نے احرار کے متعلق لکھا ہے :-

''احرار کے رویے کے متعلق ہم نرم الفاظ استعمال کرنے سے قاصر ہیں۔ اُن کا طرز عمل بطور خاص مکروہ اور قابل نفرین تھا۔'' [3]

اور اُن کو ''دشمنان پاکستان'' قرار دیا ہے۔ [4]

(ج) عقلاً یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ شخص جو سب لوگوں کو حق کی طرف دعوت دے اور اُسے قبول کرنے کی تلقین کرے وہ اُن کے حق میں سخت الفاظ استعمال نہیں کر سکتا۔ وہ بیان واقعہ کے طور پر صرف انہی لوگوں کے حق میں استعمال کرے گا جو اپنی بدزبانی اور بدکرداری کے لحاظ سے اُن کے مصداق ہو چکے ہوں گے۔ چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام کو جن کی تعلیم حد درجہ نرمی اور محبت پر مبنی تھی اپنے وقت کے فقیہی اور فریسی (علماء) کے لئے ان کی گالیوں اور ان کی

---

[1] ازالہ اوہام صفحہ ۱۳ | [2] سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۲۰۲ | [3] رپورٹ صفحہ ۲۷۷ | [4] رپورٹ صفحہ ۲۷۸

بدکرداری کے جواب میں بیان واقعہ کے طور پر بداور حرامکار اور سانپ اور سانپوں کے بچے اور ریاکار اور شیطان وغیرہ کے الفاظ استعمال کرنے پڑے۔

اگر اس چار سَو سے زیادہ صفحات کی ضخیم رپورٹ میں الفاظ مذکورہ میں سے کوئی ایک لفظ بھی کسی حوالے سے پایا جاتا تو ہم بطور بیان حقیقت اس کے متعلق بھی اپنی رائے لکھ دیتے۔ لیکن رپورٹ کے دوسرے مقامات سے یہ ثابت ہے کہ احراری مقررین نے یہ الفاظ اور اِن کے علاوہ دوسرے سخت الفاظ احمدیوں کے لیڈروں اور اُن کے امام کے لئے استعمال کئے ہیں۔ چنانچہ

(۱) بحوالہ اخبار آزاد مورخہ ۱۲؍نومبر ۱۹۵۲ء رپورٹ میں اس کے افتتاحیہ سے مندرجہ ذیل الفاظ ہو بہو نقل کئے گئے ہیں۔

''آخر کب تک ایک زانی و شرابی، ایک غنڈے اور بدمعاش مفتری و کاذب اور دجّال کو اس ملک میں ہمارے کان نبی، مسیح موعود اور احمد و محمد کے نام سے پکارے جاتے سنتے رہیں گے اور کب تک اُمت کی مقدس و مطہر ماؤں کو ایک ننگ انسانیت عورت کیلئے (یہ حوالہ مرزا غلام احمد اور اُن کی اہلیہ کی طرف اشارہ ہے۔ رپورٹ صفحہ ۳۶۸) اپنی قبروں میں بے چین ہونا پڑے گا۔ آخر یہ زندگی بے حیائی و بے غیرتی اور دیوثی کی زندگی نہیں تو اور کیا ہے۔'' ۱

(۲) اسی طرح مولوی کرامت علی نے ۷؍اکتوبر ۱۹۵۲ء کو ایک تقریر میں بانی جماعت احمدیہ کی طرف غلط طور پر منسوب کر کے کہا

''مسلمانوں کو فاحشہ عورتوں کی اولاد۔ اُن کی عورتوں کو کتیاں اور مرزا کے نہ ماننے والوں کو طوائفوں کی اولاد بتایا ہے۔'' ۲

اسی طرح مسٹر انور علی ڈی آئی جی، سی آئی ڈی نے پوری صورت حالات کا جائزہ لے کر یادداشت میں لکھا۔

''مرزا غلام احمد کی تحریروں سے اقتباسات ناگوار حد تک نقل کئے جا رہے ہیں اور ان کو توڑ مروڑ کر اُن سے فحش اور غلیظ مطالب نکالے جاتے ہیں۔'' ۳

(۳) محمد علی جالندھری نے ۲۵؍اگست ۱۹۵۲ء کو منٹگمری میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

''مرزائی چوہڑوں اور چماروں سے بدتر ہیں۔ مرزا قادیان بدچلن آدمی تھا اس کی حرم سرا کے معاملات کے سلسلے میں کئی آدمی قتل کر دئے گئے۔'' ۴

(۴) مرزا غلام نبی جانباز نے ۲۱؍ستمبر کو ڈسکہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا :-

''مرزا غلام احمد ایک مداری تھا۔ بدبخت انسان۔ عورت باز۔'' ۵

(۵) کتابچہ بھیرہ کے مست قلندر کا ''رگڑا'' کے متعلق فاضل ججوں کی رائے۔

''بانی احمدیت کے خلاف نہایت توہین انگیز اور دشنام آمیز کتابچہ۔'' ۶

(۶) معزز عدالت نے لکھا ہے :-

''آزاد اور زمیندار بدگوئی اور دشنام طرازی میں گلا پھاڑ پھاڑ کر چلّا رہے تھے۔'' ۷

---

۱ رپورٹ صفحہ ۱۰۳ | ۲ رپورٹ صفحہ ۱۲۰-۱۱۹ | ۳ رپورٹ صفحہ ۳۰ | ۴ رپورٹ صفحہ ۲۵۹ | ۵ رپورٹ صفحہ ۲۶۱ | ۶ رپورٹ صفحہ ۳۶۸ | ۷ رپورٹ صفحہ ۳۸۷

(۷) احرار کے اخبار ''آزاد'' کے متعلق فاضل جج لکھتے ہیں :-

''آزاد احراریوں کا اخبار ہے۔ اس اخبار نے اپنے آغاز سے اپنے کالموں میں احمدیوں کے عقائد اور اُن کے لیڈروں کے خلاف نہایت بازاری، ناشائستہ اور زہریلی مہم جاری کر رکھی ہے۔''

ایک افسر نے اس کے مضامین کا جائزہ لے کر رپورٹ کی

''ان مضامین میں ایسے حصے موجود ہیں جو شر انگیز ہیں اور جن میں احمدیوں کے خلاف بدگوئی اور دشنام طرازی کی گئی ہے۔'' [1]

(۸) اخبار مزدور ملتان کی ایک پست اور بازاری تحریر کے متعلق فاضل ججوں کی رائے ملاحظہ ہو صفحہ ۱۶ کتاب ہذا

رپورٹ کی یہ چند عبارتیں احرار کے متعلق فاضل ججوں کی رائے کے صحیح اور مطابق واقعہ ہونے کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔

دوسری شکایت - انگریزی حکومت کی تعریف

فاضل ججوں نے رپورٹ میں غیر احمدیوں کی اس شکایت کا کہ تحریک کے بانی اور اس کے لیڈر انگریزوں کے ذلیل خوشامدی ہیں اور رسالہ جہاد کا ذکر کر کے لکھا ہے :-

''اگر اس قسم کے حملے مذہبی تعصب کا نتیجہ تھے تو ان کا ارتکاب یقیناً اسلام کے عقیدہ جہاد کے منفی تھا اور مرزا صاحب نے اس عقیدہ کی جو تردید کی وہ مستحسن تھی۔'' [2]

فاضل ججوں نے اس جگہ جہاں بانی جماعت احمدیہ کے اس موقف کو سراہا ہے جو انہوں نے جہاد کے بارہ میں اختیار کیا اور اُن کے فعل کو مستحسن قرار دیا ہے وہاں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے :-

(۱) ''لیکن جب انہوں نے عقیدہ جہاد کی تاویل میں ''مہربان انگریزی حکومت'' اور اس کی مذہبی رواداری کی تعریف نہایت خوشامدانہ لہجہ میں کرنی شروع کی تو اس تاویل پر چند در چند شبہات پیدا ہونے لگے۔'' [3]

(۲) ''پھر مرزا صاحب نے ممالک اسلامی کی عدم رواداری اور انگریزوں کی فراخ دلانہ مذہبی پالیسی کا مقابلہ و موازنہ توہین آمیز انداز میں کیا تو مسلمانوں کا غیظ و غضب اور بھی زیادہ مشتعل ہو گیا۔'' [4]

رپورٹ کے اس حصہ میں درحقیقت فاضل ججوں نے اپنی تحقیقی رائے ظاہر نہیں کی بلکہ شکایت کنندگان کی ہی رائے کا اپنے الفاظ میں اظہار کیا ہے۔ اِس شکایت کے جواب میں ہم معزز عدالت کے نوٹس میں مندرجہ ذیل حقائق لا چکے ہیں۔

(۱) جس زمانہ میں بانی سلسلہ احمدیہ نے گورنمنٹ انگریزی کی تعریف کی وہ زمانہ ۱۸۸۲ء سے لیکر ۱۹۰۰ء تک کا ہے۔ اور اس وقت ان لوگوں کا جنہوں نے سکھوں کے مظالم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور پھر گورنمنٹ انگریزی کی مذہبی آزادی اور عدل و انصاف کا مشاہدہ کیا تھا اُن کی قطعی طور پر وہی رائے تھی جو بانی جماعت احمدیہ نے ظاہر کی اور جن الفاظ میں بانی جماعت احمدیہ نے ان کی مذہبی آزادی کو سراہا اور جس رنگ میں دوسری مسلم حکومتوں سے اُن کا موازنہ و مقابلہ کیا اُسی رنگ میں اُس وقت کے مسلم لیڈروں اور علماء نے انگریزوں کی تعریف کی اور دوسری مسلم حکومتوں پر انکی حکومت کو ترجیح دی۔

---

[1] رپورٹ صفحہ ۸۷ | [2] [3] [4] رپورٹ صفحہ ۲۰۸

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے سامنے کوئی اسلامی حکومت نہ تھی۔ پاکستان کا آئیڈیا بھی اُس وقت تک پیدا نہیں ہوا تھا اور اگر انگریز اُس وقت چلا جاتا تو اُس کی جگہ وہی حکومت قائم ہوتی جو آج ہندوستان میں قائم ہے۔ اور پاکستان کا نام ونشان بھی نہ ہوتا۔ کیا بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا جُرم یہ ہے کہ وہ اس قسم کی حکومت کے مقابلہ میں انگریز کو ترجیح دیتے تھے۔ یہ تو مستقبل کا حال تھا اور ماضی قریب کا حال یہ تھا کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے ملک میں سکھوں کی حکومت تھی جنہوں نے مسجدوں کو اصطبل بنا دیا تھا۔ جو زبردستی مسلمان لڑکیوں کو چھین کر لے جاتے تھے۔ جو اذان کہنے کو جرم قرار دیتے تھے۔ جن کی ساری حکومت میں صرف تین چار مسلمان ملازم تھے۔ جن کے حالات دیکھ کر حضرت سید احمد رائے بریلویؒ جیسا عبادت گذار اور گوشہ نشین جہاد کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اگر اپنے بچپن میں ان حالات کو دیکھنے والا شخص انگریزی حکومت کو خدا کی رحمت قرار نہ دیتا تو کیا کہتا۔ کیا کوئی عقلمند انسان ایسا ہوسکتا ہے جو ان حالات میں پلنے کے بعد انگریزی حکومت کے طرزِ عمل کی تعریف نہ کرتا اور جو رائے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے گورنمنٹ برطانیہ کی وفاداری کے متعلق ظاہر کی ہے ظاہر نہ کرتا۔ چنانچہ ہم اس کی تائید میں بعض مشہور و معروف غیر احمدی علماء اور لیڈروں کے اقوال پیش کرتے ہیں :-

(۱) مولوی محمد حسین بٹالوی جو سردار اہلحدیث کہلاتے تھے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں لکھتے ہیں :-

''سلطان روم ایک اسلامی بادشاہ ہے لیکن امن عام اور حسن انتظام کے لحاظ سے (مذہب سے قطع نظر) برٹش گورنمنٹ بھی ہم مسلمانوں کے لئے کچھ کم فخر کا موجب نہیں ہے۔ اور خاص کر گروہ اہلحدیث کے لئے تو یہ سلطنت بلحاظ امن وآزادی اس وقت کی تمام اسلامی سلطنتوں (روم، ایران، خراسان) سے بڑھ کر فخر کا محل ہے۔'' [۱]

اور لکھتے ہیں :-

''اِس امن وآزادی عام وحسن انتظام برٹش گورنمنٹ کی نظر سے اہلحدیث ہند اس سلطنت کو ازبس غنیمت سمجھتے ہیں اور اس سلطنت کی رعایا ہونے کو اسلامی سلطنتوں کی رعایا ہونے سے بہتر جانتے ہیں اور جہاں کہیں وہ رہیں اور جائیں (عرب میں خواہ روم میں خواہ اور کہیں) کسی اور ریاست کا محکوم رعایا ہونا نہیں چاہتے۔'' [۲]

(۲) مولانا ظفر علی خاں کا ارشاد :-

مولانا ظفر علی خاں ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں :-

''مسلمان ایک لمحہ کے لئے ایسی حکومت سے بدظن ہونے کا خیال نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی بدبخت مسلمان گورنمنٹ سے سرکشی کی جرأت کرے تو ہم ڈنکے کی چوٹ سے کہتے ہیں کہ وہ مسلمان مسلمان نہیں۔'' [۳]

پھر لکھتے ہیں

''زمیندار اور اس کے ناظرین گورنمنٹ برطانیہ کو سایۂ خدا سمجھتے ہیں۔ اور اس کی عنایت شاہانہ وانصاف خسروانہ کو اپنی دلی ارادت وقلبی عقیدت کا کفیل سمجھتے ہوئے اپنے بادشاہِ عالم پناہ کی پیشانی کے ایک قطرے کے بجائے اپنے جسم کا خون بہانے کے لئے تیار ہیں اور یہی حالت ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی ہے۔'' [۴]

---

[۱] اشاعۃ السنہ نمبر ۱۰ جلد ۶ صفحہ ۲۹۲ | [۲] ایضاً صفحہ ۲۹۳ | [۳] زمیندار مورخہ ۱۱ نومبر ۱۹۱۱ء | [۴] زمیندار ۹ نومبر ۱۹۱۱ء

نیز لکھتے ہیں ؎

جُھکا فرطِ عقیدت سے مرا سر ہؤا جب تذکرہ کنگ امپرر کا
جلالت کو ہے کیا کیا ناز اس پر کہ شہنشاہ ہے وہ بحروبر کا
زہے قسمت جو ہو اِک گوشہ حاصل ہمیں اس کی نگاہ فیض اثر کا
خدا انگلینڈ کو رکھے سلامت کہ ہے اس سے تعلق عمر بھر کا [1]

(۳) علامہ السیّد علی الحائری مجتہدالعصر (شیعی) گورنمنٹ برطانیہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

''ہم کو ایسی سلطنت کے زیرسایہ ہونے کا فخر حاصل ہے جسکی حکومت میں انصاف پسندی اور مذہبی آزادی قانون قرار پا چکی ہے جس کی نظیر اور مثال دنیا کی کسی اور سلطنت میں نہیں مل سکتی۔ غور کرو کہ تم اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کیلئے کیونکر بے خوف وخطر پوری آزادی کے ساتھ آج سرمیدان تقریریں اور وعظ کر رہے ہو اور کس طرح ہر قسم کے سامان اس مبارک اور مسعود عہد میں ہمیں میسر آئے ہیں جو پہلے کبھی کسی حکومت میں موجود نہ ہوتے تھے۔

اس ہندوستان کی تاریخ پر غائر نظر ڈالو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ گذشتہ غیر مسلم سلطنتوں کے عہد میں یہ حالت تھی کہ مسلمان اپنی مسجدوں میں اذان تک نہیں کہہ سکتے تھے۔ اَور باتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے حلال چیزوں کے کھانے سے روکا جاتا تھا۔ کوئی باقاعدہ تحقیقات ہوتی ہی نہ تھی۔ پس یہ کس قدر شکر کا مقام ہے کہ برطانیہ عظمیٰ ان تمام عیوب اور خودغرضیوں سے پاک ہے جس کو اختلاف مذاہب سے کوئی بھی اعتراض نہیں اور جس کا قانون ہے کہ سب مذاہب آزادی کے ساتھ اپنے مذہبی فرائض ادا کریں۔ اس لئے نیابۃً تمام شیعوں کی طرف سے برٹش سلطنت کا صمیم قلب سے میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس ایثار کا جو وہ اہل اسلام کی تربیت میں بے دریغ مرعی رکھتی ہے۔ خاص کر ہمارا فرقہ جو تمام اسلامی سلطنتوں میں تیرہ سو برس کے ناقابل برداشت مظالم کے بعد آج اس انصاف پسند عامل سلطنت کے زیرحکومت اپنے تمام مذہبی فرائض اور مراسم تولاّ وتبرّا کو بہ پابندیٔ قانون اپنے اپنے محل وقوع میں ادا کرتے ہیں۔ اسلئے میں کہتا ہوں کہ ہر شیعہ کو اس احسان کے عوض میں (جو آزادیٔ مذہب کی صورت میں انہیں حاصل ہے) صمیم قلب سے برٹش حکومت کا رہینِ احسان اور شکرگذار ہونا چاہیئے اور اس کے لئے شرع بھی اس کو مانع نہیں ہے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام علیہ وآلہ السلام نے نوشیرواں عادل کے عہد سلطنت میں ہونے کا ذکر مدح وفخر کے رنگ میں بیان فرمایا ہے۔'' [2]

یہ تو ان لوگوں کی تحریریں ہیں جو پنجاب میں رہتے تھے جہاں انگریزوں سے پہلے سکھ حاکم تھے۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دو ایسے مشہور مسلم لیڈروں کی آراء بھی درج کردی جائیں جہاں انگریزوں سے پہلے اسلامی حکومت تھی۔

---

[1] زمیندار ۱۹/اکتوبر ۱۹۱۱ء | [2] موعظہ تحریف قرآن بابت ماہ اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۶۷-۶۸ شائع کردہ ینگ مین سوسائٹی خواجگان نارووالی لاہور

(۱) حضرت سیّد احمد بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق مولوی محمد جعفر تھانیسری لکھتے ہیں :-

''سیّد صاحب کا سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا۔ وہ اس آزاد عملداری کو اپنی عملداری سمجھتے تھے۔'' [۱]

(۲) شمس العلماء مولانا نذیر احمد مرحوم دہلوی نے اپنے لیکچر میں جو ۵/اکتوبر ۱۸۸۸ء کو ٹون ہال دہلی میں دیا، فرمایا :-

''ہندوؤں کی عملداری میں مسلمانوں پر طرح طرح کی سختیاں رہیں اور مسلمانوں کی حکومت میں بعض ظالم بادشاہوں نے ہندوؤں کو ستایا۔ الغرض یہ بات خدا کی طرف سے فیصل شدہ ہے کہ سارے ہندوستان کی عافیت اس میں ہے کہ کوئی اجنبی حاکم اس پر مسلط رہے جو نہ ہندو ہو نہ مسلمان ہی ہو۔ کوئی سلاطین یورپ میں سے ہو۔ مگر خدا کی بے انتہا مہربانی اس کی متقاضی ہوئی کہ انگریز بادشاہ ہوئے (چیرز) انہوں نے سوا سو برس حکومت کر کے اپنی قومی بیدار مغزی، جفاکشی، لیاقت، انصاف، رعایا پروری اور بہادری کو آشکارا طور پر ثابت کر دیا جیسے روز روشن میں آفتاب تو کیا اب بھی کسی منصف مزاج، دانشمند، ملکی خیر خواہ کے دل میں یہ ولولہ گذر سکتا ہے کہ خدانخواستہ سلطنت بدل جائے۔ سب بولو! نہیں۔ نہیں، نہیں۔ (چیرز).....لیکن مُنہ سے کہنا کافی نہیں۔ کردار سے، گفتار سے ثبوت کر دو کہ تم تبدل سلطنت نہیں چاہتے۔'' [۲]

اور فرماتے ہیں :-

''کیا گورنمنٹ جابر اور سخت گیر ہے۔ توبہ توبہ ماں باپ سے بڑھ کر شفیق۔'' [۳]

۱۸۵۷ء کے غدر کا ذکر کر کے فرماتے ہیں :-

''جو آسائش ہم کو انگریزی عملداری میں میّسر ہے کسی دوسری قوم میں اسکے مہیّا کرنے کی صلاحیت نہیں۔ پس یہی باغیان ناعاقبت اندیش برخود غلط جو عملداری کے تزلزل سے خوش ہیں چند روز میں عاجز آ کر بمنّت انگریزوں کو منا کر لائیں تو سہی۔ میں اپنی معلومات کے مطابق اس وقت کے ہندوستانی والیان مُلک پر نظر ڈالتا تھا اور برما اور نیپال اور افغانستان بلکہ فارس اور مصر اور عرب تک خیال دوڑاتا تھا۔ اِس سرے سے اُس سرے تک ایک متنفس سمجھ میں نہیں آتا جس کو میں ہندوستان کا بادشاہ بناؤں۔ امیدواران سلطنت میں سے اور کوئی گروہ اس وقت موجود نہ تھا کہ میں اس کے استحقاق پر نظر کرتا۔ پس میرا اس وقت کا فیصلہ یہ تھا کہ انگریز ہی سلطنت ہندوستان کے اہل ہیں۔ سلطنت انہی کا حق ہے، انہی پر بحال رہنی چاہیئے۔ دعویٰ مدعیان معہ خرچہ ڈسمس۔'' [۴]

(۳) اب ہم انگریزی حکومت کے متعلق آنریبل ڈاکٹر سر سیّد احمد خان بہادر کی رائے لکھتے ہیں۔

ملکہ معظّمہ وکٹوریا کے لئے دُعا

''اے خدا تیرے ہی القاء سے ملکہ معظّمہ کوئین وکٹوریا دام سلطنتہا نے پُر رحم اشتہار معافی کا جاری کیا۔ ہم دل سے اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور اپنی جان سے ملکہ کو دُعا دیتے ہیں۔ الٰہی تو ہماری اس دُعا کو قبول کر۔ آمین۔ الٰہی ہماری ملکہ وکٹوریہ ہو اور جہان ہو۔'' [۵]

---

[۱] سوانح احمدی صفحہ ۱۳۹ | [۲] مولانا مولوی حافظ نذیر احمد دہلوی کے لیکچروں کا مجموعہ۔ بار اوّل ۱۸۹۰ء صفحہ ۴، ۵ | [۳] ایضاً صفحہ ۱۹ | [۴] ایضاً صفحہ ۲۶-۲۷ | [۵] مجموعہ لیکچر ہائے آنریبل ڈاکٹر سر سیّد احمد خان بہادر۔ بلالی پریس ساڈھورہ دسمبر ۱۸۹۲ء صفحہ ۱۲

بادشاہ عادل خدا کے بندوں پر رحمت ہے

مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :-

''اے مسلمانو جان لو کہ ہمارا دین بالکل سچائی اور بالکل نیکی ہے۔ ہمدردی اور محسن کی احسان مندی اور عام خلائق کی خیر خواہی ٹھیٹ رکن اسلام کا ہے۔ جس طرح ہم کو اپنے خدائے پاک کا شکر کرنا ہے اسی طرح ہم کو اس انسان کا بھی شکر کرنا ہے جس کا احسان ہم پر ہے۔ بادشاہ عادل کا احسان اپنی رعیت پر جس قدر ہوتا ہے کسی انسان کا کسی انسان پر نہیں ہوسکتا۔...... پس بادشاہ عادل کا کسی رعیت پر متولی ہونا درحقیقت خدا تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت ہے۔ اور بلاشبہ تمام رعیت اس عادل بادشاہ کی احسان مند ہے۔ پس ہم رعایائے ہندوستان جو ملکہ وکٹوریا دام سلطنتہا ملکہ ہندو انگلینڈ کی رعیت ہیں اور جو ہم پر عدل وانصاف کے بغیر قومی و مذہبی طرفداری کے حکومت کرتی ہے سرتا پا احسانمند ہیں۔ اور ہم کو یہ ہمارے پاک اور روشن مذہب کی تعلیم ہے ہم کو اس کی احسانمندی کا ماننا اور شکر بجالانا واجب ہے۔'' [1]

(۴) گورنمنٹ انگریزی پر اعتبار رکھو اور اسکی طرف سے نیکدل رہو

ار مئی ۱۸۸۶ء کو بمقام علی گڈھ تقریر میں فرمایا :-

''تم کو معلوم ہے کہ ایام مفسدہ میں گورنمنٹ نے میرا خوب امتحان کر لیا ہے کہ میں کیسا گورنمنٹ کا خیر خواہ ہوں۔ تم سب لوگ کیا خلوت میں اور کیا جلوت میں میری اس رائے سے بخوبی واقف ہو کہ میری رائے میں جس قدر انگریزی عملداری پر طمانیت اور اس کو ہندوستان میں استقلال ہوتا جاوے گا اور جس قدر ارتباط بڑھیگا اسی قدر ہندوستان اور ہندوستانیوں کی بھلائی اور بہبود اور ہر قسم کی ترقی کا باعث ہوگا۔ بایں ہمہ میں تم کو اس مجلس عام میں سمجھا تا ہوں کہ تم اپنے بیہودہ خیالات اور اوہام کا مطلق ڈرمت کرو۔ گورنمنٹ کی طرف سے نیک دل رہو اور اس پر سب طرح کا بھروسہ رکھو...... میری نصیحت یہ ہے کہ گورنمنٹ کی جانب سے اپنا دل صاف رکھو اور نیک دلی سے پیش آؤ اور سب طرح پر گورنمنٹ پر اعتبار رکھو۔'' [2]

مسلمانوں کے مذکورہ بالا لیڈروں میں برٹش گورنمنٹ کی انتہائی رنگ میں تعریف بھی کی گئی ہے اور مسلم والیان اور مسلم ممالک کی حکومتوں کا مقابلہ کر کے انگریزی راج کی تعریف اور برتری بھی بتائی گئی ہے۔ حضرت بانی جماعت احمدیہ نے اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں لکھا۔

خلاصہ کلام یہ کہ حکومت برطانیہ کی تعریف کرنا اور اس کے ساتھ وفاداری کا اظہار دراصل ایک اصول کے ماتحت تھا یعنی :-

(الف) اس حکومت نے پنجاب کے مسلمانوں کو سکھ حکومت کے مظالم سے نجات دلائی۔

(ب) اس نے ملک میں امن قائم کیا۔

(ج) اس نے ملک میں ضمیر کی آزادی عطا کی۔

(د) حکومت برطانیہ کے ساتھ وفاداری اس اصول کے ماتحت تھی کہ ہر حکومت کے ساتھ تعاون ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ہماری جماعت بارہا اعلان کر چکی ہے کہ جماعت احمدیہ جس حکومت کے بھی ماتحت ہوگی اس کی وفادار رہے گی۔ کیونکہ اسلام کی تعلیم یہی ہے۔ پس ہمارا حکومت برطانیہ سے قطعاً کوئی خاص

[1] مجموعہ لیکچر ہائے آنریبل ڈاکٹر سر سیّد احمد خان بہادر، بلالی پریس ساڈھورہ، دسمبر ۱۸۹۲ء، صفحہ ۱۵ | [2] ایضاً صفحہ ۲۳۹

رشتہ نہیں بلکہ اس کے ساتھ ہمارا تعاون ایک عام اصول کے ماتحت تھا اور اب جبکہ ہم پاکستان کے باشندے ہیں ہم پوری طرح پاکستان کے وفادار ہیں۔ اسی لئے حضورؑ غیر مسلموں کے اسلام پر اعتراضات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

''اس وقت جو ہم پر قلم کی تلوار چلائی جاتی ہے اور اعتراضوں کے تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی ہے ہمارا فرض ہے کہ اپنی قوتوں کو بیکار نہ کریں اور خدا کے پاک دین اور اس کے برگزیدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات کے لئے اپنے قلموں کے نیزوں کو تیز کریں۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ اللہ تعالےٰ نے سب سے بڑھ کر ہم کو یہ موقع دیا کہ اس نے سلطنت انگریزی میں ہم کو پیدا کیا۔ محسن کے احسان کی شکرگزاری کے اصول سے ناواقف جاہل ہمارے اس قسم کے بیانات اور تحریروں کو خوشامد کہتے ہیں مگر ہمارا خدا بہتر جانتا ہے کہ ہم دنیا میں کسی انسان کی خوشامد کر سکتے ہی نہیں۔ یہ قوت ہم میں نہیں ہے۔ ہاں احسان کی قدر کرنا ہماری سرشت میں ہے۔ اور محسن کشی اور غداری کا ناپاک مادہ اُس نے اپنے فضل سے ہم میں نہیں رکھا۔ ہم گورنمنٹ انگلشیہ کے احسانات کی قدر کرتے ہیں اور اس کو خدا کا فضل سمجھتے ہیں کہ اس نے ایک عادل گورنمنٹ کو سکھوں کے پُر جفا زمانہ سے نجات دلانے کے لئے ہم پر حکومت کرنے کو کئی ہزار کوس سے بھیج دیا۔ اگر اس سلطنت کا وجود نہ ہوتا تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہم اس قسم کے اعتراضوں کی بابت ذرا بھی سوچ نہ سکتے چہ جائیکہ ہم ان کا جواب دے سکتے۔'' [1]

اور فرماتے ہیں :-

''بعض نادان مجھ پر اعتراض کرتے ہیں جیسا کہ صاحب المنار نے بھی کیا ہے کہ یہ شخص انگریزوں کے ملک میں رہتا ہے اس لئے جہاد کی ممانعت کرتا ہے۔ یہ نادان نہیں جانتے کہ اگر میں جھوٹ سے اس گورنمنٹ کو خوش کرنا چاہتا تو میں بار بار کیوں کہتا کہ عیسٰی ابن مریم صلیب سے نجات پا کر اپنی موت طبعی سے بمقام سرینگر کشمیر مر گیا اور نہ وہ خدا تھا اور نہ خدا کا بیٹا۔ کیا انگریز مذہبی جوش والے میرے اِس فقرہ سے مجھ سے بیزار نہیں ہوں گے۔'' [2]

پس سنو اے نادانو! میں ہرگز اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ایسی گورنمنٹ سے جو دین اسلام اور دینی رسوم پر کچھ دست اندازی نہیں کرتی اور نہ اپنے دین کو ترقی دینے کے لئے ہم پر تلوار چلاتی ہے قرآن شریف کی رو سے جنگ کرنا

---

[1] ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ صفحہ ۲۲۳ | [2] پٹر جان لارنس نے جو ۱۸۶۴ء-۱۸۶۹ء میں ہندوستان کا گورنر جنرل رہا لکھا ہے :-

''غدر کے بھڑکانے میں سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ برطانیہ حسب عادت اپنے مذہب کے معاملہ میں بزدلی دکھاتا رہا۔'' (پنجاب اینڈ سندھ مشنز مصنفہ رابرٹ کلارک لندن ۱۸۸۵ء صفحہ ۲۹۴)

اسی طرح لورڈ لارنس نے یہ بھی کہا :-

''کوئی چیز بھی ہماری سلطنت کے استحکام کا اس امر سے زیادہ موجب نہیں ہو سکتی کہ ہم عیسائیت کو ہندوستان میں پھیلا دیں۔'' (لورڈ لارنس لائف جلد ۲ صفحہ ۳۱۳)

وزیر ہند سر چارلس وڈ نے کہا :-

''میرا یہ ایمان ہے کہ ہر وہ نیا عیسائی جو ہندوستان میں عیسائیت قبول کرتا ہے انگلستان کے ساتھ ایک نیا رابطہ اتحاد بنتا ہے اور ایمپائر کے استحکام کے لئے ایک نیا ذریعہ ہے۔'' (دی مشنز بائی آر کلارک مطبوعہ لنڈن صفحہ ۲۳۴)

جبکہ گورنمنٹ کے ارکان بھی عیسائیت کے ہندوستان میں استحکام کے خواہشمند تھے تو کیا ایک خوشامدی کو یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ عیسائیت کے استیصال کے لئے رات دن ایک کر دے۔ ع

کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

حرام ہے کیونکہ وہ بھی کوئی مذہبی جہاد نہیں کرتی۔'' [1]

اور فرماتے ہیں :-

''میری طبیعت نے کبھی نہیں چاہا کہ اپنی متواتر خدمات کا اپنے حکام کے پاس ذکر بھی کروں کیونکہ میں نے کسی صلہ اور انعام کی خواہش سے نہیں بلکہ ایک حق بات کو ظاہر کرنا اپنا فرض سمجھا۔'' [2]

اور فرماتے ہیں :-

''میں اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا جیسا کہ نادان لوگ خیال کرتے ہیں۔ نہ اس سے کوئی صلہ چاہتا ہوں بلکہ میں انصاف اور ایمان کی رو سے اپنا فرض دیکھتا ہوں کہ اس گورنمنٹ کی شکر گذاری کروں۔'' [3]

فتح بغداد پر خوشی

اسی شکایت کے ضمن میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ :-

''جب پہلی جنگ عظیم میں (جس میں ترکوں کو شکست ہوگئی تھی) بغداد پر ۱۹۱۸ء میں انگریزوں کا قبضہ ہوگیا اور قادیان میں اس فتح پر جشن مسرت منایا گیا تو مسلمانوں میں شدید برہمی پیدا ہوئی۔ اور احمدی انگریزوں کے پٹھو سمجھے جانے لگے۔''

مسلمانوں کی اس شکایت کا بھی ہماری طرف سے یہ جواب ریکارڈ میں موجود ہے :-

''خوشی کی یہ تقریب جس میں رات کو چراغاں کیا گیا اتحادیوں کی فتح اور جرمنی کی مغلوبیت کے موقع پر اس تاریخ کو منائی گئی جو گورنمنٹ کی طرف سے غیر معمولی گزٹ کے ذریعہ مقرر کی گئی تھی جس میں یہ تصریح کی گئی تھی کہ ۲۷ نومبر کو صوبہ پنجاب میں صلح کی خوشی میں عام تعطیل ہوگی۔ ہر جگہ جلسے منعقد کئے جائیں گے اور خوشی منائی جائے گی۔''

اخبار الفضل ۷ دسمبر ۱۹۱۸ء میں جماعت احمدیہ لدھیانہ کی رپورٹ شائع ہوئی جس کا اقتباس درج ذیل ہے :-

''وہ مغرور و رمتکبر سلطنت جرمنی جو آج سے چند سال پیشتر تمام دنیا کو اپنے ظلم و استبداد کے ماتحت لانے کے خواب پریشاں دیکھ رہی تھی۔ اس پر برطانیہ عظمیٰ اور اسکی اتحادی طاقتوں کے کامل غلبہ اور اقتدار حاصل کر لینے پر ۲۷ نومبر کی تاریخ پنجاب میں اظہار تہنیت اور خوشی کے لئے مقرر کی گئی تھی۔''

''اور خوشی کی یہ تقریب نہ صرف احمدیوں نے بلکہ صوبہ بھر کی تمام اقوام نے منائی تھی۔''

پاکستان کی مخالفت

اسی شکایت کے ضمن میں رپورٹ میں لکھا ہے کہ :-

''ان کی بعض تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تقسیم کے مخالف تھے اور کہتے تھے کہ اگر ملک تقسیم بھی ہوگیا تو ہم اسے دوبارہ متحد کرنے کی کوشش کریں گے۔'' [4]

---

[1] کشتی نوح حاشیہ صفحہ ۶۸ طبع ہشتم | [2] تبلیغ رسالت جلد ۷ صفحہ ۱۰ | [3] تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صفحہ ۱۲۳ | [4] رپورٹ صفحہ ۲۰۹

مؤلف محاسبہ اسے اپنے الفاظ میں اس رنگ میں پیش کرتا ہے :-

''تقسیم ملکی سے پہلے وہ پاکستان کی اسلامی مملکت کے قیام کے بھی مخالف تھے۔اوراب بھی اس امر کے خواہاں ہیں کہ ہندوستان پھر سے متحد ہوکر اکھنڈ بھارت بن جائے۔'' [1]

فاضل ججوں نے صرف بعض تحریروں سے ایسا ظاہر ہونا لکھا ہے کیونکہ تقسیم سے پہلے کی ایسی تحریریں بکثرت موجود ہیں جن میں پاکستان کی تائید کی گئی ہے۔انہی تحریروں کی وجہ سے اس معاملہ میں احمدیوں کا مسلک بالکل ظاہر ہے اور حالات پر نظر رکھنے والے اس سے اچھی طرح واقف۔

چنانچہ سید رئیس احمد صاحب جعفری اپنی مشہور کتاب موسومہ ''حیات محمد علی جناح'' مطبوعہ ۱۹۴۶ء میں زیر عنوان ''اصحاب قادیان اور پاکستان'' رقم طراز ہیں :-

''اب ایک اور دوسرے بڑے فرقہ اصحاب قادیان کا مسلک اور رویّہ پاکستان کے بارے میں پیش کیا جاتا ہے۔حقائق ذیل سے اندازہ ہوجائے گا کہ اصحاب قادیان کی دونو جماعتیں مسلم لیگ کی مرکزیت، پاکستان کی افادیت اور مسٹر جناح کی سیاسی قیادت کی معترف اور مداح ہیں۔'' [2]

سلسلہ احمدیہ کی طرف سے جو تحریریں نظریہ پاکستان کی تائید میں لکھی گئی ہیں ان کی کثرت وشہرت وصداقت اور ان تحریروں کے اثر واعتبار کی حالت اور پاکستان کے متعلق ۱۹۴۶ء تک احمدیوں کے مسلک ورویہ کی حقیقت مندرجہ بالا اقتباس سے بخوبی ظاہر ہوگئی ہے اسلئے اب ہم ان بعض تحریروں کو لیتے ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔اور وہ دو (۲) ہیں۔پہلی الفضل ۱۵/اپریل ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئی ہے۔اور دوسری الفضل ۱۶/مئی ۱۹۴۷ء میں۔اور یہ دونوں تحریریں حضرت امام جماعت احمدیہ کی تحریریں نہیں بلکہ آپ کی تقریروں کے ناقص ملخّص ایک شخص کے اپنے الفاظ میں لکھے ہوئے ہیں جو آپ کا ڈائری نویس بھی نہیں تھا۔اوران ملخصوں کا ناقص ہونا آج ظاہر نہیں کیا جاتا بلکہ جس زمانے میں وہ ملخص شائع ہوئے تھے اسی زمانے کے اخبار الفضل کے پرچوں سے ظاہر ہے اور یہ امر تحقیقاتی عدالت کے سامنے بھی پیش کیا جاچکا ہے۔پہلا ملخص جس میں یہ فقرے ہیں۔''بہرحال ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان بنے اور ممکن ہے کہ یہ عارضی طور پر افتراق ہو اور ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ جلد دُور ہوجائے۔'' حضرت امام جماعت احمدیہ کی اس تقریر کا ناقص ملخص ہے جو آپ نے مجلس عرفان منعقدہ ۳/اپریل ۱۹۴۷ء میں فرمائی تھی اور یہ ملخص ۵/اپریل ۱۹۴۷ء کے الفضل میں شائع ہؤا تھا اور اس کا ناقص وغلط ہونا الفضل ۱۳/اپریل سے ظاہر ہے۔اوراب حضرت امام جماعت احمدیہ تحقیقاتی عدالت کے روبرو اپنی شہادت میں بھی اس کو ناقص وغلط قرار دے چکے ہیں۔کیونکہ یہ آپ کی اسی مجلس عرفان والی تقریر کی مکمل درست اور حرف بحرف لکھی ہوئی رپورٹ کے خلاف ہے جو الفضل ۱۳/اپریل ۴۷ء کے صفحہ ۲ پر شائع ہوئی ہے۔اس رپورٹ میں وہ دونوں فقرے جو اوپر نقل ہوچکے ہیں موجود نہیں ہیں بلکہ اس میں یہ لکھا ہے کہ:-

''ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان قدرتی اتحاد ہے اور ہم جسم کے ٹکڑوں کی طرح ایکدوسرے سے جدا نہیں ہوسکتے۔ہم پہلے تو یہی کوشش کریں گے کہ ہندوستان میں یکجہتی پیدا ہو ورنہ ہم مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔

حضرت امام جماعت احمدیہ کی اس تحریر میں جو مکمل اور مصدقہ ہے اور الفضل ۵/اپریل ۴۷ء کے ملخص میں جو غیر مصدقہ اور ایک شخص کا اپنے الفاظ میں لکھا ہوا ہے جتنا فرق ہے اس سے بہ تمام تر صفائی ظاہر ہوتا ہے کہ ملخص یقیناً غیر مصدقہ اور فی الحقیقت لکھنے والے کے اپنے ذہنی خیالات کا انعکاس ہے۔

---

[1] محاسبہ صفحہ ۲۱ | [2] حیات محمد علی جناح صفحہ ۴۷۹

دوسرا ملخص جس میں اسی قسم کے الفاظ ہیں جس قسم کے پہلے ملخص مندرجہ الفضل ۵/اپریل ۱۹۴۷ء کے ہیں اسی شخص کا اپنے الفاظ میں لکھا ہوا ناقص اور غلط ملخص تھا جس نے پہلا غلط ملخص لکھا تھا اور اس کا ناقص و غلط ہونا بھی اسی زمانہ کے الفضل مؤرخہ ۲۱/مئی ۱۹۴۷ء سے ظاہر ہے اور اب حضرت امام جماعت احمدیہ نے تحقیقاتی عدالت کے سامنے ان الفاظ میں اس کی تغلیط کر دی ہے :-

''جو کچھ میں نے کہا اُسے بہت حد تک غلط طور پر پیش کیا گیا ہے۔ جس شخص نے میری تقریر کی رپورٹ مرتب کی یعنی منیر احمد وہ کبھی میرا ڈائری نویس نہیں رہا۔ اس بارہ میں میرے صحیح خیالات الفضل مؤرخہ ۲۱/مئی ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئے تھے جو مندرجہ ذیل ہیں:-

''اِن حالات کے پیش نظر مسلمانوں کا حق ہے کہ (وہ پاکستان کا - ناقل) مطالبہ کریں۔ اور ہر دیانتدار کا فرض ہے کہ خواہ اس میں اس کا نقصان ہو مسلمانوں کے اس مطالبہ کی تائید کرے۔''

اور الفضل کا یہ پرچہ بھی (یعنی الفضل ۲۱/مئی ۱۹۴۷ء) عدالت میں داخل کر دیا گیا تھا۔ اس سے مضمون متعلقہ کو پڑھنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جماعت من حیث الجماعت ۱۶/مئی ۴۷ء سے قبل مطالبۂ پاکستان کی حمایت کر رہی تھی اور وہ حمایت اس قدر ظاہر و باہر تھی کہ ہندوستانیوں کو بھی اچھی طرح اس کا علم تھا یہاں تک کہ ایک ہندوستانی اخبار کو یہ لکھنا پڑا کہ احمدی آج تو پاکستان کی حمایت کر رہے ہیں مگر یاد رکھیں پاکستان بننے کے بعد مسلمان ان سے وہی سلوک کریں گے جو کابل میں ان کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اور اسی اخبار نویس کی تحریر کا آپ نے وہ جواب دیا تھا جس کا ملخص اُوپر درج ہو چکا ہے جو ۲۱/اپریل کے الفضل میں شائع ہوا۔

خلاصہ یہ کہ الفضل ۵/اپریل ۴۷ء و الفضل ۱۶/مئی ۴۷ء کے اقتباسات نادرست اور غلط ہیں اور وہ حضرت امام جماعت احمدیہ کے خیالات اور ارشادات کا نہ یہ کہ درست مفہوم پیش نہیں کرتے بلکہ حضرت امام جماعت احمدیہ کے گذشتہ اور مابعد کے مسلک کے بھی خلاف ہیں۔

عدالت کے سوال پر کہ جو کچھ ۱۶/مئی کے الفضل میں شائع ہوا اس کی آپ نے تردید کی تھی؟ حضرت امام جماعت احمدیہ نے جواب دیا کہ جو کچھ اس میں بیان ہوا تھا ۲۱/مئی ۴۷ء کے الفضل میں اس کی تردید کر دی گئی تھی اور حضرت امام جماعت احمدیہ نے ۳/اپریل کو مجلس عرفان میں جو اظہار فرمایا اور جو الفضل ۱۲/اپریل ۱۹۴۷ء صفحہ ۲ ضمیمہ ۵ پر شائع ہوا وہ صرف اپنی ذاتی رائے کا اظہار فرمایا تھا۔

کہ اگر کسی طرح کانگرس اور مسلم لیگ میں ایسے رنگ میں مصالحت ہو جائے جس سے تقسیم کے بغیر مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ ہو سکے تو یہ بہتر ہے۔ لیکن اگر ایسا کوئی سمجھوتا نہ ہو سکے تو پھر ہم یہی چاہتے ہیں کہ ملک تقسیم ہو۔ عارضی تقسیم، اکھنڈ ہندوستان کی تائید یا بعد میں دونوں ملکوں کے اکٹھا کرنے کا ذکر حضرت جماعت احمدیہ کی اس تقریر میں قطعاً موجود نہیں ہے۔

اور ہم یہ بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ۳/جون ۴۷ء سے قبل کسی مسلمان کا یہ کہنا کہ ہماری اوّلین خواہش یہ ہے کہ کسی طرح کانگرس اپنی ہٹ دھرمی اور مسلم کش پالیسی سے باز آ کر مسلم لیگ کے ساتھ ایسا باعزت سمجھوتہ کرنے پر رضامند ہو جائے جس سے ملکی تقسیم کے بغیر مسلمانوں کے حقوق کا کامل تحفظ ہو سکے ہرگز غیر طبعی اور غیر معمولی نہ تھا کیونکہ اس وقت تک خود مسلم لیگ اور قائداعظم مرحوم بھی اس امر کی انتہائی کوشش کر رہے تھے کہ کانگرس کسی طرح راہِ راست پر آ کر گورنمنٹ برطانیہ کی ۱۶/مئی ۱۹۴۶ء والی وفاقی سکیم پر دیانتداری سے عمل کرنے پر تیار ہو جائے۔ چنانچہ ''حیات محمد علی جناح'' مصنفہ سیّد رئیس احمد جعفری کے صفحہ ۸۰۹ پر لکھا ہے :-

''قائداعظم صلح کے خواہاں تھے۔''

اندریں حالات حضرت امام جماعت احمدیہ کی دونوں قوموں کے مابین آخر وقت تک مصالحت کی خواہش کسی رنگ میں بھی قابل اعتراض قرار نہیں دی جاسکتی۔ خصوصاً اس صورت میں کہ جب آخر کار یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ کانگرس اپنی غیر معقول اور غیر مصالحانہ دوستی سے سر موہٹنے کیلئے تیار نہیں ہوتی تو حضرت امام جماعت احمدیہ نے ۱۶ رمئی ۱۹۴۷ء کی تقریر میں واضح طور پر اس کا اعلان فرما دیا کہ ہم مطالبۂ پاکستان کی غیر مشروط طور پر تائید کرتے ہیں اور گورنمنٹ برطانیہ نے تقسیم ملک اور قیام پاکستان کا اعلان پہلی مرتبہ ۳ رجون کو کیا تھا۔

رہا مؤلف محاسبہ کا یہ ظاہر کرنا کہ فاضل ججوں نے احمدیوں کے متعلق یہ لکھا ہے کہ :-

''وہ اب بھی اس امر کے خواہاں ہیں کہ ہندوستان پھر سے متحد ہو کر اکھنڈ بھارت بن جائے۔''

یہ مؤلف محاسبہ مولانا میکش کی مُنہ کی بات تو ضرور ہے لیکن فاضل ججوں کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی کیونکہ رپورٹ میں یہ قطعاً موجود نہیں۔ نہ انگریزی میں نہ اُردو میں۔

اسلامی اصطلاحات کا جائزہ

اِس عنوان کے ماتحت مؤلف محاسبہ لکھتا ہے :-

''عدالت تحقیقات نے قادیانیوں کے خلاف مسلمانوں کی ایک اور بڑی شکایت کی صحت کو بھی من وعن تسلیم کر لیا ہے کہ مرزا غلام احمد نے اپنی تحریرات میں انبیاء کرام علیہم السلام اور حضور سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی فضیلت کا اظہار کر کے مسلمانوں کی سخت دلآزاری کی ہے اور قادیانی اپنی مطبوعات میں مسلمانوں کی مقدس مصطلاحات مثلاً امیر المومنین، ام المومنین، سیّدۃ النساء، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کو جن کا محل استعمال مخصوص ہو چکا ہے **اپنے اکابر کے لئے استعمال کر کے دلآزاری کے مرتکب ہوتے رہے ہیں۔**'' [1]

اور مؤلفین تبصرہ بحوالہ انگریزی رپورٹ صفحہ ۱۹۷ لکھتے ہیں :-

''عدالت تسلیم کرتی ہے کہ مرزا صاحب کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تمام انبیاء کے مقابلے میں اپنی فضیلتیں جتانا اور قادیانیوں کا اپنے اکابر کے لئے وہ اصطلاحات استعمال کرنا جو مسلمان صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اور امہات المومنین کے لئے استعمال کرتے ہیں **مسلمانوں کو ناگوار ہے اور فطرتاً ناگوار ہونا چاہیئے۔**'' [2]

مؤلفین محاسبہ وتبصرہ نے تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ کا ملخص ایسے رنگ میں پیش کیا ہے گویا فاضل ججوں نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی فضیلت کا اظہار کر کے مسلمانوں کی دلآزاری کی ہے۔ اور مؤلفین محاسبہ نے تو آخری فقرہ ''اور فطرتاً ناگوار ہونا چاہیئے'' اپنی طرف سے فاضل ججوں کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ یہ نہ انگریزی رپورٹ میں درج ہے اور نہ اس کے اردو ترجمہ میں۔

اسی طرح مؤلف محاسبہ نے جو مصطلاحات کے متعلق یہ لکھا ہے کہ احمدی ان کو ''اپنے اکابر کے لئے استعمال کر کے دلآزاری کے مرتکب ہوتے رہے ہیں''، رپورٹ میں قطعاً موجود نہیں ہے۔

---

[1] محاسبہ صفحہ ۲۰ | [2] تبصرہ صفحہ ۱۸۶

مسئلہ فضیلت :- مسئلہ فضیلت کے متعلق تحقیقاتی عدالت میں بحث نہیں ہوئی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ رسولوں کا ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے۔ **تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ**[1] یہ رسول ہیں جن میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے **فضّلت علی الانبیاء بست**[2] کہ مجھے انبیاء پر چھ باتوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے۔ نیز فرمایا ہے کہ اگر موسیٰؑ زندہ ہوتے تو ان کو میری پیروی کے سوا چارہ نہ ہوتا۔ اور سلف صالحین کے نزدیک یہ بھی مسلم ہے کہ ولی کو نبی پر جزئی فضیلت ہو سکتی ہے۔

ساری رپورٹ میں کسی جگہ حضرت بانی جماعت احمدیہ کی ایسی کوئی تحریر درج نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی فضیلت کا اظہار کیا ہے۔ اور نہ ہی فاضل ججوں نے رپورٹ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت بانی جماعت احمدیہ نے

''اپنی تحریرات میں حضرات انبیاء کرام اور حضور سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی فضیلت کا اظہار کر کے سخت دلآزاری کی ہے۔''

بلکہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ یہ ہے :-

''اس میں شک نہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی دوسرے زندہ یا مُردہ شخص کے درمیان مقابلہ و موازنہ ہر مومن کے لئے دل آزاری کا موجب ہے۔'' [3]

لیکن انہوں نے یہ نہیں لکھا کہ حضرت بانی جماعت احمدیہ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی فضیلت کا اظہار کیا ہے جیسا کہ مؤلفین محاسبہ و تبصرہ نے لکھا ہے اور وہ یہ رائے قائم بھی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ان کے پاس ریکارڈ میں اس شکایت کا بھی تفصیلی جواب موجود تھا۔ حضرت بانی جماعت احمدیہ کی بیسیوں تحریرات میں سے چند تحریریں درج ذیل ہیں۔ آپؑ فرماتے ہیں :-

''جب ہم انصاف کی نظر سے دیکھتے ہیں تو تمام سلسلۂ نبوت میں سے اعلیٰ درجہ کا جوانمرد نبی اور خدا کا اعلیٰ درجے کا پیارا نبی صرف ایک مرد کو جانتے ہیں یعنی وہی نبیوں کا سردار، رسولوں کا فخر، تمام مرسلوں کا سردار جس کا نام محمد مصطفےٰ اور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جس کے زیر سایہ دس دن چلنے سے وہ روشنی ملتی ہے جو پہلے اس سے ہزاروں برس تک نہیں مل سکتی تھی۔'' [4]

اور فرماتے ہیں :-

''نوعِ انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور تمام آدمزادوں کے لئے کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچّی محبت اس جاہ و جلال والے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑھائی مت دو تا کہ تم آسمان پر نجات یافتہ لکھے جاؤ۔'' [5]

اور فرماتے ہیں ؎

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا — نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے
اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں — وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے [6]

اور فرماتے ہیں ؎

برتر گمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے — جس کا غلام دیکھو مسیح الزمان ہے [7]

---

[1] پارہ ۳ ع ۱ | [2] بخاری | [3] رپورٹ صفحہ ۲۱۰ | [4] سراج منیر صفحہ ۸۰ | [5] کشتی نوح صفحہ ۱۳ | [6] قادیان کے آریہ اور ہم | [7] حقیقۃ الوحی

ان تمام عبارات کے قائل کے متعلق یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی فضیلت کا دعویٰ کیا ہے۔ حضرت بانی جماعت احمدیہ نے اپنی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شاگرد اور استاد کی بتائی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا آقا، اپنا سردار اور اپنا استاد تسلیم کیا ہے اور اپنے آپ کو ان کا غلام، ان کا مطیع اور شاگرد ظاہر کیا ہے۔

ایک رؤیا کا ذکر

فاضل ججوں نے رپورٹ میں ایک رؤیا کے متعلق لکھا ہے :-

''احمدی لٹریچر میں رسول پاکؐ کے خاندان کی بعض خواتین کے متعلق جو حوالے پائے جاتے ہیں ان کے متعلق بھی ہمارا یہی خیال ہے گو اس شکایت کی ایک نظیر قلائد الجواہر میں بھی پائی جاتی ہے اور وہ شاید زیادہ متبذل ہے۔'' [1]

یہاں حضرت بانی جماعت احمدیہ کی ایک رؤیا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور قلائد الجواہر میں بھی حضرت سیّد عبدالقادر جیلانیؒ کی ایک رؤیا کا ہی ذکر ہے۔ لیکن حضرت بانی جماعت احمدیہ کی رؤیا کے متعلق رپورٹ کے ایک دوسرے مقام پر قاضی منظور احمد کی اس اشتعال انگیزی پر :-

''کہ اگر مرزا غلام احمد کہہ دیتا کہ اس نے اپنا سر خواجہ ناظم الدین کی بیٹی کی گود میں رکھ دیا تھا تو آپ اس کا نتیجہ دیکھ لیتے۔''

فاضل ججوں نے یہ نوٹ دیا ہے :-

''اس میں مرزا غلام احمد کے اس رؤیا کی طرف اشارہ ہے جس میں مرزا صاحب نے دیکھا کہ ان کا سر دُختر رسولؐ کی گود میں ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس میں مرزا صاحب نے دُختر رسولؐ کا ذکر بالکل اس طرح کیا تھا جیسے کوئی اپنی ماں کا ذکر کرے۔'' [2]

اور اس بات کا ثبوت کہ اس رؤیا میں کوئی ایسی بات نہیں تھی جو کسی کی دلآزاری کا باعث ہو یہ ہے کہ یہ رؤیا سب سے پہلے براہین احمدیہ میں شائع ہوئی پھر اس کا ذکر ازالۂ اوہام، آئینہ کمالات اسلام، نزول المسیح، تحفہ گولڑویہ اور ایک غلطی کا ازالہ میں کیا گیا۔ لیکن گذشتہ چھیالیس سال میں ان علماء سے کسی نے اِس رؤیا کو حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی توہین کا باعث نہ سمجھا۔ ۴۶ سال کے بعد احرار نے اسکے مضمون کو محرّف و مبدّل کر کے بطور اعتراض پیش کیا۔ اور اس اعتراض کا باطل ہونا رپورٹ کے اس نوٹ میں تسلیم کیا گیا ہے۔

اسلامی اصطلاحات کا استعمال

چونکہ مؤلفین محاسبہ اور تبصرہ نے اسلامی مصطلاحات کے متعلق رپورٹ کا صحیح ملخص پیش نہیں کیا اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی رپورٹ کا جو اُردو ترجمہ گورنمنٹ کی طرف سے شائع ہوا ہے اس کے اصل الفاظ یہاں درج کر دیئے جائیں۔

فاضل ججوں نے مسلمانوں کی اس شکایت کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے :-

''مسٹر عبدالرحمٰن خادمؔ نے، جنہوں نے کتب قدیمہ کی تلاش و تجسّس میں بڑی محنت کی ہے، اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اِن القاب میں سے اکثر بعض اولیاء کے خاندانوں میں بھی استعمال کئے جا چکے ہیں جن میں احراری لیڈر صاحبزادہ فیض الحسن کا خاندان بھی شامل ہے اور دوسرے فرقوں کے لیڈروں اور پیروں کے لئے بھی یہ القاب استعمال کئے گئے ہیں جن میں ایک احراری لیڈر چوہدری افضل حق بھی ہیں۔'' [3]

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۱۰ | [2] رپورٹ صفحہ ۳۶۴ | [3] رپورٹ صفحہ ۲۱۰

فاضل جج یہ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ :-

''یہ فیصلہ کرنا ہمارا کام نہیں کہ آیا ان القاب کا استعمال جائز ہے یا ناجائز لیکن اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمانوں کے جذبات ان القاب کے استعمال سے ضرور متاثر ہوتے ہیں جو خاص اور محدود شخصیتوں کے لئے استعمال ہونے کی وجہ سے مقدس قرار پا چکے ہیں۔'' [1]

فاضل ججوں کی رپورٹ میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ احمدیہ جماعت یہ اصطلاحات اور القاب مسلمانوں کی دل آزاری کے لئے استعمال کرتی تھی۔ اور نہ ہی یہ لکھا ہے کہ احمدیوں کا ایسا کرنا مسلمانوں کو فطرتاً ناگوار ہونا چاہیئے۔ رپورٹ کے الفاظ اور مؤلفین محاسبہ وتبصرہ کے الفاظ میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

فاضل ججوں نے یہ صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ :-

''یہ فیصلہ کرنا ہمارا کام نہیں کہ ان القاب کا استعمال جائز تھا یا ناجائز۔''

لیکن مسلمانوں کی شکایات کو مدّنظر رکھتے ہوئے انہوں نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ :-

''مسلمانوں کے جذبات ان اصطلاحات کے استعمال سے ضرور متاثر ہوتے ہیں۔''

فاضل ججوں کا مسلمانوں کی شکایت کے پیش نظر یہ نتیجہ نکالنا درست ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ متاثر ہونے والے متاثر ہونے میں برحق ہیں۔ یعنی ان کا متاثر ہونا معقولیت پر بھی مبنی ہے۔ معقولیت کے اعتبار سے تو ان کا متاثر ہونا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک مسلمان کے اذان دینے سے کسی زمانے میں سکھوں کا متاثر ہونا اور اس کو اپنی دلآزاری کا باعث قرار دینا تھا۔

پس مؤلفین محاسبہ وتبصرہ کا یہ فرض تھا کہ وہ ان القاب کے استعمال کے ناجائز ہونے کا قرآن مجید یا حدیث صحیح سے ثبوت دیتے خصوصاً جبکہ اسلامی لٹریچر سے ان اصطلاحات کے استعمال کی مثالیں بھی پیش کر دی گئی تھیں۔ مثلاً :-

(۱) **صحابی** کی اصطلاح کے متعلق بحوالہ جواہر الاسرار اور بحوالہ اقتراب الساعۃ ایک حدیث پیش کی گئی تھی جس میں مہدی کے پیروؤں کو اصحاب کہا گیا ہے اور اقتراب الساعۃ صفحہ ۹۵ میں ان کے متعلق ''قدم بہ قدم رجال صحابہ کے'' لکھا ہے۔ اور صحیح مسلم کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح کے ساتھیوں کے لئے ''اصحاب'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

(۲) **امیر المؤمنین**۔ مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور نے اپنی کتاب ''مقدمہ اوجز المسالک'' شرح مؤطا امام مالک کے صفحہ ۱۴ پر امام مالک رضی اللہ عنہ کو فن حدیث میں ''امیر المؤمنین'' لکھا ہے۔ اور تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۱۱۳ مطبوعہ حیدر آباد دکن میں حضرت حافظ ابن حجر العسقلانی، امام شعبہ اور امام ابن معین وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ فن حدیث میں ''امیر المؤمنین'' ہیں۔ اور پروفیسر الیاس برنی نے اپنی کتاب ''قادیانی مذہب'' مطبوعہ اشرف پرنٹنگ پریس لاہور بار ششم کے صفحہ ۳۰ میں نظام صاحب دکن کو ''امیر المؤمنین'' کے لقب سے ملقب کیا ہے۔

(۳) **اُمّ المؤمنین**۔ غوث الاعظم حضرت سیّد عبد القادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ کے لئے ان کے پیروؤں نے ''ام المؤمنین'' کا لقب استعمال کیا۔ [2]

اسی طرح اشارات فریدی جزو دوم صفحہ ۹۱ مطبوعہ مفید عام آگرہ ۱۳۲۴ھ میں حضرت خواجہ قطب جمال الدین ہانسویؒ کی اہلیہ محترمہ کو ''ام المؤمنین'' قرار دیا ہے۔

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۱۰ | [2] ملاحظہ ہو مناقب غوثیہ صفحہ ۱۸ مصنفہ شیخ محمد صادق بحوالہ گلدستہ کرامات مصنفہ غلام سرور لاہوری مطبوعہ ۱۲۷۷ھ

(۴) رضی اللہ عنہ۔ ان اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح جس کے استعمال سے شکایت کرنے والوں کی بقول ان کے دل آزاری ہوتی ہے۔ ''**رضی اللہ عنہ**'' ہے۔جس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو۔شکایت کنندگان یہ خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے نزدیک بنابرنصِ قرآنی ''رضی اللہ عنہ'' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے مخصوص ہے۔حالانکہ قرآنی آیات سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہؓ کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی ان الفاظ کا استعمال صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

والسابقون الاوّلون من المهاجرين والانصار والّذين اتّبعوهم باحسانٍ رضى الله عنهم و رضوا عنه۔ [1]

یعنی جن لوگوں نے سبقت کی اور سب سے پہلے ایمان لائے مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی خدا ان سے راضی اور وہ خدا سے راضی ہیں۔

مفسرین نے **والّذين اتّبعُوهم باحسانٍ** کے یہی معنے لکھے ہیں۔کہ نیکی کے ساتھ پیروی کرنے والوں سے مراد تمام وہ لوگ ہیں جو قیامت تک اُن کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔ [2]

پس اس آیت سے ثابت ہے کہ رضی اللہ عنہ کا استعمال صرف صحابہؓ کے لئے مخصوص نہیں بلکہ قیامت تک کے تمام وہ مسلمان جو صحابہؓ کے نقش قدم پر چلیں گے وہ سب رضی اللہ عنہم کے مصداق ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید کے ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

انّ الّذين اٰمنوا و عملوا الصّلحٰت اولٰئك هم خير البريّة ہ جزآؤهم عند ربّهم جنّٰت عدنٍ تجرى من تحتها الانهٰر خٰلدين فيها ابداً رضى الله عنهم و رضو عنه ذٰلك لمن خشى ربّه ہ [3]

کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ان کی جزاء ان کے رب کے پاس ہے۔ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔اور یہ مقام ہر اُس شخص کے لئے ہے جو اپنے دل میں اپنے رب کی خشیت رکھتا ہے۔

علامہ ابوالسعودؒ اپنی تفسیر قرآن میں اِس آیت کے متعلق لکھتے ہیں :-

''ذٰلك اى ما ذكر من الجزاء والرضوان۔''

یعنی جو نیک بدلہ اور رضائے الٰہی کا ذکر کیا گیا ہے ہر اس شخص کو حاصل ہوگا جو خدا تعالیٰ کی خشیت رکھتا ہے۔

اِن آیات کی موجودگی میں کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ''رضی اللہ عنہ'' کی اصطلاح بنابرنصِ قرآنی حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کے لئے مخصوص ہے۔ان کی پیروی کرنے والے اس سے محروم ہیں۔

[1] توبہ ع ۱۳ | [2] ملاحظہ ہو تفسیر جلالین و تفسیر بیضاوی اور تفسیر مدارک التنزیل و تفسیر حسینی وغیرہ | [3] البیّنہ ع ۱

مندرجہ ذیل حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ''رضی اللہ عنہ'' کے الفاظ نیک بزرگوں کے حق میں ہمیشہ استعمال ہوتے رہے ہیں۔

چنانچہ حضرت امام عبدالوہاب شعرانیؒ کی کتاب الیواقیت والجواہر میں یہ الفاظ سینکڑوں مرتبہ غیر صحابہ کرامؓ کے حق میں استعمال ہوئے ہیں :-

(الف) حضرت محی الدین ابن عربیؒ کے لئے ''رضی اللہ عنہ'' ایک صفحہ میں تین مرتبہ استعمال ہؤا ہے۔ [1]

(ب) الشیخ الامام ناصر الدین القانی المالکی رضی اللہ عنہ [2]

(ج) امام شافعی رضی اللہ عنہ [3]

(د) الشیخ ابوطاہر المدنی رضی اللہ عنہ [4]

(ح) کتاب الکبریت الاحمر فی بیان علوم الشیخ الاکبر بر حاشیہ الیواقیت جلد ا صفحہ ۳۸ میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور صفحہ ۳ پر حضرت محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔

(ط) کتاب قلائد الجواہر میں حضرت سیّد عبدالقادر جیلانیؒ اور دوسرے بزرگوں کے لئے رضی اللہ عنہ سینکڑوں مرتبہ استعمال ہوا ہے اور ''فتوح الغیب'' کا تو ہر مقالہ قال رضی اللہ عنہ سے شروع کیا گیا ہے۔ یعنی حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا

اسی طرح ہر زمانے میں ان الفاظ کا ستعمال ہوتا رہا ہے۔ اور اگر ان کے استعمال کا شمار کیا جائے تو اس کی تعداد لاکھوں سے بھی متجاوز ہو جائے گی۔ موجودہ زمانے میں بھی انکا استعمال موجود ہے۔

دوسرے لوگوں سے قطع نظر خاص ان بزرگوں کے لئے بھی ''رضی اللہ عنہ'' کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ جو ان کا استعمال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے مخصوص قرار دیتے ہیں۔ اور ان کے سوا کسی کے لئے ان کا استعمال ممنوع و ناجائز اور اپنی دلآزاری اور جذبات کے مجروح ہونے کا سبب بتاتے ہیں۔ مثلاً :-

(۱) رسالہ تبیان دادو والی ضلع گوجرانوالہ بابت ماہ فروری ۱۹۵۴ء کے صفحہ ۹/ پر سیّد فیض الحسن صاحب آلومہاری کے پردادا کے لئے سیّد چنن شاہ رضی اللہ عنہ اور اس کے صفحہ ۱۲/ پر سیّد امین شاہ رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔

(۲) اور رسالہ وصایا شریف کے ٹائٹل پیج پر بخط جلی مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے لئے حضور پُر نور اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ مرقوم ہے۔ اور صفحہ ۲، ۳/ و صفحہ ۱۰ پر اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صفحہ ۲۷/ پر حضور پُر نور قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیخ الاسلام والمسلمین لکھا گیا ہے۔ اور یہ حضور پُر نور اعلیٰ حضرت قبلہ اور رضی اللہ تعالےٰ عنہ صحابہ کرام تو کیا تابعین میں سے بھی کسی کے لئے نہیں لکھے گئے بلکہ ابوالحسنات مولانا سیّد محمد احمد قادری صدر جمیعتہ العلمائے پاکستان اور ان کے والد بزرگوار کے پیر و مرشد کے لئے لکھے گئے ہیں۔

پس کیا مؤلف محاسبہ و مؤلفین تبصرہ کے نزدیک ان الفاظ و اصطلاحات کا استعمال صرف انکے اور ان کے ہم عقیدہ و ہم خیال لوگوں کے لئے جائز ہے اور باقی سب کے لئے ممنوع۔ اور اگر غیر انہیں استعمال کریں تو دلآزاری کا باعث ہوگا؟

---

[1] الیواقیت والجواہر جلد ا صفحہ ۶ | [2] ایضاً | [3] ایضاً صفحہ ۲ | [4] ایضاً صفحہ ۳

احمدی افسر

مؤلفین محاسبہ وتبصرہ لکھتے ہیں :-

''عدالت نے یہ بھی تسلیم کرلیا ہے کہ احمدی سرکاری افسر اور ملازم دوسروں کا مذہب تبدیل کراتے رہے ہیں۔'' [1]

رپورٹ کے الفاظ اس بارہ میں یہ ہیں :-

''احمدی افسروں اور عہدہ داروں کے متعلق صدر مقام کو اس اطلاع کا موصول ہونا بھی ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے بعض لوگوں کو احمدی فرقے میں داخل کیا۔ لیکن مرکزی حکومت کے سرکاری اعلان مورخہ ۱۴/اگست ۵۲ء کے بعد امام جماعت احمدیہ نے ایک ہدایت نامہ جاری کر کے ان تبلیغی سرگرمیوں کو روک دیا تھا۔'' [2]

اسی طرح رپورٹ میں ایک دوسرے مقام پر لکھا ہے :-

''احمدی افسروں نے لوگوں کو احمدی بنانے کی مہم میں از سرتا پا مصروف ہو جانا اپنا مذہبی فریضہ خیال کیا۔ ان کے اس رویہ کی وجہ سے احمدیوں کو اس امر کا حوصلہ ہوا کہ جہاں کہیں انہیں افسروں کی حمایت حاصل تھی یا حاصل ہونے کی توقع تھی وہاں اپنے مقصد کے حصول میں زور وشور سے مصروف ہو جائیں۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ اگر ضلع منٹگمری کا حاکم اعلیٰ احمدی نہ ہوتا تو احمدیوں کو ہرگز جرأت نہ ہوتی کہ غیر احمدی دیہات کے علاقے میں کھلم کھلا اپنے تبلیغی مشن پر روانہ ہو جاتے۔'' [3]

احمدی افسروں کے متعلق صدر مقام کو جو اطلاع موصول ہوئی اس کے متعلق تو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کون افسر تھے جنہوں نے خلافِ اصولِ احمدیت اپنی سرکاری پوزیشن کا ناجائز استعمال کر کے دوسروں کو احمدی فرقہ میں داخل کیا۔ لیکن حکومت پاکستان کے سرکاری اعلان کی توضیح میں چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے جو بیان دیا تھا اس میں انہوں نے پوزیشن کو واضح کر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا :-

''میں ان تعلیماتِ اسلامی کے مطابق جو قرآن مجید میں مندرج ہیں اور جن کا نمونہ رسول پاکؐ کی حیاتِ طیّبہ میں موجود ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے آزادیٔ ضمیر پر پُورا اعتقاد رکھتا ہوں۔ میرے خیال میں سرکاری اثر ونفوذ کا استعمال بھی براہ راست دباؤ یا تشدّد ہی کی مانند آزادیٔ ضمیر میں مداخلت کا حکم رکھتا ہے.....مَیں اس امر کو خلافِ دیانت اور خلافِ تعلیماتِ اسلامیہ سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص اپنے سرکاری عہدہ واختیار کو بالواسطہ یا بلاواسطہ استعمال کر کے اپنے مذہبی عقائد کو دوسروں پر زبردستی منڈھ دے یا اسی قسم کے اثر ونفوذ سے کام لے کر کسی شخص کو اس کے حقیقی عقائد کے ترک پر مجبور کرے۔ میں جس جماعت سے تعلق رکھتا ہوں اس میں اِس اصول کی وسیع تعلیم دی جاتی ہے اور اس کو مسلّمہ اصول سمجھا جاتا ہے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ اس جماعت کا کوئی فرد اس صحیح اور مفید اصول کی خلاف ورزی کر رہا ہے تو مجھے یقیناً بے حد حیرت اور انتہائی اذیت ہوگی۔.....اس معاملے کا ایک اَور پہلو بھی ہے۔ جس جماعت کے خلاف بعض حلقے، جو عظیم اکثریت ہونے کے دعویدار ہیں، برابر غلط بیانی اور جبر وظلم میں مصروف ہیں۔ اس جماعت کے ارکان اس قسم کے طور طریقے اختیار کر ہی نہیں سکتے۔ جب انہیں ایسی باتوں کے لئے اتہام، استہزاء اور نفرت کا نشانہ بنایا جا رہا ہے جو ان کے عقائد میں بھی شامل نہیں اور جن پر انہوں نے کبھی عمل بھی نہیں کیا تو پھر یہ کیونکر ہو

[1] محاسبہ صفحہ ۲۳ | [2] رپورٹ صفحہ ۲۱۰ | [3] رپورٹ صفحہ ۲۸۰

سکتا ہے کہ وہ ان طور طریقوں کو اختیار اور استعمال کرنا شروع کر دیں گے جو نہ صرف اسلام کے بلکہ عقل صحیح کے بھی خلاف ہیں۔ اور جن سے ان کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ پھر ایسی حالت میں وہ شدید سزا اور شدید مذمّت سے بچنے کی کیونکر توقع کر سکتے ہیں۔'' [1]

ڈپٹی کمشنر منٹگمری

فاضل ججوں نے ڈپٹی کمشنر منٹگمری کا جو احمدی تھے خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ اگر وہ وہاں حاکم اعلیٰ نہ ہوتے تو احمدیوں کو ہرگز یہ جُرأت نہ ہوتی کہ وہ غیر احمدی دیہات کے علاقے میں کھلم کھلا اپنے تبلیغی مشن پر روانہ ہو جاتے۔ ہم فاضل ججوں کی رائے کا پورا احترام کرتے ہوئے یہ ظاہر کر دینا ضروری خیال کرتے ہیں کہ چونکہ یہ امر عدالت میں موضوع بحث نہیں بنایا گیا اس لئے اس کا مالہ و ماعلیہ فاضل ججوں کے سامنے نہیں آ سکا۔ ورنہ دوسرے ضلعوں میں بھی جہاں غیر احمدی ڈپٹی کمشنر تھے اس یوم تبلیغ پر احمدی غیر احمدی دیہات میں تبلیغ کے لئے گئے تھے مثلاً :-

جماعت احمدیہ دھیرہ چک نمبر ۴۳۳ ضلع لائل پور میں افرادِ جماعت کے دو گروپ بنائے اور وہ علیحدہ علیحدہ گاؤں میں گئے۔

علی پور ضلع مظفر گڑھ میں جملہ احباب جماعت کے سات گروپ بنا کر اور ان کو ٹریکٹ وغیرہ دے کر ملحقہ دیہات میں بھیجا گیا۔ تمام احباب سارا دن تبلیغ میں مصروف رہے۔

گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ کی جاعت نے افرادِ جماعت کے دو گروپ بنائے۔ ایک گروپ زیر قیادت چوہدری عطاء اللہ صاحب اپنے گاؤں کے شمال مغرب کی طرف کوٹ گوندل، شیر پور، کوٹلی تارڑاں اور کوٹ مٹواں میں سے ہوتا ہوا تقریباً چار بجے بعد دوپہر فریضہ تبلیغ ادا کر کے واپس لوٹا۔

قلعہ صوبا سنگھ کی جماعت نے افراد جماعت کے آٹھ وفد بنا کر بارہ دیہات میں بھیجے۔ دیہاتی احباب نے دلچسپی سے تبلیغ کو سنا۔

اسی طرح قصور ضلع لاہور اور ڈیرہ اسماعیل خان کی جماعتوں نے کیا۔[2] لیکن کسی جگہ بھی فساد نہ ہوا۔ پس تحصیل اوکاڑہ میں فساد کا اصل باعث احرار کی وہ تقریریں تھیں جن میں بلا لحاظ قانون حد درجہ اشتعال انگیزی کی گئی تھی اور احمدیوں کے قتل کی ترغیب دلائی گئی تھی۔

''خونی مُلّا کے آخری دن''

اس عنوان کے ماتحت جو مضمون الفضل مورخہ ۱۵/جولائی ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا اور جسے فاضل ججوں نے اشتعال انگیز قرار دیا ہے کیونکہ اس میں مولانا احتشام الحق اور مولانا محمد شفیع جیسے علماء کا ذکر تحقیر آمیز پیرایہ میں کیا گیا ہے۔ یہ ایک احمدی دوست کا لکھا ہوا ہے اور محاسبہ اور تبصرہ کے مؤلفین نے خاص طور پر فاضل ججوں کے حوالے سے اس کے اشتعال انگیز ہونے کا ذکر کیا ہے مگر افسوس ہے کہ دونوں کتابوں کے مؤلفین نے رپورٹ سے اس مضمون کے متعلق فاضل ججوں کی مکمل رائے نقل نہیں کی اور اس کا یہ ضروری حصہ چھوڑ دیا ہے:-

''لیکن اِس مضمون کے متعلق ایک بات قابل ذکر ہے کہ یہ اس وقت لکھا گیا ہے جب آل پارٹیز کنونشن (کراچی) اور آل مسلم پارٹیز کنونشن (لاہور) اپنی اپنی مجلس عمل مرتب کر چکی تھی۔ ان میں پانچ مذکورہ بالا علماء بھی شامل تھے اور احمدیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دلانے کی مہم کا آغاز کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا یہ مضمون جذبہ انتقام کے ماتحت لکھا گیا تھا۔'' [3]

کیا دیانتداری کا تقاضا نہ تھا کہ مؤلفین محاسبہ و تبصرہ اس مضمون کے متعلق فاضل ججوں کی رائے کے اس حصہ کا بھی ذکر کرتے جس میں فاضل ججوں نے اس مضمون کے لہجہ کی شدت کی اصل وجہ جذبہ انتقام قرار دیا ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ علماء احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کر رہے تھے۔

---

[1] رپورٹ صفحہ ۱۲۹-۱۳۰ | [2] ملاحظہ ہو الفضل ۲۷/اکتوبر ۱۹۵۰ء | [3] رپورٹ صفحہ ۲۱۱

علاوہ ازیں جیسا کہ فاضل ججوں نے بھی رپورٹ میں اشارہ کیا ہے مضمون نگار نے ''مُلّا کی موت'' سے قائداعظم مرحوم کے اصولِ اتحاد کی فتح مراد لی ہے چنانچہ اس مضمون میں قائداعظم کا یہ اصول (وہ تمام لوگ جو اپنے آپکو مسلمان کہتے ہیں اور جن کو اغیار مسلمان سمجھ کر ان سے یکساں سلوک کرتے ہیں ایک ہی محاذ پر جمع ہو جائیں) پیش کر کے لکھا ہے :-

''جب یہ اصول تمام دُنیا میں پھیل جائے گا اور اچھی طرح جڑ پکڑ جائے گا تو خونی مُلّا آپ اپنی موت مر جائے گا۔ اسی طرح جس طرح مصر کا سرکاری مُلّا مفتی الشیخ حسنین مخلوف اپنی موت آپ ہی مر گیا ہے اسی طرح پاکستان کا خونی مُلّا بھی اپنی موت آپ مرنے کے لئے کھڑا ہو گیا ہے۔ مفتی مصر بھی پاکستان کے ذریعہ ہی مرا ہے اور یہ تمام مُلّا بھی پاکستان کے ذریعہ ہی مریں گے کیونکہ اتحاد کا اصول پاکستان کا بنیادی اصول ہے اور یہی اصول مُلّا کی موت کا پیغام ہے۔''

دوسری قابل اعتراض تقریریں

فاضل ججوں نے احمدیوں کے خلاف دوسری جماعتوں کی اس شکایت کا بھی ذکر کیا ہے کہ وہ احمدیہ عقائد کی تبلیغ کے لئے جارحانہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں اور اسی شکایت کے سلسلے میں تین تقریروں کا حوالہ دیا گیا ہے:-

(۱) چودھری ظفر اللہ خاں کی تقریر جو انہوں نے ۱۸ر مئی ۱۹۵۲ء کو جہانگیر پارک کراچی میں کی۔

(۲) مرزا بشیر الدین محمود احمد کی کوئٹہ والی تقریر جو الفضل ۱۳ر اگست ۱۹۴۸ء میں شائع ہوئی۔

(۳) ان کا وہ خطبہ جو ۱۹۵۱ء کے کرسمس میں انہوں نے صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے سالانہ اجلاس میں دیا تھا اور جو الفضل مؤرخہ ۱۶ر جنوری ۱۹۵۲ء میں شائع کیا گیا تھا۔ اس خطبہ میں انہوں نے اپنے پیروؤں سے پُر زور اپیل کی تھی کہ اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو تیز کر دیں تا کہ جو لوگ اب تک منکر رہے ہیں وہ ۱۹۵۲ء کے آخر تک احمدیت کی آغوش میں آ جائیں۔

(۴) ایک اور خطبے کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو الفضل مؤرخہ ۱۱ر جنوری ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا تھا اور جس میں احمدیوں کو ترغیب دی گئی تھی کہ صرف ایک محکمے یعنی فوج ہی میں جمع نہ ہو جائیں بلکہ تمام دوسرے محکموں میں بھی پھیل جائیں۔ [1]

یہاں تو فاضل ججوں نے دوسرے مسلمانوں کی احمدیوں کے خلاف شکایات درج کی ہے البتہ دوسری جگہ نمبر ۲-۳ کے متعلق اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ یہاں ہم نمبر وار ان چاروں حوالوں کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں کیونکہ دونوں کتابچوں یعنی محاسبہ اور تبصرہ میں ان کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

(۱) چودھری ظفر اللہ خان صاحب کی تقریر کے متعلق مؤلف محاسبہ لکھتے ہیں :-

''اس تقریر کا اور اس سے پیدا ہونے والے ہیجان اور ہنگاموں کا جامع تذکرہ فاضل جج صاحبان کی طرف سے کسی قسم کے تبصرے کے بغیر موجود ہے۔'' [2]

رپورٹ میں جہاں اس تقریر کا ذکر کیا گیا ہے وہاں اس تقریر کا لب لباب بھی دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے :-

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۱۳ | [2] محاسبہ صفحہ ۲۶

''چودھری ظفر اللہ خاں نے اس عنوان پر تقریر کی کہ 'اسلام زندہ مذہب ہے'۔ایک عالمگیر مذہب کی حیثیت سے اسلام کی برتری اور ختمیت کے مسئلہ پر یہ ایک فاضلانہ تقریر تھی۔مقرر نے واضح کیا قرآن آخری الہامی کتاب ہے جس میں عالم انسانیت کے لئے آخری ضابطہ حیات مہیّا کیا گیا ہے۔کوئی بعد میں آنے والا ضابطہ اس کو منسوخ نہیں کرسکتا۔پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّن ہیں جنہوں نے عالم انسانی کو آخری پیغام پہنچایا۔'' ۱

یہ ہے چودھری ظفر اللہ خاں صاحب کی تقریر کا خلاصہ جو فاضل ججوں نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے اور اس تقریر پر ہنگامہ اور فساد برپا کیا گیا۔

اور صرف اسی دن نہیں بلکہ رپورٹ سے ظاہر ہے کہ ۱۷ مئی کے جلسہ میں بھی گڑبڑ پیدا کرنے کی غرض سے حاضرین پر پتھر پھینکے گئے۔پندرہ کانسٹبلوں کے چوٹیں آئیں۔بلوائیوں کا ایک گروہ شیزان ہوٹل جس کے مالک احمدی ہیں پہنچا۔اس کی کھڑکیوں کے شیشے توڑ ڈالے۔عمارت کو آگ لگانے کی کوشش کی۔اسی طرح احمدیہ فرنیچر کی دکان کو بھی آگ لگانے کی کوشش کی۔بلوائیوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ ہم احمدیوں کا جلسہ نہیں ہونے دیں گے۔اسی لئے ان بلووں کے بعد چیف کمشنر کراچی نے ایک کانفرنس منعقد کی جس میں انہوں نے اپنی انتظامی پالیسی کی یہ تصریح کی کہ :-

''پاکستان کے ہر شہری کو مذہبی عقائد کی آزادی حاصل ہے اور اگر آئندہ اس آزادی میں مداخلت کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔'' ۲

اور اخبار جنگ کراچی نے لکھا کہ کمشنر نے کہا :-

''ہجوم کا رویہ بہت قابل اعتراض تھا اور وہ اپنے اس رویہ کا کوئی جواز پیش نہیں کرسکتے۔یہ ضروری ہے کہ ہر پاکستانی کو قانونی حد میں رہتے ہوئے اپنے مذہبی اعتقادات پر عمل کرنے کی پوری آزادی حاصل ہے۔''

کمشنر نے بتایا کہ :-

''ان کے جلسے سے کئی روز قبل اس قسم کے تار آئے تھے کہ جلسے میں گڑبڑ ہوگی۔مسٹر نقوی نے کہا کہ غنڈوں اور کرایہ کے آدمیوں کے ذریعہ ہنگامہ کرایا گیا۔'' ۳

اسی طرح ڈان مورخہ ۲۰ مئی ۵۲ء وسندھ آبزرور ۲۰ مئی ۵۲ء، سول ملٹری گزٹ کراچی ۱۹ مئی ۵۲ء وغیرہ اخبارات نے اس ہنگامہ کی سخت مذمّت کی اور ان کے فعل کو غیر مہذبانہ اور غیر شریفانہ قرار دیا اور پاکستان میں ہر فرقہ کو جو آزادی کا حق حاصل ہے اس کی حمایت کی۔

پس حقیقت یہ ہے کہ احمدیوں کے اس جلسہ میں فساد کرنے والے عوام جن کی پشت بنا ہی علماء کررہے تھے، موردِ الزام تھے۔

(۲) کوئٹہ والے خطبہ میں جو ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء کے الفضل میں شائع ہوا ہے جماعت کو تبلیغ کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔آپ فرماتے ہیں :-

''خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس زمانہ میں لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا ہے اور آپ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ آپ کی تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیگا۔'' ۴

اس سے ثابت ہوا کہ امام جماعت احمدیہ نے اس خطبہ میں کوئٹہ کو تبلیغ کی اہمیت بتاتے ہوئے بلوچستان میں تبلیغ کی طرف خاص توجہ دلائی ہے۔اور خطبہ میں جو (Base) کا ذکر آیا ہے جس کو باعثِ اشتعال بنایا گیا ہے اس سے تبلیغی (Base) مراد ہے۔

---

۱ رپورٹ صفحہ ۷۷ | ۲ رپورٹ صفحہ ۷۸ | جنگ کراچی ۲۱ مئی ۱۹۵۲ء | ۴ الفضل ۱۳ اگست ۴۸ء صفحہ ۴ کالم ۳

چنانچہ خطبہ میں تبلیغ کی وسعت کو مدّنظر رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا ہے :-

''تبلیغ اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک ہماری بیس (Base) محفوظ نہ ہو۔بیس (Base) محفوظ ہوتو پھر تبلیغ پھیلتی ہے۔ پہلے اپنی بیس (Base) بنالو کسی ملک میں ہی بنالو۔''

چنانچہ یہی Base کا لفظ آپ تقسیم ہند سے قبل بھی استعمال کرتے رہے۔آپ نے ایک تقریر میں فرمایا :-

''ہم نے ہندوستان کو تبلیغ اسلام کیلئے (Base) بنانا ہے۔خدا کرے ہندوستان کے مسلمانوں میں بیداری پیدا ہوجائے اور وہ احمدی ہوجائیں تو ہم تھوڑے عرصہ میں ہندوستان کو اپنا Base بنانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔کیونکہ اس وقت تو ہماری تھوڑی سی جماعت کیلئے اتنی بڑی آبادی کو تبلیغ کرنا ایک وقت چاہتا ہے لیکن ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان احمدی ہوجائیں تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ ایک احمدی کے حصہ میں تین ہندو تبلیغ کے لئے آئیں گے۔'' [1]

(۳) مندرجہ ذیل حوالہ کو بھی فاضل ججوں نے حضرت امام جماعت احمدیہ کی طرف منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ :-

''اسی طرح جب انہوں نے اپنے پیروؤں کو یہ ہدایت کی کہ تبلیغ احمدیت کے پروپیگنڈہ کو تیز کردیں تا کہ ۱۹۵۲ء کے آخر تک پوری مسلم آبادی احمدیت کی آغوش میں آجائے تو گویا مسلمانوں کو تبدیل مذہب کے متعلق سرگرمیوں کا کھلا نوٹس دیدیا۔'' [2]

اس کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ فاضل ججوں کے نوٹس میں یہ امر نہیں آیا کہ یہ نوٹ حضرت امام جماعت احمدیہ کا نہیں ہے۔گو مولانا مودودی صاحب نے اپنے تحریری بیان میں اس حوالہ کا ذکر ایسے رنگ میں کیا ہے کہ حضرت امام جماعت احمدیہ کا سمجھا جائے۔ہم نے ان کے تحریری بیان کے جواب میں جو عدالت میں داخل کردیا گیا تھا لکھ دیا تھا :-

''مولانا مودودی صاحب نے الفضل ۱۶/جنوری ۵۲ء کے الفضل سے جو حوالہ پیش کیا ہے وہ احمدی نوجوانوں کی مجلس کے مہتمم تبلیغ کے ایک نوٹ سے ماخوذ ہے جس میں نوجوانوں کو تبلیغ کے لئے ترغیب دلائی گئی ہے اور لکھا ہے کہ انہیں تبلیغی فریضہ کو ایسے رنگ میں ادا کرنا چاہیئے کہ کثرت سے لوگ احمدیت میں داخل ہوجائیں اور مخالف محسوس کرنے لگیں کہ احمدیت مٹائی نہیں جاسکتی۔اور ظاہر ہے کہ اس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو لوگوں کے لئے اشتعال یا تشویش کا باعث ہو۔ہر جماعت اپنی جماعت کو بڑھانے کے لئے جائز کوشش کرسکتی ہے۔''

اپنے آپ کو حق پر سمجھنے والی ہر جماعت یہ کہا کرتی ہے کہ حق دنیا میں پھیلے گا اور لوگ اسے قبول کریں گے۔قرآن مجید کی مکّی سورتوں میں فتح اور غلبہ کی پیشگوئیاں موجود ہیں اور **جاء الحقّ و زھق الباطل انّ الباطل کان زھوقاً** مکّی آیت ہے جس کے معنے ہیں کہ حق آگیا اور باطل شکست کھا کر بھاگ گیا اور باطل تو ہمیشہ سے بھگوڑا ہے۔

قابل اعتراض بات تو صرف یہ ہے کہ آیا کوئی جماعت اپنے عقائد کی اشاعت کے لئے جبر و اکراہ اور تشدد کو تو استعمال نہیں کرتی۔

(۴) یہ حوالہ بھی مولانا مودودی صاحب نے اپنے تحریری بیان میں لکھا تھا جس کا یہ جواب دیا گیا تھا :-

''اس خطبہ میں جماعت کی اقتصادی بہبودی اور جماعت میں مختلف علوم وفنون کے ماہرین پیدا کرنے اور مختلف محکموں میں اپنے

---

[1] الفضل ۱۲/اپریل ۱۹۴۷ء صفحہ ۳ کالم ۲ | [2] رپورٹ صفحہ ۲۸۰

حقوق محفوظ کرنے اور مخالفین کے شر سے بچنے کے لئے جماعت کو توجہ دلائی گئی ہے۔

اور اس خطبہ میں نوجوانوں کو بھیڑ چال کی طرح ایک ہی محکمہ میں چلے جانے سے منع کیا تھا تا دوسروں کو ان پر اعتراض کا موقع نہ ملے۔''

تنظیم کی شکایت

ایک شکایت یہ کی گئی ہے کہ ''احمدی متحد و منظّم جماعت ہیں۔ان کا صدر مقام ایک خالص احمدی قصبے میں واقع ہے جہاں ایک مرکزی تنظیم واقع ہے[1]'' اسی شکایت کے متعلق فاضل جج لکھتے ہیں :-

''احمدی اس تنظیمی بندوبست کو اس بناء پر جائز ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہر جماعت جس کے سامنے ایک قطعی مقصد حکمت عملی اور لائحہ عمل موجود ہے اس کو حق حاصل ہے کہ اپنے معاملات کو اپنے طریقے پر منظّم کرے تا کہ بہترین نتائج پیدا ہوں۔'' [2]

مؤلف محاسبہ نے تنظیم کے متعلق اپنے کتابچہ میں شکایت کے الفاظ دُہرا دیئے ہیں جو رپورٹ میں فاضل ججوں نے درج کئے ہیں اور مؤلفین تبصرہ نے اس شکایت کا اس لئے ذکر نہیں کیا کہ خود انکی اپنی تنظیم موجود ہے۔ان کی تنظیم میں امیر کا مقام یہ ہے۔مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں:-

''آپ کو معلوم ہے کہ جس نظریئے پر جماعت اسلامی کی تشکیل ہوئی ہے اس کی رُو سے تمام معروف کاموں میں بالخصوص امیر جماعت یا اپنے مقامی امیر کے احکام ومنشاء سے بے اعتنائی برتنا ویسا ہی گناہ ہے جیسے کہ خدا اور رسول کے احکام ومنشاء سے بے اعتنائی برتنے کا گناہ ہوتا ہے۔وہ امیر شرعی اور آپ کے لیڈر کی حیثیت رکھتے ہیں۔انجمن کے صدر نہیں جنہیں محض انجمن کے انتظامی کاموں کے لئے ان پر چُن لیا گیا۔'' [3]

فرقان بٹالین

جب جنگ کشمیر کو پاکستان کی موت وحیات کا سوال خیال کیا جا رہا تھا اور مولانا مودودی صاحب پاکستانیوں کے لئے جنگ کشمیر میں حصہ لینا اَز رُوئے شریعت حرام قرار دے رہے تھے۔ان حالات میں جماعت احمدیہ نے کشمیر کے محاذ پر لڑنے کے لئے ایک بٹالین تیار کر کے دی جس کی ٹریننگ پاکستانی فوج کے افسروں کے ذریعہ ہوئی اور کشمیر کی لڑائی ختم ہونے پر کمانڈر انچیف نے فرقان بٹالین کے ممبروں کو فارغ کرتے ہوئے اِن الفاظ میں ان کے شاندار کام کی تعریف کی :-

''کشمیر محاذ کا ایک حصہ آپ کے سپرد کیا گیا اور آپ نے تمام توقعات کو پورا کر دکھایا جو اس ضمن میں آپ سے کی گئی تھیں۔دشمن نے ہوا سے اور زمین سے آپ پر شدید حملے کئے لیکن آپ نے ثابت قدمی اور اولوالعزمی سے اس کا مقابلہ کیا اور ایک انچ زمین اپنے سے نہ جانے دی۔آپ کے انفرادی اور مجموعی اخلاق کا معیار بہت بلند تھا اور تنظیم کا جذبہ بھی بہت قابل تعریف۔اب جبکہ آپ کا مشن مکمل ہو چکا ہے اور آپ کی بٹالین تخفیف میں لائی جا رہی ہے۔میں اس قابل قدر خدمت کی بناء پر جو آپ نے وطن کی سرانجام دی ہے آپ میں سے ہر ایک کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔''

چونکہ احراری اور مولانا مودودی صاحب کے ہم عقائید پاکستان کے دل سے مخالف ہیں اس لئے ان کا فرقان بٹالین کو موردِ اعتراض اور جائز شکایت قرار دینا طبعی امر ہے۔

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۱۱ | [2] رپورٹ صفحہ ۲۱۱ | [3] روداد جماعت اسلامی حصہ چہارم صفحہ ۵۱

رشتہ ناطہ، نماز و مسئلہ تکفیر

ایک شکایت غیر احمدیوں نے یہ کی کہ احمدی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ یا ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے یا اپنی لڑکیاں ان کو نکاح میں نہیں دیتے اور یہ کہ دوسرے مسلمانوں کو ایسا کافر سمجھتے ہیں جو دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ رشتہ ناطہ اور نماز کے متعلق فاضل ججوں نے رپورٹ میں احمدیوں کا یہ موقف لکھا ہے :-

''کہ غیر احمدیوں کے ساتھ لڑکی کا نکاح ہمارے نزدیک کالعدم یا ناجائز نہیں ہے لیکن لڑکی کے مفاد کے پیش نظر اس کے والدین کو یہی مشورہ دیا جاتا ہے کہ اس کے لئے اپنی جماعت میں شوہر تلاش کریں۔ اس سلسلے میں دوسرے فرقوں اور جماعتوں کی مثالیں دی گئی ہیں جو اسی طریق پر عمل کرتی ہیں۔ مسلمانوں کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کے الزام کا جواب بھی یہی دیا جاتا ہے کہ دوسرے فرقے بھی اسی امتیاز پر عامل ہیں۔'' [1]

رضا خانیوں، دیوبندیوں اور شیعوں اور سُنّیوں نے تو ایک دوسرے کو کافر اور مرتد قرار دے کر یہ لکھا ہے کہ ان کے نکاح باطل اور ان کی اولاد حرام کی اولاد ہوگی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے متعلق کفو کی شرط لگائی ہے اور کفو کے لئے جس طرح ظاہری حالات کو دیکھا جاتا ہے اسی طرح افکار و نظریات میں وحدت اور یگانگت کو دیکھنا بھی ضروری ہے۔

ہم تحقیقاتی کمیشن کے ''سات سوالوں کا جواب'' اور ''مولانا مودودی صاحب کے تحریری بیان پر تبصرہ'' اور اسی طرح ''مسئلہ وحی و نبوت کے متعلق اسلامی نظریہ'' میں ان تمام امور کے متعلق تفصیل سے اپنا موقف بیان کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ علماء سالہا سال تک احمدیوں کے متعلق یہ فتویٰ شائع کرتے رہے کہ انکی نماز جنازہ ادا نہ کی جائے اور نہ صرف یہ کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے بلکہ ان کو اپنے پیچھے بھی نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی جائے۔ ان سے رشتہ ناطہ اور سلام و کلام اور میل ملاقات حرام ہے۔ کیا یہ جائے تعجب نہیں کہ جنہوں نے سینکڑوں بار ایسے فتوے شائع کیئے وہ احمدیوں کے متعلق اس قسم کی شکایت کریں۔

تکفیر

اسی طرح علماء نے حضرت بانی جماعت احمدیہ اور احمدیوں کو کافر اور مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے کے فتوے دیئے اور حضرت بانی جماعت احمدیہؑ نے نہ ایک بار بلکہ بار بار لکھا کہ :-

''اے لوگو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور مجھے یہ مت کہو کہ تو مسلمان نہیں۔ اور اس خدا سے ڈرو کہ جس کے سامنے ایک دن تم نے پیش ہونا ہے۔'' [2]

لیکن علماء تکفیر سے باز نہ آئے اور دعویٰ پر کئی سال گذرنے کے بعد آپ نے حسب ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کافر کہنے والوں کو ان کے فعل کے مناسب حال جواب دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

''ایّما رجل مسلم کفّر رجلاً مسلماً فان کان کافراً و الّا کان ھو الکافر۔'' [3]

یعنی ایک مسلمان مرد کو کافر کہنے والا مسلمان خود کافر ہو جاتا ہے۔

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۱۱-۲۱۲ | [2] ازالہ اوہام صفحہ ۲ | [3] ابوداؤد جلد ۲ کتاب السنۃ

علاوہ ازیں حضرت بانیٔ جماعت احمدیہؑ نے ۲۶ر فروری ۱۸۹۹ء کو ایک اعلان اپنی جماعت کے نام لکھا کہ :-

''کسی کے دل کو ان الفاظ سے دُکھ نہ دیں کہ یہ کافر ہے یا دجّال ہے یا کذاب ہے یا مفتری ہے۔ ہم نے ضمیمہ انجام آتھم کے صفحہ ۲۷ میں شیخ محمد حسین اور اس کے گروہ سے یہ بھی درخواست کی تھی کہ وہ سات سال تک اس طور سے ہم سے صلح کر لیں کہ تکفیر اور تکذیب اور بدزبانی سے مُنہ بند رکھیں اور انتظار کریں کہ ہمارا انجام کیا ہوتا ہے لیکن اس وقت کسی نے ہماری یہ درخواست قبول نہ کی۔ اور نہ چاہا کہ کافر اور دجّال کہنے سے باز آجائیں۔ یہاں تک کہ عدالت کو اب امن قائم رکھنے کے لئے وہی طریق اختیار کرنا پڑا جس کو ہم صلح کاری کے طور سے چاہتے تھے۔'' [1]

پس حضرت بانیٔ جماعت احمدیہؑ کی یہی کوشش رہی کہ آپس میں ایک دوسرے کو کافر و دجال کہنے سے اجتناب کیا جائے۔ ۱۹۱۰ء کے بعد جماعتِ احمدیہ میں باہم اختلاف پیدا ہو گیا اور احمدیوں کی اصطلاحات کو مدّنظر رکھتے ہوئے جماعت احمدیہ ہی کے ایک حصہ کو مخاطب کر کے کفر و اسلام کے متعلق خیالات کا اظہار کیا گیا۔ اور یہ الفاظ درحقیقت مسلمانوں کی عام مروجہ اصطلاح کے معنوں میں استعمال نہیں کئے گئے تھے۔ اور یہ گفت و شنید بھی ۱۹۲۲ء تک ختم ہو گئی۔ ۱۹۲۲ء کے بعد اگر کوئی تحریر شائع ہوئی ہے تو وہ صلح کی تائید میں ہوئی ہے۔ چنانچہ امام جماعت احمدیہ کی طرف سے ایک تحریر **ریویو آف ریلیجنز** اُردو جولائی ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی جس کے الفاظ یہ ہیں :-

''جو شخص غیر احمدیوں کو کافر، یہودی اور جاہل بلاضرورت کہتا پھرتا ہے وہ درحقیقت شریعت کا مجرم اور فتنہ انگیز ہے۔ اگر غیر احمدی اسکے نزدیک کافر ہیں تو اسکو یہ کہاں سے حق حاصل ہو گیا کہ وہ ان کو کافر کہتا پھرے..... بلاوجہ اور بے ضرورت اس قسم کے مضامین اخبار میں نکالنا اور زبانی کہتے پھرنا واقعہ میں فتنہ کا موجب ہے اور اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو میں اُسکو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے اخلاق کو درست کرے ورنہ وہ خدا کے نزدیک گنہگار ہے۔''

اسی طرح یکم مئی ۱۹۳۵ء کو آپ کا ایک خطبہ الفضل میں چھپا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :-

''اب بھی ہمیں کس طرح بار بار ان کی طرف سے کافر کہا جاتا ہے اور اخبارات میں لکھا جاتا ہے کہ احمدی کافر ہیں۔ ہم تو کہتے ہیں جو کسی کو بلاوجہ کافر کہتا ہے وہ اسکی دلآزاری کرتا ہے۔''

اور اسی خطبہ میں آپ نے یہ بھی وضاحت سے بتا دیا کہ ہماری طرف سے جب کبھی کفر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ ان معنوں میں نہیں کہ ایسا شخص غیر مسلم ہو جاتا ہے بلکہ ان معنوں میں کہ وہ کامل مسلم نہیں۔ آپ نے فرمایا :-

''ہم میں اور ان میں تو کفر کی تعریف میں اختلاف بھی بہت سا پایا جاتا ہے۔ یہ لوگ کفر کے معنے سمجھتے ہیں اسلام کا انکار، حالانکہ ہم یہ معنے نہیں کرتے اور نہ کفر کی یہ تعریف کرتے ہیں۔ ہم تو سمجھتے ہیں کہ اسلام کے ایک حد تک پائے جانے کے بعد انسان مسلمان کے نام سے پکارے جانے کا مستحق سمجھا جا سکتا ہے لیکن جب وہ اس مقام سے نیچے گر جاتا ہے تو گو وہ مسلمان کہلا سکتا ہے مگر کامل مسلم اسے نہیں سمجھا جا سکتا۔''

پس جہاں کہیں حضرت امام جماعت احمدیہ کی تحریرات میں یہ لکھا ہے کہ غیر احمدی مسلمان نہیں تو اس سے کامل مسلمان ہونے کی نفی مراد ہے نہ یہ کہ

---

[1] تبلیغ رسالت جلد ہشتم

وہ قومی لحاظ سے بھی (جبکہ وہ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں) مسلمان نہیں۔

دائرہ اسلام سے خارج ہونیکا مطلب

عدالت نے حضرت امام جماعت احمدیہ سے یہ سوال کیا تھا :-

سوال- ''کیا آپ اب بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں جو آپ نے کتاب آئینہ صداقت کے پہلے باب میں صفحہ ۳۵ پر ظاہر کیا تھا یعنی یہ کہ تمام وہ مسلمان جنہوں نے مرزا غلام احمد صاحب کی بیعت نہیں کی خواہ انہوں نے مرزا صاحب کا نام بھی نہ سنا ہو وہ کافر ہیں اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں؟''

جواب- آپ نے اس کا یہ جواب دیا :- ''یہ بات خود اس بیان سے ظاہر ہے کہ میں ان لوگوں کو جو میرے ذہن میں ہیں مسلمان سمجھتا ہوں۔ پس جب میں ''کافر'' کا لفظ استعمال کرتا ہوں تو میرے ذہن میں دوسری قسم کے کافر ہوتے ہیں۔''

دائرہ اسلام سے خارج ہونیکا مطلب :-معزز عدالت نے حضرت امام جماعت احمدیہ سے ''آئینہ صداقت'' کے اس حوالے کے متعلق جس میں حضور نے غیر احمدیوں کیلئے خارج از اسلام کی اصطلاح استعمال کی ہے دریافت کیا تھا۔ کیا آپ اب بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں؟ آپ نے اس کا یہ جواب دیا تھا:-

''یہ بات خود اس بیان سے ظاہر ہے کہ میں ان لوگوں کو جو میرے ذہن میں ہیں مسلمان سمجھتا ہوں۔ پس جب میں کافر کا لفظ استعمال کرتا ہوں تو میرے ذہن میں دوسری قسم کے کافر ہوتے ہیں جنکی میں پہلے ہی وضاحت کر چکا ہوں یعنی وہ جو ملّت سے خارج نہیں۔ جب میں کہتا ہوں کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں تو میرے ذہن میں وہ نظریہ ہوتا ہے، جس کا اظہار کتاب مفرداتِ راغب کے صفحہ ۲۴۰ پر کیا گیا ہے جہاں اسلام کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک دون الایمان اور دوسرے فوق الایمان۔ دون الایمان میں وہ مسلمان شامل ہیں جن کے اسلام کا درجہ ایمان سے کم ہے۔ فوق الایمان میں ایسے مسلمانوں کا ذکر ہے جو ایمان میں اس درجہ پر ممتاز ہوتے ہیں کہ وہ معمولی ایمان سے بلند تر ہوتے ہیں۔ اسلئے جب میں نے یہ کہا تھا کہ بعض لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہیں تو میرے ذہن میں وہ لوگ تھے جو فوق الایمان کی تعریف کے ماتحت آتے ہیں۔ مشکوٰۃ میں بھی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ظالم کی مدد کرتا اور اس کی حمایت کرتا ہے وہ اسلام سے خارج ہے۔''

یہ حدیث جس کا ذکر حضرت امام جماعت احمدیہ نے کیا وہ اوس بن شرجیل سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

''من مشیٰ مع ظالم لیقویه وهو یعلم انّه ظالم فقد خرج من الاسلام۔'' [1]

یعنی جو شخص ظالم کے ساتھ یہ علم رکھتے ہوئے کہ وہ ظالم ہے اسلئے چلتا ہے کہ وہ اس کو تقویت پہنچائے تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔

اسی طرح ابن ماجہ نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبِ بدعت کے متعلق فرمایا :-

''یخرج من الاسلام کما تخرج الشعرة من العجین۔'' [2]

کہ وہ اسلام سے ایسے خارج ہو جاتا ہے جیسے کہ بال آٹے سے علیحدہ کیا جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ظلم یا ظالم کی حمایت کرنا بُری چیز ہے اور اسی طرح بدعت کا جاری کرنا بھی بُری بات ہے لیکن سب علماء متفق ہیں کہ ایک صاحب بدعت مسلمان اور ایک ظالم مسلمان غیر مسلم کافر نہیں بن جاتے بلکہ مسلمان ہی رہتے ہیں اسلئے لازمی طور پر یہی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حدیث میں **''فقد خرج**

---

[1] مشکوٰۃ باب الظلم | [2] ابن ماجہ صفحہ ۶ مطبوعہ مجتبائی دہلی

من الاسلام'' یعنی ''وہ اسلام سے خارج ہوگیا'' سے مراد حقیقی اسلام کے دائرہ سے باہر ہوجانا ہے نہ کہ عام دائرہ اسلام سے نکل کر غیر مسلم کافروں میں شامل ہوجانا۔ اور حضرت امام جماعت احمدیہ نے بھی انہی معنوں میں یہ الفاظ استعمال فرمائے اور احمدیہ لٹریچر میں غیر احمدیوں کے متعلق کفر کا لفظ ان معنوں میں ہرگز استعمال نہیں کیا گیا کہ وہ ملّت اسلامیہ سے خارج ہیں بلکہ سارا احمدی لٹریچر اس امر کا شاہد ہے کہ ہمیشہ مسلمانوں کو مسلمان کہہ کر پکارا جاتا رہا۔ احمدیوں کے غیر احمدی رشتہ دار اور اہل قریہ اور اہل شہر اس امر کے کافی شاہد ہیں کہ احمدی ان سے بھائیوں کا سا معاملہ کرتے رہے اور کبھی انہوں نے انہیں غیر سلم نہیں سمجھا۔ اور سیاسی جدوجہد میں احمدیوں نے ہمیشہ مسلمانوں کا ساتھ دیا اور کبھی کانگرس یا ہندوؤں کا ساتھ نہیں دیا اور دس شرائط بیعت کی چوتھی شرط یہ رکھی کہ جماعت احمدیہ میں داخل ہونے والا یہ اقرار کرے کہ ''عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دیگا۔ نہ زبان سے، نہ ہاتھ سے، نہ کسی اَور طرح سے۔''

مسلمان کون ہے؟

ہمارے نزدیک مسلمان کی وہ تعریف جو اسلامی اتحاد کو قائم رکھ سکتی ہے، وہ ہے جو حضرت امام جماعت احمدیہ نے ۱۹۲۷ء میں بمقام شملہ اپنے لیکچر میں بیان کی تھی کہ :-

''جو فرقہ اپنے آپ کو مُسلم کہتا ہے اور قرآن مجید کی شریعت کو منسوخ قرار نہیں دیتا اس سے اتحاد کرلو'' [۱] یعنی وہ مسلمان ہے۔

اور مولانا مودودی صاحب کے نزدیک :-

''یہ انبوہ عظیم جس کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اسکے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں، نہ حق و باطل کی تمیز سے آشنا ہیں..... باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آرہا ہے۔'' [۲]

پھر مولانا مودودی صاحب ان نام کے مسلمانوں کو اہل کتاب جیسے ''نسلی مسلمان'' قرار دیتے ہیں۔ [۳]

اور اپنے متعلق لکھتے ہیں :-

''پس درحقیقت میں ایک نومسلم ہوں۔'' [۴]

پھر لکھتے ہیں :-

''ایک طرف تو آپ پُوری مسلمان قوم کو ''مسلمان'' کی حیثیت سے لے رہے ہیں جس کے ننانوے فیصدی افراد اسلام سے جاہل اور پچانوے فیصدی منحرف اور نوے فیصدی انحراف پر مصر ہیں یعنی وہ خود اسلام کے طریقہ پر چلنا نہیں چاہتے اور نہ اس منشاء کو پورا کرنا چاہتے ہیں۔'' [۵]

پھر جناب علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے موجودہ مسلمانوں کے متعلق اپنا خیال ان اشعار میں بیان فرمایا ہے کہ [۶]

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود — ہم یہ کہتے تھے کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود — یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود
یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو — تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

---

[۱] لیکچر شملہ صفحہ ۲۹ | [۲] مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم بار ششم صفحہ ۱۰۵ | [۳] ایضاً صفحہ ۱۲۲ | [۴] ایضاً صفحہ ۱۶ | [۵] رسل رسائل صفحہ ۴۲۶ بحوالہ ترجمان القرآن جولائی، اکتوبر ۱۹۴۴ء
[۶] بانگ درا ایڈیشن ۱۲ صفحہ ۲۲۶ جواب شکوہ

پھر صرف نام کے طور پر اسلام کے باقی رہنے کے متعلق مولانا حالی کا یہ شعر بھی لائق ملاحظہ ہے ؎

رہا دین باقی نہ اسلام باقی اِک اسلام کا رہ گیا نام باقی [1]

پھر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کمیونزم اور اسلام کا مقابلہ کرتے ہوئے مسلمانوں کے متعلق کہتے ہیں :-

''مقابلہ تو تب ہو کہ اسلام کہیں موجود بھی ہو۔ ہمارا اسلام! ہم نے اسلام کے نام پر جو کچھ اختیار کر رکھا ہے وہ تو صریح کفر ہے .....کیا یہی اسلام ہے جو نبی نے سکھایا تھا؟..... ہمارا تو سارا نظام کفر ہے ۔قرآن کے مقابلہ میں ہم نے ابلیس کے دامن میں پناہ لے رکھی ہے۔قرآن صرف تعویذ اور قسم کھانے کیلئے ہے۔'' [2]

علماء کے فتاویٰ نے کسی کو مسلمان ہی نہیں رہنے دیا

فاضل جج علماء کے فتاویٰ کفر کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

''شیعوں کے نزدیک تمام سُنّی کافر ہیں اور اہلِ قرآن یعنی وہ لوگ جو حدیث کو غیر معتبر سمجھتے ہیں اور واجب التعمیل نہیں مانتے متفقہ طور پر کافر ہیں۔اور یہی حال آزاد منکرین کا ہے۔اس تمام بحث کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ شیعہ، سُنّی، دیوبندی، اہلحدیث اور بریلوی لوگوں میں سے کوئی بھی مُسلم نہیں۔'' [3]

معاشرہ میں تلخی

مؤلفین تبصرہ نے اِن امور کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ اس سے :-

''مسلم معاشرے کے اندر ایک دوسرا منظّم معاشرہ پیدا ہوتا ہے۔اس کی توسیع سے خاندانوں اور برادریوں میں تفریق بھی بڑھتی جاتی ہے۔ایک ہی کنبے کے افراد میں شادی بیاہ بند ہوتا ہے۔ الخ'' [4]

ہمارا ساٹھ سال کا تجربہ ہے کہ دیہاتوں اور شہروں میں احمدی جن جن برادریوں سے تعلق رکھتے تھے احمدیت کی وجہ سے ان کے تعلقاتِ برادری میں کبھی فرق نہیں آیا۔اگر کوئی شاذ و نادر کے طور پر کوئی تلخی کا واقعہ ہوا بھی تو وہ محض مولویوں کی انگیخت پر ہوا۔ورنہ ان کے درمیان اختلاف افکار و خیالات تک ہی رہا اور ظاہری معاملات میں ان کا تعلق محبت و پیار اور حسنِ سلوک کا رہا۔

کیا مؤلفین تبصرہ کے لئے یہ زیبا تھا کہ وہ معاشرہ میں تلخی کا سوال اٹھاتے جبکہ خود ان کی جماعت کے عقائد و خیالات سے معاشرہ میں جو تلخی پیدا ہوتی ہے اس کی کیفیت مولانا مودودی صاحب نے یہ بیان کی ہے کہ ان کی جماعت میں داخل ہونے کے بعد ارکان جماعت کو اپنے اقرباء سے اور شوہروں کو اپنی بیویوں سے علیحدہ ہونا پڑا۔اور :-

''اِس بناء پر بعض والدین نے اپنے اکلوتے جگر گوشوں کو گھر سے باہر کر دیا.....بعض بے دین شوہروں نے اپنی بے گناہ بیویوں کو معلّق کر کے چھوڑ دیا۔'' [5]

---

[1] مسدّس حالی مطبوعہ تاج کمپنی صفحہ ۲۶ | [2] تقریر سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری آزاد ۹ر دسمبر ۱۹۴۹ء | [3] رپورٹ صفحہ ۲۳۶ | [4] تبصرہ صفحہ ۱۸۸ | [5] روداد جماعت اسلامی حصہ سوم صفحہ ۲۷

اِسی کتاب (روداد جماعت اسلامی حصہ سوم) کے صفحہ ۶۳ پر لکھتے ہیں :-

''اس مسلک کو عملاً اختیار کرتے ہی آدمی کا قریب ترین ماحول اس کا دشمن بن جاتا ہے۔ اس کے اپنے والدین، اس کے بھائی بند، اس کی بیوی اور بچے اور اس کے جگری دوست سب سے پہلے اس کے ایمان سے قوت آزمائی کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات اس مسلک کا پہلا اثر ظاہر ہوتے ہی آدمی کا اپنا گھوارہ جس میں وہ نازوں سے پلا تھا اس کے لئے زنبور خانہ بن کر رہ جاتا ہے۔''

اور افراد جماعت کے متعلق جماعت کو یہ نصیحت کرتے ہیں :-

''یہی آپ کے دوست ہوں، یہی آپ کے غمخوار ہوں، ان کے سوا دوسروں کے ساتھ آپ کا تعلق دوستی اور محبت کا نہ ہو۔'' [1]

---

[1] روداد جماعت اسلامی حصہ چہارم صفحہ ۱۱۹

حِصہ چھارم

(الف) علماء اور مُسلم کی تعریف
(ب) اِرتداد اور اس کی سزا

چونکہ چوہدری ظفر اللہ خان اور مملکت کی کلیدی آسامیوں سے دیگر احمدی عہدیداروں کی برطرفی کا مطالبہ اس بناء پر کیا گیا تھا کہ احمدی غیر مسلم ہیں۔ اسلئے تحقیقاتی عدالت نے یہ ضروری خیال کیا کہ علماء سے مسلم کی جامع و مانع تعریف دریافت کرے۔ چنانچہ فاضل جج لکھتے ہیں :-

''یہ مسئلہ بنیادی طور پر اہم ہے کہ فلاں شخص مسلم ہے یا غیر مسلم۔ ااور یہی وجہ ہے کہ ہم نے اکثر ممتاز علماء سے یہ سوال کیا کہ وہ ''مسلم'' کی تعریف کریں۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ اگر مختلف فرقوں کے علماء احمدیوں کو کافر سمجھتے ہیں تو ان کے ذہن میں نہ صرف اس فیصلے کی وجوہ بالکل روشن ہوں گی بلکہ وہ ''مسلم'' کی تعریف بھی قطعی طور پر کر سکیں گے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں شخص یا جماعت دائرہ اسلام سے خارج ہے تو اس پر لازم آتا ہے کہ دعویٰ کرنیوالے کے ذہن میں اس امر کا واضح تصور موجود ہو کہ ''مسلم'' کس کو کہتے ہیں۔ تحقیقات کے اس حصے کا نتیجہ بالکل اطمینان بخش نہیں نکلا۔ اور اگر ایسے سادہ معاملے کے متعلق بھی ہمارے علماء کے دماغوں میں اس قدر ژولیدگی موجود ہے تو آسانی سے تصور کیا جا سکتا ہے کہ زیادہ پیچیدہ معاملات کے متعلق ان اختلافات کا کیا حال ہوگا۔'' [1]

علماء نے معزز عدالت کے سوال پر ''مُسلم'' کی جو تعریف بتائی اسے درج کر کے فاضل جج لکھتے ہیں :-

''ان متعدد تعریفوں کو جو علماء نے پیش کی ہیں پیش نظر رکھ کر کیا ہماری طرف سے کسی تبصرے کی ضرورت ہے؟ بجز اس کے کہ دین کے کوئی دو (۲) عالم بھی اس بنیادی امر پر متفق نہیں ہیں۔ اگر ہم اپنی طرف سے مُسلم کی کوئی تعریف کر دیں جیسے کہ ہر عالم دین نے کی ہے اور وہ تعریف ان تعریفوں سے مختلف ہو جو دوسروں نے پیش کی ہیں تو ہم کو متفقہ طور پر دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جائے گا۔[2] اور اگر ہم علماء میں سے کسی ایک کی تعریف کو اختیار کر لیں تو ہم اس عالم کے نزدیک تو مسلمان رہیں گے لیکن دوسرے علماء کی تعریف کی رُو سے کافر ہو جائیں گے۔'' ❁

رپورٹ کی اس تحریر سے ہی ''مسلم'' کی تعریف متعین ہونیکی اہمیت و ضرورت ظاہر نہیں ہوتی بلکہ ہر صاحب فہم خود بھی یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ مسلم کی تعریف کا متعین ہونا یقیناً نہایت ہی اہم اور ضروری تھا کیونکہ جب تک ''مسلم'' کی تعریف متعین نہ ہو کسی فرد یا جماعت کے مسلم یا کافر ہونے کا فیصلہ کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ہر صاحب فہم کو اس امر سے اتفاق کئے بغیر بھی چارہ نہیں کہ جن علماء نے احمدیوں کی کلیدی آسامیوں سے برطرفی کا مطالبہ

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۳۱ | [2] رپورٹ صفحہ ۲۳۵ و صفحہ ۲۳۶

❁ مؤلفین تبصرہ اس پر طنزیہ رنگ میں لکھتے ہیں :- ''یہ بہت ہی اچھا ہوتا کہ ہمارے فاضل جج اپنی اس خاص تعریف کو اپنی اس رپورٹ میں بیان کر دیتے ..... اس سے نہ صرف علماء کو راہنمائی ملتی بلکہ علم و تحقیق کی دنیا میں نئی راہیں کُھل جاتیں۔'' تبصرہ صفحہ ۱۱۹

اس بناء پر کیا تھا کہ احمدی باوجود اپنے آپکو مسلم کہنے کے غیر مسلم ہیں ان کو قطعی طور پر مسلم کی جامع و مانع تعریف کا علم ہونا چاہیئے تھا جس کے ذریعے مسلم اور غیر مسلم میں یقینی طور پر فرق کیا جاسکتا ہو۔

مگر افسوس ہے کہ تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر محاسبہ اور تبصرہ کے مؤلفین نے اس بدیہی اور واضح بات کو بھی عام لوگوں پر مشتبہ کرنیکی پوری پوری کوشش کی ہے۔ مؤلف محاسبہ لکھتا ہے :-

''اگر وہ علمائے دین جن سے یہ سوال کیا گیا عدالت کے سامنے مسلم کی جامع و مانع تعریف پیش کرنے سے قاصر رہ گئے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں اچانک اس سوال کا سامنا پڑا۔'' [1]

مؤلف محاسبہ کے اس قول کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ وہ علماء، جن سے مسلم کی تعریف دریافت کی گئی تھی، کس درجہ کے علماء تھے۔ کیا اس درجہ کے تھے جن سے اس سوال کے جواب کی امید نہ کی جاسکتی ہو۔ یا اس درجہ کے جن سے ہر عاقل وفہیم کو اس سوال کے جواب کی پوری توقع ہو سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ دوسری بات بھی قابل لحاظ ہے کہ کیا ان علماء کو ''مسلم'' کی جامع و مانع تعریف کے سوال کا اچانک سامنا کرنا پڑا تھا۔ یا اس سے پہلے بھی اس سوال کو جانتے تھے۔ اور اپنے مناصب و مدارج کے لحاظ سے ان کا اس سوال کے جواب سے واقف ہونا نہایت ضروری تھا۔ اب ہم ان علماء کے اسماء درج کرتے ہیں جس سے عدالت نے ''مُسلم'' کی تعریف دریافت کی تھے اور وہ اسماء یہ ہیں :-

۱- مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری صدر جمیعۃ العلمائے پاکستان۔
۲- مولانا احمد علی صاحب صدر جمیعۃ العلمائے اسلام مغربی پاکستان۔
۳- مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی امیر جماعت اسلامی۔
۴- غازی سراج الدین صاحب منیر[2]۔
۵- مفتی محمد ادریس صاحب شیخ الحدیث جامعۂ اشرفیہ۔
۶- مولانا حافظ کفایت حسین صاحب (ادارہ تحفظ حقوق شیعہ)
۷- مولانا ابوالحامد صاحب بدایونی صدر جمیعۃ العلمائے پاکستان۔
۸- مولانا محمد علی صاحب کاندھلوی دارالشہابیہ سیالکوٹ
۹- مولانا امین احسن صاحب اصلاحی (جماعت اسلامی)

کیا ان علمائے فحول کے متعلق یہ کہنا درست ہوسکتا ہے کہ وہ اس لئے مسلم کی جامع و مانع تعریف کرنے سے قاصر رہے کہ تحقیقاتی عدالت کا سوال ان کے لئے غیر متوقع اور اچانک سوال تھا۔ ہر عاقل کے نزدیک ان علماء کو مُسلم کی جامع و مانع تعریف کا علم ہونا ضروری تھا۔

مرتد، کافر اور زندیق ہونے کے فتوے اس سے قبل یہ علماء صادر کر چکے تھے۔ کون خیال کرسکتا ہے کہ ایسے علماء کو اپنی تمام عمر میں کبھی مسلم کی تعریف معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی تھی۔ اور تحقیقاتی عدالت کا سوال ان کے لئے غیر متوقع اور اچانک سوال تھا جسے سُن کر وہ حیران و پریشان ہو گئے اور مُسلم کی جامع و مانع تعریف نہ کرسکے۔

---

[1] محاسبہ صفحہ ۳۸ | [2] ان میں سے غازی سراج الدین صاحب منیر کو جماعت اسلامی کے مؤلفین تبصرہ نے علماء کی فہرست سے خارج کر دیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ عالم نہیں ہیں (تبصرہ صفحہ ۵) گو وہ اپنے آپ کو سب علماء سے زیادہ عقلمند اور زیادہ عالم اور فلسفی خیال کرتے ہوں۔

اوّلاً۔علماء کو بحیثیت عالم ہونے کے ''مسلم'' کی جامع و مانع تعریف سے واقف ہونا چاہیئے تھا۔

ثانیاً۔کفر کے فتوے دیتے رہنے کی وجہ سے انہیں معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ ''مسلم'' کی جامع و مانع تعریف کیا ہے۔کیونکہ وہ اس سے پہلے خدا ہی جانے کتنی بار مختلف فرقہ ہائے اسلام کے حق میں غیر مسلم، کافر اور زندیق ہونے کے فتوے صادر کر چکے تھے۔

ثالثاً۔حضراتِ علماء حکومت سے ایک دعویٰ اسلام کرنیوالی جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کرنے اور اس کے منوانے کے لئے مدّت سے سرگرم کار تھے اور یہ امر بھی پکار رہا ہے کہ علماء کو ''مسلم'' کی جامع و مانع تعریف سے کماحقّہٗ واقف ہونے کی ضرورت تھی۔

پس مندرجہ بالا وجوہ کے پیش نظر نہ تو ''مسلم'' کی جامع و مانع تعریف کے متعلق عدالت کا سوال علماء کے لئے کوئی نیا سوال تھا اور نہ ان کو اچانک اس سوال کا سامنا کرنا پڑا۔ بلکہ بارہا یہ سوال ان کے سامنے آچکا تھا اور تحقیقاتی عدالت نے بھی ایک ہی دن سب علماء سے اس کے متعلق دریافت نہیں کیا تھا بلکہ علماء کی شہادت متعدد دنوں میں ختم ہوئی تھی اور ایک پر سوال ہونے سے باقی علماء کو تو اس سوال کا پتہ لگ گیا تھا۔پھر ان کے لئے یہ اچانک سوال کہاں ہوا۔

مؤلفینِ تبصرہ کی تنقید!

مؤلف محاسبہ تو یہ تسلیم کرتا ہے کہ علماء ''مسلم'' کی جامع و مانع تعریف کرنے سے اس لئے قاصر رہے کہ اُن سے یہ سوال اچانک کیا گیا تھا۔ مگر مؤلفین تبصرہ فاضل ججوں کو غلطی پر قرار دیتے ہیں جو انہوں نے علماء کے جوابات کے متعلق مندرجہ ذیل رائے ظاہر کی :-

''ہم یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ ہمیں یہ دیکھ کر بے انتہا افسوس ہوا کہ علماء جن کا پہلا فرض اس موضوع پر پختہ آراء کو قائم کرنا تھا مایوس حد تک باہم غیر متفق تھے۔[1] ''اور بقول مؤلفین تبصرہ ''مایوس کن حد تک باہم مختلف الرائے پائے گئے۔'' [2]

عدالت کی اس رائے کے جواب میں مؤلفین تبصرہ لکھتے ہیں :-

۱- ''ان حضرات کا نقطۂ نظر معلوم کرنے کے لئے ٹھیٹھ عدالتی جرح کا طریق اختیار کیا گیا..... جو علمی و نظریاتی مسائل کے طے کرنے کے لئے کافی اور مفید نہیں۔'' [3]

۲- ''واقعہ یہ ہے کہ دنیا کی شاید ہی کوئی معروف حقیقت ایسی ہو جس کی تعریف بیان کرنے میں اہل علم کے درمیان اختلاف نہ ہو۔'' [4]

مثلاً صحت اور مرض کی تعریف دریافت کی جائے تو دنیا بھر کے طبیبوں اور ڈاکٹروں میں سے ہر ایک کا بیان دوسرے سے مختلف ہو گا۔ ❁ اسی طرح ہر قانون دان وفاداری اور بغاوت کے متعلق اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کرے گا کہ دوسرے کے بیان سے وہ بالکل مطابق نہ ہوگا۔مگر یہ سب اختلافات زیادہ تر تعبیر کے اختلافات ہوتے ہیں۔

ایسا ہی حال مسلمان کی تعریف کا بھی ہے۔ایک ہی حقیقت کو مختلف اہل علم نے مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے۔ان کے درمیان حقیقت شے میں نہیں انداز بیان میں اختلاف ہے۔ [5]

❁ اوّل تو صحت و مرض کی تعریف کو ''مسلم'' کی تعریف پر قیاس کرنا درست نہیں ہے دوسرے تعریف میں اختلاف ایسا تو نہیں ہونا چاہیئے کہ صحت مرض بن جائے اور مرض صحت۔جیسا کہ ''مسلم'' کی تعریف بیان کرنے کی صورت میں ہوا ہے۔

[1] رپورٹ صفحہ ۲۲۰ | [2] تبصرہ صفحہ ۱۱۸ | تبصرہ صفحہ ۱۰۵ | [4] تبصرہ صفحہ ۱۱۹ | [5] تبصرہ صفحہ ۱۱۰

اس سے ظاہر ہے کہ مؤلفین تبصرہ کے نزدیک فاضل ججوں نے علماء کے بیانات سے ''مسلم'' کی تعریف کے متعلق جو نتیجہ اخذ کیا ہے غلط اور خلافِ واقعہ ہے۔ لیکن جہاں تک ہم نے غور کیا ہے، ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ فاضل ججوں نے جو کچھ اس ضمن میں لکھا ہے وہ بجا اور درست ہے۔ علماء کی بیان کردہ تعریفوں میں ایسا فرق پایا جاتا ہے جس سے ایک عالم کی تعریف کے مطابق جو شخص مسلمان قرار پاتا ہے وہی شخص دوسرے کی تعریف کے مطابق غیر مسلم ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً

۱- مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے مسلمان کی سیاسی اور حقیقی دو (۲) قسمیں کر کے سیاسی مسلمان میں دس شرطوں کا پایا جانا ضروری قرار دیا ہے جن میں سے مسلمانوں کی طرح نماز پڑھنا، روزے رکھنا اور اسلامی شریعت کے ظاہری قواعد کی تعمیل کرنا بھی شامل ہیں۔

پھر واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ :-

''سیاسی معاملے میں عمل ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص ان عقائد کے مطابق عمل نہیں کرتا جو ایک سیاسی مسلمان کے لئے ضروری ہیں تو وہ سیاسی مسلمان کے دائرے سے خارج ہو جائے گا۔'' [۱]

۲- لیکن برخلاف اس کے مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے یہ جواب دیا ہے :-

''وہ شخص مُسلم ہے جو (۱) توحید پر (۲) تمام انبیاء پر (۳) تمام الٰہی کتابوں پر (۴) ملائکہ پر (۵) یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور ان باتوں کے محض زبانی اقرار سے کسی شخص کو مسلم کہلانے کا حق حاصل ہو جاتا ہے اور ایک مسلم مملکت میں اس سے وہ سلوک کیا جائے گا جو مسلمان سے کیا جاتا ہے۔'' [۲]

۳- مولانا ابوالحسنات نے مسلمانوں کے لئے چھ ۶ / باتوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیتے ہوئے بتایا ہے کہ تارک الصلوٰۃ بھی مسلمان ہوتا ہے [۳]

۴- اور مولانا احمد علی صاحب نے مُسلم کہلانے کے لئے صرف دو (۲) شرطیں ضروری سمجھی ہیں۔ قرآن پر ایمان رکھنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر ایمان رکھنا۔ اور کہا ہے کہ مسلم کہلانے کا حق دار ہونے کے لئے اس سے زیادہ عقیدے اور اس سے زیادہ عمل کی ضرورت نہیں۔ [۴]

کیا مولانا امین احسن صاحب اصلاحی اور مولانا مودودی صاحب اور مولانا ابوالحسنات اور مولانا احمد علی صاحب کی تعریفوں میں اختلاف واضح نہیں ہے؟ انہوں نے نہ صرف یہ کہ جن امور پر ایمان لانے کا اظہار ضروری ہے اُن کے تعین میں اختلاف کیا ہے بلکہ ایک کے نزدیک مُسلم کہلانے کے لئے عمل بھی ضروری ہے اور دوسرے کے نزدیک ضروری نہیں۔

ضروریاتِ دین کے متعلق اختلاف

جن علماء نے مُسلم کہلانے کے لئے ضروریاتِ دین پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے ان کے خیالات ملاحظہ فرمائیے۔

۱- مولانا عبدالحامد بدایونی نے اس سوال کا کہ ''مسلمان کون ہے؟'' یہ جواب دیا کہ :-

''جو شخص ضروریات دین پر ایمان رکھے وہ مومن ہے۔ اور ہر مومن مسلمان کہلانے کا حقدار ہے اور جو شخص پنج ارکانِ اسلام اور ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے وہ ضروریاتِ دین کو پورا کرتا ہے۔'' [۵]

۲- اور جب مولانا محمد علی کاندھلوی سے ضروریات دین کی تعریف پوچھی گئی تو انہوں نے جواب دیا :-

''ضروریاتِ دین ہر مسلمان کو معلوم ہیں خواہ وہ دینی علم نہ رکھتا ہو اور وہ اتنی بے شمار ہیں کہ ان کا ذکر بیحد دشوار ہے۔ مَیں ان

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۳۵ | [۲] رپورٹ صفحہ ۲۳۲ | [۳] رپورٹ صفحہ ۲۳۲ | [۴] رپورٹ صفحہ ۲۳۲ | [۵] رپورٹ صفحہ ۲۳۳ و ۲۳۴

ضروریات کو شمار نہیں کرسکتا۔'' [1]

۳- اِسی طرح حافظ کفایت حسین صاحب نے کہا ہے کہ :-

''جو شخص توحید، نبوت اور قیامت پر ایمان رکھے وہ مسلمان کہلانے کا حقدار ہے۔''

پھر کہا :-

''لیکن ان کے علاوہ بعض امور جن کو ضروریاتِ دین کہتے ہیں مسلمان کہلانے کا حقدار بننے کیلئے ان کی تکمیل ضروری ہے۔''

پھر عدالت کے سوال پر جواب دیا :-

''ان ضروریات کے تعین اور شمار کیلئے مجھے دو (۲) دن چاہئیں۔''

اِن علماء نے مسلمان کی جو تعریف کی ہے اسکا پہلے علماء کی بیان کردہ تعریف سے مقابلہ کیا جائے تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ وہی لوگ جو صرف چند عقائد پر ایمان کا اظہار کر کے مسلمان کہلانے کے حقدار ہونگے وہی بے شمار ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کے منکر ہونے کی وجہ سے غیر مُسلم قرار پائیں گے۔ بریلویوں نے دیوبندیوں کو اور احناف نے اہلحدیث کو اور اہلحدیث نے احناف اور اہل قرآن کو۔ اسی طرح سُنّیوں نے شیعوں کو اور شیعوں نے سُنّیوں کو ان بے شمار ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا منکر ہی قرار دیکر تو کفر اور ارتداد کے فتوے دیئے ہیں۔

پھر ان حقائق کے پیش نظر مؤلفین تبصرہ کا یہ کہنا کہ فاضل ججوں نے جو نتیجہ علماء کے بیانات سے اخذ کیا وہ غلط ہے کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ یہ کوئی نظریاتی بات نہیں بلکہ ایک بدیہی امر کا انکار ہے۔

(ب) مسئلۂ ارتداد اور اسکی سزا

احراری اور دیگر غیر احمدی علماء اپنی تقریروں اور تحریروں میں اس امر پر زور دیتے رہے ہیں کہ مرزائی مرتد اور احکام اسلامی کے مطابق واجب القتل ہیں۔[2] اور احمدیوں نے ہمیشہ عقیدۂ قتلِ مرتد کی تردید کی ہے اور اس موضوع پر کتب بھی لکھی ہیں جن میں قرآن مجید اور احادیث سے بہ دلائل بیّنہ ثابت کی ہے کہ اسلام حریّتِ ضمیر کو انسان کا پیدائشی حق قرار دیتا ہے اور مذہبی امور میں جبر و اکراہ کا شدید مخالف ہے۔ فاضل ججوں نے پوری تحقیق و تدقیق کے بعد احمدی نقطۂ نظر کی تائید کی ہے اور علماء کو غلطی پر قرار دیا ہے۔

(۱) علماء کے نزدیک مرتد کی سزا قتل ہے

عدالت تسلیم کرتی ہے کہ اس پر علماء متفق الرائے ہیں کہ اسلامی مملکت میں ارتداد کی سزا موت ہے۔ (ملاحظہ ہو مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری، مولانا احمد علی صدر جمیعۃ العلماء مغربی پاکستان، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی بانی و سابق امیر جماعت اسلامی پاکستان اور مولانا داؤد غزنوی صدر جمیعت اہلحدیث مغربی پاکستان وغیرہ کی شہادتیں) [3]

(۲) اِس عقیدہ کا بھیانک منظر

عدالت تسلیم کرتی ہے کہ :-

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۳۴ | [2] رپورٹ صفحہ ۱۱۳، ۱۲۴ و ۳۳۷، ۳۶۰، ۳۶۳ و ۳۶۵ | [3] رپورٹ صفحہ ۲۳۶

''اگر مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری یا مرزا رضا احمد[1] خاں بریلوی یا ان بے شمار علماء میں سے کوئی صاحب (جو فتویٰ (Ex DE 14) کے خوبصورت درخت کے پتے پر مرقوم دکھائے گئے ہیں) ایسی اسلامی مملکت کے رئیس بن جائیں تو یہی انجام (یعنی موت - ناقل) دیوبندیوں اور وہابیوں کا ہوگا جن میں مولانا محمد شفیع دیوبندی ممبر بورڈ تعلیمات اسلامی ملحقہ دستور ساز اسمبلی پاکستان اور مولانا داؤد غزنوی بھی شامل ہیں۔ اور اگر مولانا محمد شفیع دیوبندی رئیس مملکت مقرر ہو جائیں تو وہ ان لوگوں کو جنہوں نے دیوبندیوں کو کافر قرار دیا ہے، دائرہ اسلام سے خارج قرار دینگے اور اگر وہ لوگ مرتد کی تعریف میں آئیں گے (یعنی انہوں نے اپنے مذہبی عقائد ورثے میں حاصل نہ کئے ہوں گے بلکہ خود اپنا عقیدہ بدل لیا ہوگا) تو مفتی صاحب ان کو موت کی سزا دیں گے؟'' [2]

(۳) فتووں کی رُو سے سب کافر ہیں

عدالت تسلیم کرتی ہے کہ ''دیوبندیوں کا فتویٰ (Ex DE 13) جس میں اثنا عشری شیعوں کو مرتد قرار دیا گیا ہے اصلی ہے اور اس کی تصدیق دارالعلوم دیوبند کے دفتر سے ہو چکی ہے..... شیعوں کے نزدیک تمام سُنّی کافر ہیں اور اہل قرآن وہ لوگ جو حدیث کو غیر معتبر سمجھتے ہیں اور واجب التعمیل نہیں مانتے متفقہ طور پر کافر ہیں۔ اور یہی حال آزاد مفکرین کا ہے۔ اس تمام بحث کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ شیعہ، سُنّی، دیوبندی، اہلحدیث اور بریلوی لوگوں میں سے کوئی بھی مسلم نہیں۔ اور اگر مملکت کی حکومت ایسی جماعت کے ہاتھ میں ہو جو دوسری جماعت کو کافر سمجھتی ہے تو جہاں کوئی شخص ایک عقیدے کو بدل کر دوسرا اختیار کرے گا اس کو اسلامی مملکت میں لازماً موت کی سزا دی جائے گی۔'' [3]

(۴) قرآن مجید سے قتلِ مرتد کا نظریہ بالکل غلط ثابت ہوتا ہے

فاضل ججوں نے مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی (جو بعد میں پاکستان کے شیخ الاسلام بن گئے تھے) کے کتابچہ ''الشہاب'' کا ذکر کر کے جس میں مولانا نے قرآن، سُنّت، اجماع و قیاس سے یہ ثابت کرنیکی کوشش کی تھی کہ اسلم میں ارتداد کی سزا قتل ہے اور جسے حکومت پنجاب نے وزیر داخلہ کے مشورہ سے ضبط کر لیا تھا لکھا ہے :-

''ارتداد کے لئے سزائے موت بہت دُوررس متعلقات کی حامل ہے اور اس سے اسلام مذہبی جنونیوں کا دین ظاہر ہوتا ہے جس میں حُریتِ فکر مستوجب سزا ہے۔ قرآن تو بار بار عقل و فکر پر زور دیتا ہے۔ رواداری کی تلقین کرتا ہے اور مذہبی امور میں جبر و اکراہ کے خلاف تعلیم دیتا ہے لیکن ارتداد کے متعلق جو عقیدہ اس کتابچہ میں پیش کیا گیا ہے وہ آزادیٔ فکر کی جڑ پر ضرب لگا رہا ہے۔ کیونکہ اس میں یہ رائے قائم کی گئی ہے کہ جو شخص پیدائشی مسلمان ہو یا خود اسلام قبول کر چکا ہو وہ اگر اس خیال سے مذہب کے موضوع پر فکر کرے کہ جو مذہب اسے پسند آئے اس کو اختیار کر لے تو وہ سزائے موت کا مستوجب ہوگا۔ اس اعتبار سے اسلام کامل ذہنی فالج کا پیکر بن جاتا ہے۔ اور اگر اس کتابچہ کا یہ بیان صحیح ہے کہ عرب کے وسیع رقبے بارہا انسانی خون سے رنگین ہوئے تھے تو اس سے یہی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ عین اس زمانے میں بھی جب اسلام عظمت و شوکت کے نقطۂ عروج پر تھا اور پورا عرب اس کے زیر نگیں تھا اس

❁ مؤلف محاسبہ نے فتویٰ زدہ اشخاص کو موت کی سزا سے محفوظ کرنے کے لئے کفر قطعی اور کفر فقہی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ رپورٹ میں فاضل ججوں نے جن فتووں کا ذکر کیا ہے ان میں مفتیوں نے اپنے مخالفین کو بالاجماع کافر، مرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

---

[1] اصل نام مولوی احمد رضا خاں ہے جو مولانا محمد احمد قادری اور ان کے والد دیدار علی کے پیر و مرشد اور ۱۳۴۰ھ میں فوت ہوئے تھے۔ | [2] رپورٹ صفحہ ۲۳۶ | [3] رپورٹ صفحہ ۲۳۷

ملک میں بے شمار ایسے لوگ موجود تھے جو اس مذہب سے منحرف ہو گئے تھے اور انہوں نے اس نظام کے ماتحت رہنے پر موت کو ترجیح دی تھی۔'' [1]

(۵) مصنف رسالہ ''الشہاب'' کی رائے کہ ارتداد کی سزا قتل ہے بالکل غلط ہے!

وزیر داخلہ جنہوں نے حکومت پنجاب کو اس کتابچہ کی ضبطی کا مشورہ دیا تھا اور جو خود بھی دینی امور میں خاص مہارت رکھتے ہیں کا ذکر کر کے فاضل جج لکھتے ہیں کہ :-

''انہوں نے ضرور یہ سوچا ہوگا کہ اس کتابچے کے مصنف نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ اس نظیر پر مبنی ہے جو عہد نامہ عتیق کے فقرات ۲۶-۲۷-۲۸ میں مذکور ہے اور جس کے متعلق قرآن کی دوسری سورت کی چونویں آیت میں جزوی سا اشارہ کیا گیا ہے اس نتیجے کا اطلاق اسلام کے ارتداد پر نہیں ہوسکتا۔ اور چونکہ قرآن مجید میں ارتداد پر کوئی واضح آیت موجود نہیں اس لئے کتابچے کے مصنف کی رائے بالکل غلط ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ایک تو سورۂ کافرون کی چھ مختصر آیات اور دوسری سورت کی آیت **''لا اِکراہ''** کی تہ میں جو مفہوم ہے اس سے وہ نظریہ بالکل غلط ثابت ہوتا ہے جو ''الشہاب'' میں قائم کیا گیا ہے۔''

(۶) مذہبی آزادی

''سورت کافرون صرف تیس الفاظ پر مشتمل ہے اس کی کوئی آیت چھ الفاظ سے زیادہ نہیں۔ اس سورت میں وہ بنیادی خصوصیت واضح کی گئی ہے جو کردارِ انسانی میں ابتدائے آفرینش سے موجود ہے اور **''لا اِکراہ''** والی آیت میں جس کا متعلقہ حصہ صرف نو الفاظ پر مشتمل ہے۔ ذہن انسانی کی ذمہ واری کا قاعدہ ایسی صحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اس سے بہتر صحت ممکن نہیں۔ یہ دونوں متن جو الہام الٰہی کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتے ہیں انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے اس اصول کی بنیاد و اساس ہیں جن کو معاشرہ انسانی نے صدیوں کی جنگ و پیکار اور نفرت و خونریزی کے بعد اختیار کیا ہے اور قرار دیا ہے کہ یہ انسان کے اہم ترین بنیادی حقوق میں سے ہے لیکن ہمارے علماء محققینِ اسلام کو جنگجوئی سے کبھی علیحدہ نہیں کریں گے۔'' [2]

یہ ہیں وہ تصریحات جو فاضل ججوں نے ارتداد کے زیر عنوان بڑے غور و خوض کے بعد سپرد قلم کی ہیں اور ان سے ظاہر ہے کہ فاضل ججوں کے نزدیک اسلام میں ارتداد کی سزا موت قطعاً نہیں ہے۔

مؤلفِ ''محاسبہ'' کا موقف

ارتداد کی سزموت ماننے سے جو مفاسد اور قباحتیں اور مشکلات پیش آتی ہیں اُن کا بھی فاضل ججوں نے ذکر کر دیا ہے اور وہ ایسی کُھلی اور واضح ہیں کہ مؤلفِ ''محاسبہ'' بھی یہ لکھنے سے نہیں رُک سکے کہ :-

''وہ بلاشبہ غور طلب ہیں اور ایک اسلامی مملکت کے علمائے دین کو اِن مسائل کے بارے میں معیّن اصول و قواعد ضبطِ تحریر میں لانے پڑیں گے جن کو دستورِ اساسی اور قوانین ملکی کے لئے مشعلِ راہ بنانا پڑے۔'' [3]

مؤلفینِ ''تبصرہ'' کا موقف

مؤلفِ ''محاسبہ'' کے برعکس مؤلفینِ ''تبصرہ'' نے فاضل ججوں کے خیالات پر نکتہ چینی کی ہے اور ارتداد کی سزا قتل ثابت کرنے کیلئے اپنا پورا زورِ قلم

[1] رپورٹ صفحہ ۲۳۷ | [2] رپورٹ صفحہ ۲۳۸ | [3] محاسبہ صفحہ ۳۹

صرف کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

۱- ''قرآن جب کسی معاملے پر براہِ راست اور واضح طور پر ایک حکم بیان کر دے تو اس معاملے میں اس حکم کو اسلام کا قانون تسلیم کیا جائے گا۔'' [۱]

۲- ''مولانا شبیر احمد صاحب کی پیش کردہ آیت سے یہ بات تو قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ خدا نے جو دین موسیٰ پر نازل کیا تھا اس میں یقیناً ارتداد کی سزا موت تھی۔ قطع نظر اس کے کہ یہ سزا نافذ کی گئی یا نہیں؟''

۳- ''اب گفتگو اس میں ہے کہ آیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ دین میں بھی یہ قانون باقی تھا یا منسوخ ہو گیا۔ اس کے لئے سورۂ توبہ کی آیت ایک سے بارہ تک ملاحظہ ہوں۔'' [۲] آیات کا ترجمہ نقل کر کے لکھتے ہیں :- ''آخری فقرے میں جن سرداروں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اُن سے مراد مرتدین کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔'' [۳]

۴- ''ارتداد کی سزا کے متعلق احادیث کے حکم کو بلا استثناء سارے ہی فقہاء نے صحیح تسلیم کیا ہے۔ احکامی حدیثوں کو وہ بڑی چھان بین کے بعد قبول کرتے ہیں۔ خصوصاً ایسی حدیث کی تو انتہائی چھان بین کی جاتی ہے جس سے کسی انسان کا خون حلال ہوتا ہے۔''

۵- (ارتد کی سزا موت ہونے پر) ''اجماع صرف اس سے ثابت نہیں ہے کہ فقہ اسلامی کے تمام مدارس ارتداد کی سزا پر متفق ہیں۔ بلکہ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند ہی مہینے بعد تمام صحابہؓ نے بالاتفاق مرتدین کے خلاف جنگ کی۔ اور یہ جنگ بر بنائے بغاوت نہ تھی بلکہ بر بنائے ارتداد تھی جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ کے اعلانِ عام میں بالفاظِ صریح مذکور ہے۔'' [۴]

اب ہمیں بتایا جائے کہ جو چیز قرآن، سُنّت اور اجماع سے ثابت ہے وہ اسلامی قانون نہیں ہے تو اَور کیا ہے؟

یہ ہے مؤلفینِ تبصرہ کی تنقید کا ملخص جو اُنہوں نے فاضل ججوں کی آراء پر کی ہے۔ اب ہم اِس کا نمبر وار جواب دیتے ہیں۔

جواب

۱- درست ہے۔ لیکن ارتد کی سزا موت ہونے کے متعلق قرآن میں کوئی حکم واضح یا براہِ راست موجود نہیں ہے۔ جیسا کہ فاضل ججوں نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔

اور آج سے تیس سال قبل ۱۹۲۵ء میں جب قتلِ مرتد کے مسئلہ پر بہت سے علماء اور مسلمان لیڈروں نے مضامین لکھے تو اسوقت بھی

۱۔ مولانا شاکر حسین شہسوانی کو صاف الفاظ میں اقرار کرنا پڑا تھا کہ :-

''اِس امر میں اختلاف کی کوئی وجہ نہیں کہ قرآن پاک میں قتلِ مرتدین کا کوئی صریح و غیر صریح حکم موجود نہیں۔'' [۵]

ب۔ اور مولانا ظفر علی خان صاحب نے اخبار ہمدرد کے ان مضامین کا جواب دیتے ہوئے جن میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ مرتد کی سزا قتل نہیں ہے یہ اعتراف کیا تھا کہ :-

''بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ ہمدرد کی پیش کردہ آیات میں مرتد کے لئے سزائے قتل کا ذکر نہیں۔ اور ذاتی طور پر میرا خیال ہے کہ غالباً کسی دوسری آیت میں بھی بالتصریح ایسا حکم نظر نہیں آتا۔''

---

[۱] تبصرہ صفحہ ۱۳۱ | [۲] تبصرہ صفحہ ۱۳۱ | [۳] تبصرہ صفحہ ۱۳۴ | [۴] تبصرہ صفحہ ۳۶ | [۵] زمیندار ۲۳/ مارچ ۱۹۲۵ء

مگر آج مؤلفین تبصرہ لکھ رہے ہیں کہ قرآن مجید نے براہِ راست اور واضح طور پر یہ حکم بیان کیا ہے کہ ارتداد کی سزا موت ہے۔

۲و۳ یہ قطعاً غلط ہے کہ سورۂ بقرہ کی ۵۴ ویں آیت **فاقتلوا انفسکم** سے ثابت ہوتا ہے کہ دینِ موسوی میں ارتداد کی سزا موت تھی اور وہی قانون اسلام میں بھی باقی رکھا گیا۔

اب ہم اس آیت کی تفسیر قدرے تفصیل سے لکھتے ہیں کیونکہ مؤلفین تبصرہ نے اس آیت کو بنیاد کے طور پر قرار دیا ہے۔ وہ آیت یہ ہے :-

''**اِنَّکُمۡ ظَلَمۡتُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ بِاتِّخَاذِکُمُ الۡعِجۡلَ فَتُوۡبُوۡا اِلٰی بَارِئِکُمۡ فَاقۡتُلُوۡا اَنۡفُسَکُمۡ**۔'' [۱]

یعنی اے بنی اسرائیل! یقیناً تم نے بچھڑے کو معبود بنانے کی وجہ سے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ پس تم اپنے پیدا کرنیوالے کی طرف اپنی جان و دل سے رجوع کرو۔ توبہ کرو اور اپنی جانوں یا مردوں کو قتل کرو۔

اس آیت سے یہ استدلال کرنا کہ ارتداد کی سزا موت ہے اسلئے درست نہیں ہے کہ مرتد کے لئے جو خود ساختہ سزا اسلامی سزا بتائی جاتی ہے وہ اس سزا سے جو ان کے خیال میں گوسالہ پرستوں کو دی گئی تھی مطابقت نہیں رکھتی۔ اور گوسالہ پرستوں کے متعلق قرآن مجید شاہد ہے کہ انہوں نے توبہ بھی کی تھی جیسا کہ آیتِ شریف مندرجہ ذیل سے ظاہر ہے :-

''**وَلَمَّا سُقِطَ فِیۡ اَیۡدِیۡهِمۡ وَرَاَوۡا اَنَّهُمۡ قَدۡ ضَلُّوۡا قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ یَرۡحَمۡنَا رَبُّنَا وَیَغۡفِرۡ لَنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ**o[۱]''

یعنی جب وہ اپنے کئے پر نادم ہوئے اور انہیں یقینی طور پر اپنی ضلالت اور غلطی کا علم ہو گیا تو انہوں نے کہا یقیناً اگر اللہ ہم پر رحم نہ کرے اور ہماری کمزوریوں کو نہ ڈھانپے تو ہم ضرور ٹوٹا پانے والے ہوں گے۔

مشہور و معروف مفسرین میں سے محمد اسمٰعیل حقی صاحبِ روح البیان نے اِس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے :-

''توبہ سے مراد قتلِ نفس نہیں بلکہ یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ ''**ان توبتهم لاتتم ولاتحصل الّابقتل النفس**''یعنی ان کی توبہ کی تکمیل قتلِ نفس کے ساتھ ہو سکتی ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ وحی مطلع فرمایا تھا :-

''**انّ توبة المرتدّ لاتتم الّا بالقتل**'' کہ مرتد کی توبہ اُسی وقت تمام ہو سکتی ہے جبکہ وہ قتل کر دیا جائے۔'' [۳]

(۲) تفسیر مذکورہ کے جلد ا صفحہ ۹۴ میں لکھا ہے کہ ان میں ستّر ہزار قتل کئے گئے :-

''**فکان من قتل شهیداًومن بقی مغفورةذنوبه**''

یعنی جو قتل کئے گئے وہ شہید تھے اور جو باقی رہ گئے ان کے گناہ بخش دیئے گئے۔

(۳) سامری کو جو اس فتنہ کا بانی تھا اور جس نے بچھڑا بنا کر لوگوں کو اس کی پرستش کے لئے ورغلایا تھا اور جس نے حضرت موسیٰ کے جواب طلب فرمانے پر بے باکانہ اقرارِ جُرم بھی کیا تھا سزائے موت نہیں دی گئی۔ بلکہ صرف یہ فرما دیا گیا :-

''**فَاذۡهَبۡ فَاِنَّ لَکَ فِی الۡحَیٰوةِ اَنۡ تَقُوۡلَ لَامِسَاسَ**۔''

جا اِس زندگی میں تیری یہی سزا ہے کہ کہتا رہے مجھے ہاتھ نہ لگانا [۴]

---

[۱] البقرہ ع ۶ | [۲] اعراف ع ۱۸ | [۳] روح البیان جلد ا صفحہ ۹۳ بحوالہ تفسیر کبیر الرازی۔ اور یہی معنے تفسیر فتح البیان میں لکھے ہیں۔ | [۴] طٰہٰ

آیت کی مندرجہ بالا تفسیر کو مدّنظر رکھتے ہوئے ثابت ہوتا ہے کہ :-

(۱) سامری کے بچھڑے کو پُوجنے والوں کی سزا قتل مقرر نہیں کی گئی تھی، بلکہ تکمیلِ توبہ کی شرط قتل رکھی گئی تھی۔ یعنی ان کی توبہ اسی وقت مکمّل ہو گی جب وہ قتل ہوں گے۔ جب بعض مجرم دوسرے مجرموں کے ہاتھوں قتل کئے جا چکے تو قتل کا حکم منسوخ کر دیا گیا اور بقیہ مجرم قتل نہ کئے گئے۔

(۲) جو قتل کئے گئے وہ شہید کہلائے کیونکہ قتل سے پہلے وہ حقیقی توبہ کر چکے تھے اور جن کے حق میں قتل کا حکم منسوخ ہو گیا ان کے گناہ بھی معاف کر دیئے گئے۔

(۳) اور سامری کو جو اس فتنہ کا بانی تھا۔ جس نے کُھلے بندوں اقرارِ جُرم کیا اور جو اس اقرار پر آخر دم تک قائم و مُصر رہا تھا قتل کی سزا نہیں دی گئی۔

(۴) علاوہ ازیں **فاقتلوا انفسکم** کے ایک معنے تفسیر مذکورہ کے صفحہ ۹۵ اور دوسری تفاسیر میں بھی یہ لکھے ہیں :-

''**فاقتلوا انفسکم بقمع الھویٰ**'' کہ تم اپنے نفسوں کو خواہشاتِ نفسانی کا قلع قمع کرنے کے ذریعہ مارو۔

اِس تفسیر کے لحاظ سے اس آیت میں قتلِ نفس کا مطلقاً کہیں ذکر نہیں ہو گا اور اِس آیتِ شریفہ میں قتلِ نفس سے نفسانی خواہشات کا قتل مراد لینا جائز اور درست تسلیم کر لیا گیا تو قتلِ نفس جیسے نازک اور اہم معاملہ میں اس آیت سے درست استدلال کرنا درست نہیں ہو گا۔ بلکہ بحکم **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال** وہ استدلال باطل ہو گا۔

اور دوسرے مقام پر گوسالہ پرستوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

''یقیناً جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنایا انہیں ان کے رب کی طرف سے غضب اور اس دنیا میں ذلّت پہنچے گی۔ اور جھوٹ باندھنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔

اور وہ لوگ جنہوں نے بُرے عمل کئے پھر انکے بعد توبہ کی اور ایمان لائے یقیناً تیرا رب ان کے ایمان لانے کے بعد غفور رحیم ہے۔''[1]

اِس آیت میں بھی گوسالہ پرستوں کی سزا قتل نہیں بیان کی گئی بلکہ اصولاً بتایا گیا ہے کہ جو بدی کے بعد توبہ کر لیتے ہیں خدا تعالیٰ اُن کے گناہ بخش دیتا ہے اور بشرطِ تسلیم کہ **فاقتلوا انفسکم** سے مراد ظاہری قتل ہی ہے تو حکم یہ بنتا ہے کہ مرتد پہلے تو حقیقی توبہ کرے اور جب وہ توبہ کر لے اور اس کی توبہ خدا کے نزدیک قبول بھی ہو جائے تو اس کو قتل کر دینا چاہیئے۔ اور جو شخص فتنۂ ارتداد کا اصل بانی ہونے کے بعد اپنے جُرم کا علی الاعلان معترف بھی ہو وہ بے شک قتل نہ کیا جائے بلکہ کُھلا چھوڑ دیا جائے۔

پس اس آیتِ شریفہ کو اسلام میں ارتداد کی سزا موت کے لئے بنیاد قرار دینا قطعاً باطل ہے۔

۲- آیت لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً

عجیب بات ہے کہ آیت شریفہ **فاقتلوا انفسکم** سے ارتداد کی سزا قتل ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ بچھڑے کی پرستش کے جُرم میں ہزار ہا بنی اسرائیل قتل کئے گئے بحالیکہ اس کے بعد آیت شریفہ **لن نؤمن لك حتى نرى الله جهرةً** میں پھر ان کی اسی قسم کی ایک اور سرکشی اور اُن کے تمرّد کا ذکر ہے کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ''جب تک ہم اللہ کو سامنے نہ دیکھ لیں تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔'' ان کا یہ گناہ بھی گوسالہ کو معبود بنانے سے کچھ کم گناہ نہ تھا۔ کیونکہ پہلی بار تو انہوں نے ایک مجسم مادّی چیز کو خدا بنایا تھا اور دوسری بار اللہ تعالیٰ کو جو نور ہے مادّی

---

[1] اعراف ع ۱۴

صورت میں اپنے سامنے دیکھنے پر اتنے مُصر ہوئے کہ جب تک دیکھ نہ لیں اپنے وقت کے نبی حضرت موسیٰؑ کو بھی نہیں مانیں گے۔ اگر وہ انکا پہلا فعل کفر تھا تو یہ دوسرا بھی کفر تھا لیکن اس کی پاداش میں وہ قتل نہیں کئے گئے۔

۳- اور بنی اسرائیل کے متعلق اللہ تعالیٰ خاص طور پر فرماتا ہے

"مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعاً" [1]

یعنی اسلئے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ فرض کیا تھا کہ جس شخص نے ایسے شخص کو قتل کیا کہ اس نے کوئی ناحق کا خون نہیں کیا تھا۔ یا کسی ایسے شخص کو قتل کیا جو نہ بغاوت کے طور پر امن عامہ میں خلل ڈالتا تھا اور نہ زمین میں فساد پھیلاتا تھا تو اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بنی اسرائیل کو سوائے دو (۲) سبب کے کسی نفس کو قتل کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو گوسالہ پرستی کے وقت قتل کی سزا دی گئی تو وہ اُنہی لوگوں کو دی گئی ہوگی جو حضرت موسیٰؑ سے لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کرنے کے مرتکب ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ بائبل میں یہ صاف آتا ہے کہ انہوں نے موسیٰؑ کے خلاف باتیں کیں اور قرآن مجید میں آتا ہے کہ انہوں نے حضرت ہارونؑ کی بات نہ مانی۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ بنی اسرائیل کے نبی ہونے کے علاوہ بادشاہ بھی تھے۔

پس آیت زیر بحث میں نہ تو عام مرتدین کے ارتداد کی سزا میں قتل کئے جانے کا حکم ہے اور نہ وہ سزا، جس کا ذکر اس آیت میں علماء تسلیم کرتے ہیں، اس سزا کے مطابق ہے جو انہوں نے مرتد کی اسلامی سزا قرار دے رکھی ہے۔

سورۂ توبہ کی آیات

مؤلفین تبصرہ نے سورۂ توبہ کی ابتدائی بارہ ۱۲/ آیات کا ترجمہ نقل کر کے بارھویں آیت کے متعلق لکھا ہے کہ :-

"آخری فقرے میں کفر کے جن سرداروں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان سے مراد مرتدین کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔" [2]

یاد رہے کہ ان آیات میں اُن مشرکوں کا ذکر ہے جنہوں نے اس زمانہ میں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظّمہ میں تھے، نہایت بے دردی اور بے رحمی کئی مسلمان مرد، عورتیں اور بچے ناحق قتل کر دیئے تھے اور ان مظلوموں کا خون ان کی گردن پر تھا۔ اور ان کا ایک بڑا گناہ یہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدم قتل کے مرتکب بھی ہوئے تھے۔ نہ ایک بار بلکہ بار بار۔ اور ہجرت کے بعد بھی انہوں نے مسلمانوں کی بربادی، تباہی اور ہلاکت کے لئے ہر ممکن کوشش کی اور ان سے جنگ کی۔ اور اس جرم کے مرتکب سب کے سب مشرک تھے۔ بعض اُن میں سے قاتل تھے اور بعض اُن کے ہمراز و معاون۔ پھر اُنہوں نے مسلمانوں سے صلح کے معاہدات کئے لیکن کسی معاہدے پر قائم نہ رہے۔ اور جب موقع پاتے عہد کو توڑ دیتے اور دورانِ مدّت معاہدہ میں مومنوں کو قتل کر دیتے۔ اور اُن کے مال لوٹ لیتے تھے۔ اِن ہی فتنہ پرداز مشرکینِ عرب کو جو ریاست کے لئے مستقل خطرہ بنے ہوئے تھے اور اپنی بدعہدیوں، زیادتیوں، خونریزیوں اور دیگر سیاسی جرموں کی وجہ سے قتل کے مستوجب ٹھہر چکے تھے۔ ۹ھ میں حج کے موقع پر یہ عام نوٹس دیا گیا کہ اب اُنہیں زیادہ سے زیادہ چار ماہ تک اس ملک میں ٹھہرنے کی مہلت دی جاتی ہے۔ اِس عرصہ میں وہ یا تو ملک سے نکل جائیں (جیسا کہ انہوں نے خدا کے رسولؐ اور مومنوں کو ان کے وطن سے نکالا تھا) یا سمجھ لیں کہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے قتل کر دیئے جائیں گے۔

---

[1] المائدہ ع ۵ | [2] تبصرہ صفحہ ۱۳۴

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اِنہی مشرکین کے معاہدات کی عدم پابندی اور مومنوں کے متعلق ان کی بُری نیتوں اور بدارادوں کا ذکر فرماتا ہے :-

"کَیْفَ یَکُوْنُ لِلْمُشْرِکِیْنَ عَھْدٌ عِنْدَاللّٰہِ وَعِنْدَرَسُوْلِہٖٓ اِلَّاالَّذِیْنَ عَھَدْتُّمْ عِنْدَالْمَسْجِدِالْحَرَامِ" الخ

یعنی کیسے ہوسکتا ہے مشرکین کے لئے اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک کوئی عہد بجُز ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا تھا۔ وہ جب تک اپنے عہد پر قائم رہیں تم بھی قائم رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ متقیوں کو پسند کرتا ہے جبکہ مشرکوں کا یہ حال ہے کہ تم پر قابو پا جائیں تو تمہارے معاملے میں نہ کسی قرابت کا لحاظ کریں نہ کسی عہد و پیمان کا۔"

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کے متعلق جنہوں نے معاہدات کی پابندی نہ کی اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے کے لئے جبر و تشدد کا طریق اختیار کیا۔ فرماتا ہے :-

"فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوالصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُاالزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ ط"

یعنی اِن متواتر بدعہدی کرنے والے لوگوں کے لئے جن کے سخت جرائم کی وجہ سے ہم نے ان کے قتل کا حکم دیا یہ رعایت رکھی جاتی ہے کہ اگر وہ توبہ کرلیں اور ایسے جرائم سے باز آجائیں اور نماز قائم کرلیں اور زکوٰۃ دیں تو اے مسلمانو! وہ تمہارے دینی بھائی ہوں گے۔ یعنی پھر ان سے تعرض نہ کیا جائے۔ وہ ہمارے اس حکم سے مستثنیٰ ہوں گے۔

اِس سے اگلی آیت یہ ہے :-

"وَاِنْ نَّکَثُوْٓا اَیْمَانَھُمْ مِنْ بَعْدِ عَھْدِھِمْ وَطَعَنُوْافِیْ دِیْنِکُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّۃَ الْکُفْرِاِنَّھُمْ لَآاَیْمَانَ لَھُمْ لَعَلَّھُمْ یَنْتَھُوْنَ o"

یعنی اگر وہ اپنی قسمیں معاہدہ کرنے کے بعد توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو کفر کے سرداروں کے ساتھ جنگ کرو۔ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں شاید وہ باز آجائیں۔

اِس آیت کی تفسیر میں صاحبِ فتح البیانؔ لکھتے ہیں کہ اِس آیت میں **اِن نکثُوا** سے مراد ایمان کے بعد ارتداد نہیں بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ اگر کفار ان عہدوں کو جو انہوں نے مسلمانوں سے باندھے تھے توڑ دیں اور عہد شکنی پر قائم رہیں۔ (فتح البیان جلد ۴ صفحہ ۷۲)

اور علامہ الالوسی مفتی بغداد اپنی مشہور تفسیر رُوحؔ المعانی میں لکھتے ہیں :-

"وان نکثوا عطف علیٰ قولہ سبحانہ فان تابوا" یعنی **وان نکثوا** معطوف ہے **فان تابوا** پر۔

یعنی مشرکینِ عرب جن کا ان آیات میں ذکر ہے اگر توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں اور اگر ایسا نہ کریں یا عہد شکنی پر قائم رہیں تو ان کے لیڈروں سے جنگ کرو۔

پھر لکھتے ہیں کہ یہی معنے اس مقام کے زیادہ مناسب اور اولیٰ ہیں ارتداد کے نہیں۔ (روح المعانی جلد ۳ صفحہ ۲۷۹)

گویا اِن دونوں آیتوں میں مشرکینِ عرب کی، جن کا پہلی آیات میں ذکر ہے، دو (۲) حالتیں بیان کی ہیں۔ ایک حالت اسلام اختیار کرنے کی۔

دوسری حالت اسلام اختیار نہ کرنے اور عہد شکنی کی۔

برخلاف اس کے مؤلفینِ تبصرہ اس بات پر مُصر ہیں کہ یہاں ''**اَیمان**'' سے اسلام قبول کرنے کا عہد اور اسی کی قسمیں مراد ہیں۔ پہلی صورت میں جو مقبولہ مفسّرین بھی ہے ارتداد یا اس کی سزا کے ذکر کا شائبہ تک نہ پایا جانا تو ظاہر ہی ہے۔ مؤلفین تبصرہ نے کھینچ تان کر جو بات پیدا کی ہے اس سے بھی محض ارتداد کی سزا قتل ثابت نہیں ہوتی۔

(۱) اوّل اسلئے کہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ انہیں قتل کر دو بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اُن سے جنگ کرو۔

(۲) دوسرے اس لئے کہ جنگ کرنے کی وجہ اس سے اگلی آیت میں فرمائی ہے کہ :-

''اَلاَ تُقَاتِلُونَ قَوماً نَّکَثُوٓا اَیمَانَهُم وَهَمُّوا بِاِخرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُ وکُم اَوَّلَ مَرَّةٍ ط اَتَخشَونَهُم فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَن تَخشَوهُ اِن کُنتُم مُّؤمِنِینَ o قَاتِلُوهُم یُعَذِّبهُمُ اللّٰهُ بِاَیدِیکُم وَیُخزِهِم وَیَنصُرکُم عَلَیهِم ط''

یعنی کیا تم ان لوگوں سے نہیں لڑو گے جنہوں نے قسمیں کھا کر بار ہا اپنے عہد توڑ دیئے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کو بدر کرنے کے عزائم کئے تھے۔ اور تم سے جنگ کرنے میں پہل کی۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اگر تم مومن ہو تو سُنو! اللہ تعالیٰ ہی کا یہ حق ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ اِن سے لڑو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے انہیں عذاب دیگا اور ان کو رسوا و ذلیل کریگا اور ان کے خلاف تمہاری مدد کریگا۔

اِن دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان سے جنگ کرنے کی تین وجہیں بیان فرمائی ہیں۔ اوّلاً یہ کہ انہوں نے اپنے معاہدات کی پابندی نہیں کی۔ دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے اخراج کا باعث بنے۔ تیسری یہ کہ جنگ میں ابتداء انھیں کی طرف سے ہوئی۔ لیکن ان تینوں وجھوں میں سے ایک میں بھی ارتداد کی طرف اشارہ تک نہیں کیا گیا۔ بحالیکہ اگر ان آیتوں میں مرتدین کا ذکر تھا اور بقول مؤلفین تبصرہ مرتد کی سزا قتل تھی تو ان سے جنگ کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی کہ انہوں نے ارتداد کیا۔ اور یہ اس وجہ کے بیان کر دینے کا بہترین موقع تھا۔ کیونکہ اسکے بیان کر دینے سے ایک تو وجوہِ جنگ میں ایک نہایت اہم اور جنگ کے لئے جوش دلانے والی وجہ کا اضافہ ہو جاتا دوسرے یہ بات بھی کہ مرتد کی سزا قتل ہے پوری صفائی سے ظاہر ہو جاتی۔

اور اگر **ان نکثوا ایمانھم** میں عہد شکنی سے توبہ اور ظاہری نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے سے انکار مراد لیا جائے تو اس صورت میں بھی آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ اپنے جرائم کی وجہ سے قتل کی سزا کے مستوجب ہو چکے تھے اور ان کے متعلق **فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم** کا الٰہی حکم بھی نازل ہو چکا تھا۔ لیکن ظاہری طور پر اسلام کا اظہار کرنے اور اپنی گزشتہ خلاف اسلام کارروائیوں سے توبہ کرنے کی وجہ سے وہ قتل کی سزا سے مستثنیٰ کئے گئے تھے۔ لیکن جب انہوں نے اپنے اعمال سے ثابت کر دیا کہ وہ اس عہد کے پابند نہیں رہے اور پھر مسلمانوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُنہیں قتل کرنا شروع کر دیا اور اُن کے مال لُوٹ لئے۔ نمازیں ترک کر دیں۔ زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو اب انکی وہی پوزیشن ہوگئی جو توبہ سے پہلے تھی۔ اسلئے وہ اپنے سابقہ اور موجودہ جرائم کی وجہ سے اِس لائق ہو گئے کہ اُن سے جنگ کی جائے اور ان کی طاقت توڑ دی جائے۔ اس میں محض ارتداد کی سزا موت ہونے کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

اِن آیات میں تو ارتداد کا لفظ بھی مذکور نہیں ہے لیکن جن آیتوں میں ایمان کے بعد کفر اور ارتداد کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں ان میں سے بھی کسی

آیت میں ارتداد کی سزا موت ذکر نہیں کی گئی۔ آخرت ہی میں عذاب دیئے جانے کا ذکر کیا گیا ہے اور دنیا میں ناکامی کا۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہوں آیات :-

۱- بقرہ ع ۲۷ کی آیت **وَلَایَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ ۔**

۲- آل عمران ع ۹ کی آیت **کَیْفَ یَھْدِی اللّٰہُ قَوْماً کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِھِمْ ۔**

۳- مائدہ ع ۸ کی آیت **یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوامَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ** ۔ الخ

۴- نحل ع ۱۴ کی آیت **مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ بَعْدَ اِیْمَانِہٖ** ۔ الخ

۵- سورۂ محمدؐ ع ۳ کی آیت **اِنَّ الَّذِیْنَ ارتَدُّعَلٰی اَدْبَارِھِمْ** ۔ الخ وغیرہ آیات میں ارتداد اور ایمان کے بعد کفر کا ذکر ہے مگر کسی آیت میں بھی ارتداد کی سزا موت نہیں بتائی گئی۔

۶- سورۂ بقرہ ع ۱۷ کی آیت **وَمَاجَعَلْنَاالْقِبْلَۃَالَّتِیْ کُنْتَ عَلَیْھَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْہِ** کی تفسیر میں ابن جریر نے ابن جریج سے روایت کی ہے کہ بہت سے لوگ تحویلِ قبلہ کے وقت اسلام سے مرتد ہو گئے تھے لیکن کسی کو قتل کی سزا نہ دی گئی۔

۷- آل عمران ع ۸ کی آیت **وَقَالَتْ طَّائِفَۃٌمِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اٰمِنُوْابِالَّذِیْ اُنْزِلَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَجْہَ النَّھَارِوَاکْفُرُوْااٰخِرَہٗ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ o** یعنی اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا کہ مومنوں پر جو نازل ہوا ہے شروع دن میں اس پر ایمان لے آؤ اور دن کے آخری حصے میں انکار کر دو۔ تا مومن بھی اپنے دین کی طرف واپس آ جائیں۔ اگر مرتد کی سزا قتل ہوتی تو وہ ایسا کہاں کر سکتے تھے۔

۸- سورہ نساء ع ۲۰ کی آیت **اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْاثُمَّ کَفَرُوا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ ازدَادُوْا کُفْراً** سے بھی ظاہر ہے کہ اگر ارتداد کی سزا موت ہی ہوتی تو دوبارہ ایمان لانے کا موقع ہی کہاں تھا۔

اِس آیت کی تفسیر میں علامہ الالوسی البغدادی نے اپنی تفسیر روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۱۹۶ میں امام حسن بصری سے یہ روایت نقل کی ہے کہ اہل کتاب کا ایک گروہ ایمان لاتا تھا اور پھر انکار کر دیتا تھا۔ لیکن ان میں سے کسی کو بھی موت کی سزا نہیں دی گئی۔

۴- احادیث

ہمارے نزدیک احادیث میں بھی محض ارتداد کی سزا قتل اور موت کہیں بیان نہیں ہوئی۔ برخلاف اس کے متعدد احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محض ارتداد کی سزا ہرگز قتل نہیں۔ مثلاً :-

۱- بخاری میں جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی مدینہ منورہ میں آیا اور اس نے اسلام پر بیعت کی اور پھر اس نے تین دفعہ بیعت واپس لینے کے لئے کہا مگر وہ قتل نہیں کیا گیا اور نہ اسے کسی نے کچھ کہا۔ آخر وہ مدینہ چھوڑ کر چلا گیا۔ [۱]

۲- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر مشرکین مکہ کے ساتھ صلح کے معاہدے میں یہ شرط تسلیم فرمائی کہ جو شخص مرتد ہو کر ان کے پاس چلا جائیگا اُسے وہ واپس نہیں کریں گے اور مسلمان ہو کر مدینہ آئیگا وہ اُن کے پاس واپس کر دیا جائیگا۔ [۲]

---

۱ بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ | ۲ بخاری کتاب الصلح

اگر اللہ تعالیٰ نے مرتد کی سزا قتل مقرر کی ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اِس شرط کو جس کی رُو سے مرتد کو زندہ چھوڑنا پڑتا تھا، منظور ہی کہاں فرما سکتے تھے۔ مگر حضورؐ نے تو یہ شرط منظور فرمائی اور اتنا فرمانے کی بھی ضرورت نہ سمجھی کہ جب ہم مسلمان ہو کر مدینہ میں آجانیوالے کو تمہیں واپس کردیں گے تو یہاں سے مرتد ہو کر مکہ چلے جانیوالے کو تمہیں بھی واپس کرنا ہوگا تا شریعت کی مقررہ سزا دینے کے لئے اس کی گردن ماری جائے۔

۳- فتح مکہ کے دن عبداللہ بن ابی سرح کاتبِ وحی کو جو مرتد ہو گئے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پناہ دینے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پناہ دیدی اور وہ بدر نہ کئے گئے۔ بعد کو وہ اسلام لے آئے۔ [۱]

۴- حضرت امام بخاریؒ نے کتاب الدیات میں ابوقلابہؓ سے روایت کی ہے جس میں اس نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے تین حالتوں کے کسی کو قتل نہیں کیا۔ ایک ان میں سے **اورجل حارب اللّٰہ ورسولہ وارتدّعن الاسلام** کا ذکر کیا ہے یعنی وہ شخص جس نے اللہ اور اسکے رسول سے محاربہ کیا اور اسلام سے مرتد ہو گیا۔

اور یہی روایت امام بخاریؒ نے زیر آیت **اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَیَسۡعَوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَسَادًا** ۔الآیۃ ذکر کی ہے اور اس میں صرف **"اوحارب اللّٰہ ورسولہ"** ذکر کیا ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ قتل کی اصل وجہ خدا اور رسولؐ سے محاربہ کرنا اور زمین میں فساد کرنا ہی ہے۔

فقہاء نے استخراجِ احکام کے لئے یہ اصول تسلیم کیا ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔ اِس اصول کے ماتحت محاربہ کی جو قید ان روایات میں بیان ہوئی ہے وہ اِن روایات میں بھی تسلیم کرنی پڑیگی جن میں قطعاً یہ قید موجود نہیں ہے۔

ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے خاص حالات کو بھی مدِّ نظر رکھنا چاہیئے۔ اسوقت مسلمان اور کافر دو (۲) متحارب کیمپوں کی صورت میں تھے۔ ایک کیمپ دارالسلام کہلاتا تھا، دوسرا دارالکفر یا دارالحرب۔ باقاعدہ فوج دونوں کے پاس نہ تھی۔ جو مسلمان تھے وہ سب کے سب اسلامی فوج کے سپاہی شمار کئے جاتے تھے اور جو دارالحرب کے رہنے والے تھے وہ مخالف فریق کے فوجی سمجھے جاتے تھے۔ اسلئے ایسے حالات میں ایک مسلمان کے مرتد ہو کر کفار سے جا ملنے کا یہ مطلب تھا کہ گویا اسلامی لشکر کا ایک سپاہی اپنے کیمپ کو چھوڑ کر دشمن کی فوج میں جا شامل ہوا ہے اور ایسے مفرور سپاہیوں کی سزا آجکل بھی تمام مہذّب ممالک میں قتل ہی ہے خصوصاً جبکہ اس سپاہی کی غداری روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکی ہو۔ پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں بعض مرتدین قتل کئے گئے تو وہ مذہبی انحراف کی وجہ سے نہیں بلکہ سیاسی وجوہ کی بناء پر قتل کئے گئے ہیں۔

۵- اجماع

جب قرآن مجید اور احادیث شریفہ سے محض ارتداد کی سزا موت ثابت نہیں ہے تو اس پر اجماع کے کیا معنے؟ مؤلفینِ تبصرہ نے اجماع کے ثبوت میں وہ جنگ پیش کی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین سے کی تھی۔ اور لکھا ہے کہ یہ جنگ بربنائے بغاوت نہ تھی بلکہ بربنائے ارتداد تھی جیسا کہ ابوبکر صدیقؓ کے اعلانِ عام میں بالفاظ صریح مذکور ہے۔ [۲]

جس شخص نے اسلامی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا ہے وہ اِس معاملہ میں مؤلفینِ "تبصرہ" کی تغلیط کئے بغیر نہیں رہ سکتا کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے محض ارتداد کی بناء پر ان سے جنگ نہیں کی تھی بلکہ ان لوگوں نے اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کر کے سفّاکی و غارتگری شروع کردی تھی اور انکو جواُن میں

---

[۱] تفسیر کبیر للرازی جلد۵ صفحہ ۵۲۷ و روح المعانی جلد۴ صفحہ ۴۸۴ | [۲] مؤلفین نے اپنے استدلال کی بنیاد تو اس اعلان پر رکھی مگر اعلان کے الفاظ پیش نہیں کئے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ الفاظ حضرت ابوبکرؓ کے کسی اعلان میں نہیں ہیں۔

سے اسلام پر قائم رہے تھے قتل کیا تھا اور مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ حضرت اسامہؓ نے اسی خطرہ کے پیش نظر حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ سے اس لشکر کو مدینہ واپس لانے کی اجازت چاہی تھی جو انکی سرکردگی میں ملک شام کی طرف جانے کیلئے روانہ ہوا تھا اور وجہ یہ بیان کی تھی **''ان معی وجوہ الناس**[1]۔ الخ '' یعنی میرے ساتھ بڑے بڑے آدمی ہیں اور مجھے ڈر ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ مشرکین خلیفۂ وقت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حرمِ محترم اور دوسرے مسلمانوں پر حملہ کر دیں لیکن حضرت صدّیق اکبرؓ نے لشکر کو واپس لانے کی اجازت نہ دی۔

اور لشکر کی روانگی کے بعد مرتد قبائل میں سے بعض نے مدینہ پر حملہ کر دیا۔ مشہور مؤرخ طبری لکھتا ہے :-

''عبسؔ اور ذبیانؔ دو (۲) قبیلے جنہوں نے سب سے پہلے مدینہ پر حملہ کیا حضرت اسامہؓ کی واپسی سے پہلے حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے اُن کے ساتھ جنگ کی۔''

تاریخ الخمیس میں ہے کہ خارجہ بن حسن جو مرتدّین میں سے تھا اپنی قوم کے کچھ سوار لیکر مدینہ کی طرف بڑھا اور اس نے مسلمانوں پر ان کی بے خبری کی حالت میں چھاپہ مارا۔[2]

اور طبری لکھتا ہے کہ بعض مرتدین قبائل نے زکوٰۃ وغیرہ کی معافی کیلئے وفد بھیجے۔ ان کے واپس جانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے مسلمانانِ مدینہ کو اکٹھا کر کے یوں خطاب کیا :-

''تمام ملک اب کافر ہے اور ان کے وفد نے تمہارا قلیل التعداد ہونا دیکھ لیا ہے۔ تمہیں معلوم نہیں کہ رات کے وقت وہ تم پر حملہ کر دیں یا دن کو۔ اور اُن میں سے قریب ترین لوگ تم سے صرف ایک منزل پر ہیں۔'' (ترجمہ از عربی عبارت)

تین ہی دن گزرے تھے کہ انہوں نے رات کے وقت آ کر چھاپہ مارا۔

پس یہ وہ باغی مرتدین تھے جو کہ پایۂ تخت پر قابض ہو کر آپ حاکم ہونا چاہتے تھے۔ پھر ان مرتدین نے صرف مدینہ پر حملہ ہی نہیں کیا بلکہ اُن مسلمانوں کو بھی تہ تیغ کیا جو اُن قبائل میں سے مرتد نہیں ہوئے تھے۔

ابن خلدون لکھتا ہے :-

''ووثب بنوذبیان و عبس علٰی من کان فیھم من المسلمین فقتلوھم و فعل ذٰلك غیرھم من المرتدین۔'' [3]

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبرِ وفات سُنتے ہی بنو ذبیانؔ اور عبسؔ نے ان لوگوں کو قتل کر دیا جو اُن میں سے مسلمان تھے۔ اور اُن کے سوا جو دوسری مرتد قومیں تھیں انہوں نے بھی اِن مسلمانوں کو قتل کر ڈالا جو اُن میں آباد تھے۔

پھر ابن خلدون لکھتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے :-

''بنو ربیعہؔ نے (جو بحرین کا ایک قبیلہ تھا) ارتداد اختیار کیا اور مرتد ہونے کے بعد المنذر بن النعمان کو جو مغرور کے لقب سے مشہور تھا اپنا بادشاہ بنا لیا۔''

اسی طرح طبری لکھتا ہے :-

[1] طبری جلد ۴ صفحہ ۱۸۷۲، واقعات ۱۱ھ | [2] تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۲۲۷ | [3] تاریخ ابن خلدون بقیہ جلد ۲ صفحہ ۶۶

''ولم یقبل خالد بعد ھزیمتھم من احد۔ الخ'' [1]

یعنی جب بنی اسد، غطفان، ہوزان، بنی سلیم اور بنی طے کو شکست ہوئی تو حضرت خالدؓ نے اُن کو معافی دینے سے انکار کیا جب تک کہ وہ ان لوگوں کو پیش نہ کریں جنہوں نے مرتد ہونے کے بعد مسلمانوں کو آگ میں ڈال کر جلا دیا تھا اور ان کے ہاتھ پاؤں ناک وغیرہ کاٹے اور اُن پر ظلم کئے تھے۔

علامہ عینی شارح بخاری لکھتے ہیں :-

''وانّما قتل الصدّیق ما نعی الزکٰوۃ لانّھم امتنعوا بالسیف و نصبو الحرب للامّۃ۔'' [2]

یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوٰۃ سے اسلئے قتال کیا کہ انہوں نے تلوار کے ذریعہ زکوٰۃ روکی اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ برپا کی۔

اور مسیلمہ کذّاب نے بھی یمامہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر فرمودہ والی ثمامہ بن اثال کو نکال کر خود اپنے حاکم ہونے کا اعلان کر دیا اور سجاح باغیہ سے جو مسلمانوں کے ساتھ قتال پر آمادہ تھی اتحاد کر لیا اور کہا :-

''آکل بقومی و قومك العرب۔'' [3]

یعنی مَیں اپنی اور تیری قوم کی مدد سے تمام عرب کو فتح کر لوں گا۔

باوجود اِن تاریخی حقائق کے مؤلفینِ تبصرہ کا یہ ادّعا کہ ارتداد کی سزا موت ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ :-

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند ہی مہینے بعد تمام صحابہؓ نے بالاتفاق مرتدین کے خلاف جنگ کی اور یہ جنگ بربنائے بغاوت نہ تھی بلکہ بربنائے ارتداد تھی۔'' [4]

ان کی قلبی کیفیات کا پورا آئینہ دار انکی دماغی کاوشوں کا ایسا شاہکار ہے جس کے متعلق کچھ کہنے سے نہ کہنا ہی بہتر ہے۔ اگر یہ قتال محض ارتداد کی بناء پر ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ارادۂ قتال سے باز رکھنے کے لئے کیوں کوشش کرتے۔ وہ مرتدین سے قتال کیلئے اسلئے راضی نہیں ہوئے تھے کہ اسلام میں ارتداد کی سزا قتل ہے بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے دیکھا کہ قتال کے لئے حضرت ابوبکرؓ کو شرح صدر ہے تو میں نے جان لیا کہ ایسا کرنا ہی درست ہے۔

تاریخی واقعات ناظرین کے سامنے ہیں وہ خود فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ حضرت صدّیق اکبرؓ کی مرتد قبائل کے ساتھ جنگ جیسا کہ مؤلفینِ تبصرہ نے یقین دلانا چاہا ہے صرف اسلئے تھی کہ وہ مرتد ہو گئے تھے اور اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے اور ارتداد کے سوا ان کے ساتھ جنگ کرنے کی اور کوئی وجہ نہ تھی۔ یا یہ کہ وہ مانعینِ زکوٰۃ بھی تھے (جو حکومت کا حق تھا) اور بانیانِ فسادات بھی باغیٔ حکومت بھی تھے اور مرتکبِ بغاوت بھی۔ اور حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ اسلئے کی تھی کہ انہوں نے اسلام پر قائم رہنے والوں کو قتل کیا اور انکے اموال لُوٹ لئے۔ مدینہ پر حملہ کرنے میں ابتداء کی اور وہ مدینے کی اسلامی حکومت کو بذریعہ شمشیر مٹا کر اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔

۵- مؤلفینِ تبصرہ کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ :-

''ارتداد کی سزا کے متعلق احادیث کے حکم کو بلا استثناء سارے ہی فقہاء نے صحیح تسلیم کیا ہے۔'' [5]

---

[1] طبری جلد۴ صفحہ ۱۹۰۰ | [2] عینی جلد۱۱ صفحہ ۲۳۶ | [3] تاریخ الخمیس جلد۲ صفحہ ۱۷۷ | [4] تبصرہ صفحہ ۱۳۶ | [5] تبصرہ صفحہ ۱۳۶

ہم نے اُوپر ثابت کر دیا ہے کہ احادیث میں محض ارتداد کی سزا موت نہیں بتائی گئی بلکہ ان میں محاربہ کی شرط لگائی گئی ہے اور آئمہ مجتہدین کے فیصلوں میں بھی **حارب اللّٰہ ورسولہ** کی شرط مقدر ماننی پڑیگی اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدآیہ اور فتح القدیر اور عنایہ میں بالتصریح لکھا ہے کہ مرتد کو قتل کرنے میں یہ ضروری ہے کہ وہ اس کے حراب یعنی جنگی شر کو دور کرنے کے لئے ہو نہ کہ اُس کے کفر اختیار کرنے کی سزا۔

پس قتل اسی شخص کے ساتھ خاص ہے جس سے حراب سرزد ہوا اسی لئے انہوں نے عورتوں کو جو جنگ نہیں کیا کرتیں مرتد ہونے پر قتل کی سزا سے مستثنیٰ کیا ہے اور خود مؤلفین تبصرہ بحث کے آخر میں لکھتے ہیں کہ ارتداد کی سزا لازماً ہر حال میں موت نہیں بلکہ انتہائی سزا ہے :-

''مذہب حنفی میں مرتد عورتوں کو مستقلاً سزائے موت سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ ابراہم نخعی مرتد کو رجوع کرنے کی غیر محدود مہلت دینے کے قائل ہیں۔'' [1]

اسی طرح اور مثالیں بھی مختلف فقہاء کے مذاہب میں ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سزائے موت کو ارتداد کی واحد سزا سمجھنے کا خیال صحیح نہیں۔'' [2]

پہلے تو مؤلفینِ تبصرہ نے بڑے کرّ وفر سے یہ دعویٰ کیا تھا کہ احادیث میں جو ارتداد کی سزا موت بیان ہوئی ہے وہ بلا استثناء سارے فقہاء کو مسلّم ہے لیکن اب خود ہی یہ اقرار بھی کر لیا کہ حضرت امام ابراہیم نخعی جیسے بلند پایہ امام جن کے ممتاز تلامذہ میں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے استاد حضرت حمادؒ تھے۔ مرتد کو رجوع کرنے کیلئے غیر محدود مہلت دینے کے قائل ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے قتل کے قائل نہیں۔ نیز یہ بھی تسلیم کر لیا کہ حنفی مرتد عورت کے قتل کو جائز نہیں سمجھتے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارتداد اختیار کرنے والے شخص کی سزا موت قرار دی ہے تو حضرت امام ابراہیم نخعی اور اُن جیسے اَور بلند پایہ بزرگ آئمہ نے اس حکمِ الٰہی کے خلاف مرتد کو غیر محدود مہلت دینے اور بعض قسم کے مرتدوں کو موت کی سزا سے مستثنیٰ کرنے کا جواز کہاں سے نکالا؟

پس حقیقت یہی ہے کہ محض ارتداد کی سزا موت نہ تو قرآن مجید میں بیان ہوئی نہ احادیث میں۔ اور نہ عقلِ سلیم ہی محض دینی اختلاف کی بناء پر یہ سزا تجویز کر سکتی ہے۔

اسلامی ریاست

پھر ان قباحتوں کی طرف اشارہ کر کے جو رپورٹ کے فاضل مؤلفین کی نگاہ میں اسلام کے اِس قانون سے لازم آتی ہیں، مؤلفینِ ''تبصرہ'' لکھتے ہیں کہ :-

''ارتداد کی سزا اِس صورت میں نہیں دی جاتی جبکہ اسلام ایک مذہب ہو بلکہ اِس صورت میں دی جاتی ہے جبکہ وہ ایک ریاست کی شکل اختیار کر لے۔'' [3]

گویا ریاست کی صورت میں اسلام کی شکل وصورت مذہب کی نہیں رہتی۔ بلکہ وہ نعوذ باللہ ہٹلری نیشنلزم کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ مؤلفینِ تبصرہ نے اِس موقع پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ قرآن مجید کے بالکل مخالف ہیں۔ ایک مذہبی عقیدہ سے ارتداد اختیار کرنے والے کو خواہ وہ اسلامی ریاست کا

---

[1] نیل الاوطار جلد ۷ صفحہ ۱۶۰ و ۱۶۲ | [2] تبصرہ صفحہ ۱۴۱ | [3] تبصرہ صفحہ ۱۳۸

ہی باشندہ کیوں نہ ہو بہ جبر واکراہ روکے جانے کا نتیجہ لازماً یہ ہوگا کہ ریاست میں منافقوں کی جماعت پیدا ہو جائے جو اسلامی تعلیم کا ہرگز منشاء نہیں ہے اور قرآن مجید میں ان اصحابِ ریاست کی جنہوں نے تبدیلیٔ مذہب پر موت کی سزائیں جاری کیں سخت مذمت کی گئی ہے اور انہیں مستوجبِ غضبِ الٰہی اور سزاوارِ جہنم قرار دیا ہے۔ مثلاً :-

فرعونی ریاست (۱) فرعون کی ریاست میں جب حضرت موسٰی علیہ السلام کا نشان دیکھ کر ساحر ایمان لے آئے تو فرعون نے اُن کو مخاطب کر کے کہا :-

"اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَا اَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ..... الٰى..... مُنْقَلِبُوْنَ o" [1]

یقیناً یہ تمہارا ایک مکر ہے جو تم نے مل کر شہر میں کیا ہے تا کہ اہل شہر کو شہر سے نکال دو (گویا بعینہٖ وہی الزام قائم کیا جو مؤلفین تبصرہ اسلامی ریاست کے ماتحت ارتداد اختیار کرنے والوں پر قائم کرنا چاہتے ہیں جس کی بناء پر ارتداد کی سزا موت ہونے کو جائز و مستحسن خیال کرتے ہیں۔ فرعون نے بھی یہی کہا) سو تم کو اپنی کرتوت کا نتیجہ بھی جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔ پہلے تو میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کٹواؤں گا پھر تم سب کو سُولی پر چڑھاؤں گا۔ وہ بولے کہ ہم تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

پھر فرعون کی مجلس شوریٰ کے ممبر یعنی سردارانِ قوم نے اپنی اجماعی رائے قائم کر کے فرعون سے کہا :-

"اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُوْنَ o" [2]

کیا آپ موسٰی اور اس کی قوم کے لوگوں کو اِس حال پر چھوڑ دینگے کہ ملک میں فساد پھیلاتے پھریں اور اُن کے لیڈر آپ سے اور آپ کے معبودوں سے سرتابی کریں؟ فرعون نے کہا ہم انکے بیٹوں کو تو قتل کر دیں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے اور یقیناً ہم ان پر غالب ہیں۔

قوم شعیبؑ کی ریاست (۲) پھر قوم شعیبؑ کے سرداروں نے شعیبؑ اور آپ پر ایمان لانے والوں کو یہ الٹی میٹم دیا :-

"لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ o" [3]

اے شعیب! یا تو ہم تم کو اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو اپنے شہر سے نکال دیں گے یا تم ہمارے مذہب میں واپس آ جاؤ۔

مطلب یہ کہ تم ہمارے آبائی مذہب سے مرتد ہو گئے ہو اسلئے ہم تمہیں نکالنے سے پہلے توبہ کا موقع دیتے ہیں۔ حضرت شعیبؑ نے انہیں جواب دیا کہ "خواہ ہم تمہارے دین سے بیزار ہوں تب بھی؟"

حضرت شعیبؑ کے اِس جواب سے دو باتیں ظاہر ہیں :-

---

[1] سورۂ اعراف ع ۱۴ | [2] اعراف ع ۱۵ | [3] اعراف ع ۱۱

(۱) اوّل یہ کہ جب ہم تمہارے دین سے بیزار ہیں تو ہم سے یہ کہاں ہوسکتا ہے کہ اسمیں واپس آئیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ بیزاری کی حالت میں واپسی ہو بھی تو اس سے تمہیں کیا فائدہ ہوسکتا ہے۔

رومی حکومت کے ماتحت یہود کی ریاست (۳) پھر حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کا پیغام لیکر آئے۔ یہود کو ان کی غلطیوں پر آگاہ کیا لیکن یہود نے اُن کے قتل کے منصوبے کئے اور کفر کا فتویٰ لگایا۔ چنانچہ سردار کاہن کائفا نے یہ سُن کر کہ وہ مسیح ہے کہا :-

''اس نے کفر بکا ہے اور دوسرے کاہنوں سے کہا کہ تم نے یہ کفر سنا ہے تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا وہ قتل کے لائق ہے۔ پھر انہوں نے اس کے مُنہ پر تھوکا اور اس کے مکے مارے اور بعض نے طمانچے مار کر کہا۔ اے مسیح! ہمیں نبوت سے بتا کہ تجھے کس نے مارا'' [۱]

''جب صبح ہوئی تو سب سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں نے یسوع کے خلاف مشورہ کیا کہ اُسے مار ڈالیں اور اُسے باندھ کر لے گئے اور پلاطس حاکم کے حوالے کیا'' [۲]

اور کہا :-

''شریعت کے موافق وہ قتل کے لائق ہے۔'' [۳]

یہاں تک کہ اُنہوں نے انواع واقسام کے دُکھ دینے کے بعد آپ کو صلیب پر لٹکا دیا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور حکمت سے آپ کو موت سے بچالیا۔ اُن میں سے بعض قتل اور بعض بے رحمی سے سنگسار کر دیئے گئے اور یہود نے آپ کے شاگرد سٹفنس پر یہ الزام لگا کر کہ ہم نے :-

''اس کو موسیٰ اور خدا کے خلاف کفر کی باتیں کرتے سُنا'' اور عام لوگوں اور فقیہوں کو اسکے خلاف اُبھار کر صدر عدالت میں لے گئے اور جھوٹے گواہ کھڑے کئے کہ یہ شخص اس پاک مقام اور شریعت کے برخلاف بولنے سے باز نہیں آتا۔ اور بالآخر اسے شہر سے باہر نکال کر سنگسار کر دیا'' [۵]

اِن ایام میں حضرت عیسیٰ کے ماننے والوں پر بڑا ظلم ہوا۔ گھروں میں گھس گھس کر مرد اور عورتیں پکڑے جاتے اور قید کر دیئے جاتے تھے۔ [۶]

رومی ریاست۔ یہ سلسلۂ مظالم تین صدیوں تک جاری رہا۔ اصحاب الکہف جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اُنہیں مظالم سے تنگ آکر تاریک وتار غاروں میں سکونت اختیار کرنی پڑی تھی اور ان غاروں میں بھی ان کا تعاقب کیا جاتا۔ اور جس وقت ہاتھ آجاتے نہایت بھیانک طریق سے قتل کر دیئے جاتے تھے۔ کیٹا کومسز آف روم ان مظالم کی زندہ گواہ ہیں۔ اور ان پر یہ مصیبت کے پہاڑ اسلئے ڈھائے جاتے تھے کہ ان کے عقائد اربابِ ریاست کے عقائد سے مختلف تھے۔

بُت پرستوں کی ایک ریاست۔ ہاں ایک اور ریاست کا ذکر سنیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح مسلم میں اصحابِ اخدود کے متعلق یہ روایت لکھی ہے کہ ایک بُت پرست بادشاہ نے ایک نوجوان کو ایک ساحر سے تعلیم حاصل کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ اپنے گھر سے ساحر کے پاس جاتا تو راستے میں ایک عیسائی راہب کے پاس بیٹھ جاتا اور اس سے توحید سیکھا کرتا۔ جب بادشاہ کو اس کا علم ہوا تو راہب گرفتار کر کے دربار میں لایا گیا اور اس سے کہا گیا **''ارجع عن دینك''** یعنی اپنے مذہب کو چھوڑ دو۔ جب اس نے انکار کیا تو آرے سے چیر کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے۔ اس کے بعد وہ نوجوان

---

[۱] متی ۲۶/۶۴-۶۷ | [۲] متی باب ۲۷ | [۳] یوحنا ۱۹/۷ | [۴] یوحنا ۲۱/۱۰ | [۵] اعمال ۵۸/۷ | [۶] اعمال ۳/۸

بھی قتل کر دیا گیا۔ اِس واقعہ کی وجہ سے بہت سے لوگ ان بُت پرستوں میں سے توحید پر ایمان لے آئے۔ اُس بادشاہ نے کچھ خندقیں تیار کروا کر ان میں آگ جلوائی اور حکم دیا :-

''من لم یرجع عن دینه فاقحموہ فیها۔''

یعنی یہ سب لوگ مرتد ہو گئے ہیں انہیں پہلے توبہ کا موقع دو اور جو شخص اپنے سابق دین کی طرف نہ لوٹے اُسے آگ میں ڈال دو۔

آخر وہ سب آگ میں ڈال کر جلا دیئے گئے۔ سورۃ البروج کی آیات **قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ** میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

مشرکینِ مکہ کی ریاست۔ اب ایک اور ریاست کا حال سنیے۔ جس میں سردارِ دو جہان قائد المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم زینت بخشِ منصبِ نبوّت ہوئے۔ آپؐ نے پیغام الٰہی کی تبلیغ شروع کی تو مشرکینِ مکہ نے آپؐ کی اس قدر شدید مخالفت کی کہ آپؐ کو پیغامِ الٰہی پہنچانا دشوار ہو گیا اور آپؐ کے ماننے والے پیاسے تڑپائے گئے۔ اور دھوپ میں جھلس دینے والی زمین پر لٹا کر سینہ پر گرم پتھر رکھے گئے۔ اور ٹھیک دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر گھسیٹے گئے۔ دو مختلف سمتوں کی طرف جانے والے اونٹوں کے ساتھ باندھ کر اور اونٹوں کو دَوڑا کر چیر ڈالے گئے اور اسی طرح اور قِسما قِسم کی اذیتوں سے قتل کئے گئے اور تین سال تک آپؐ کے ساتھ بنی ہاشم کا بھی کلی طور پر بائیکاٹ کیا گیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لے گئے تو وہاں غنڈے اور بدمعاش آپؐ کے پیچھے لگا دیئے گئے جو آپؐ پر پتھر برساتے ہوئے شہر سے باہر دُور تک آپؐ کے تعاقب میں آئے اور بالآخر تمام سردارانِ قریش نے اکٹھے ہو کر آپؐ کے قتل کا منصوبہ کیا اور کفارِ مکہ کے اپنی ریاست میں ان مظالم اور وحشیانہ جرائم کے ارتکاب کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو مرتد خیال کرتے تھے اور اسی غرض سے انہیں صابی یعنی اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر نیا مذہب اختیار کرنے والا کہتے تھے۔

قرآن مجید کی کئی آیات میں مشرکینِ مکہ کے ان مظالم کا ذکر کیا گیا ہے اور قرآن مجید میں ہی اللہ تعالیٰ نے ان ریاستوں کا اور ان لوگوں کا بھی جنہوں نے محض اختلافِ عقیدہ کی بناء پر موت کی سزا دی یہ انجام بتایا ہے کہ وہ تباہ کر دیئے گئے اور ان کا نام ونشان باقی نہ رہا۔

پس یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم میں جس امر کی بار بار مذمت کی گئی ہو اُسی کی اجازت بلکہ حُکم بھی دیا گیا ہو۔

لہٰذا

فاضل ججوں کی یہ رائے بالکل درست ہے کہ :-

(۱) ''قرآن مجید میں ارتداد پر سزائے موت کی کوئی واضح آیت موجود نہیں۔''

(۲) ''لیکن ہمارے علماء محققین اسلام کو جنگجوئی سے کبھی علیحدہ نہیں کریں گے۔'' [۱]

غیر مسلموں کا حق تبلیغ

فاضل ججوں نے سزائے ارتداد اور غیر مسلموں کے حقِ تبلیغ کے مسئلہ کو باہم مربوط قرار دیکر لکھا ہے کہ :-

''مولانا ابوالحسنات، غازی سراج الدین منیر اور ماسٹر تاج الدین انصاری نے اس کا اعتراف کیا ہے (صرف آخر الذکر نے اس معاملے میں اپنی رائے کو علماء کی رائے کے ماتحت رکھا ہے) کہ ایک اسلامی مملکت میں اسلام کے سوا کسی اور مذہب کو کھلم کھلا تبلیغ کی اجازت نہ ہوگی۔''

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۳۸

''مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے خیالات بھی اس موضوع پر اسی قسم کے ہیں جو انہوں نے اپنے کتابچہ ''اسلام میں مرتد کی سزا'' میں ظاہر کئے ہیں۔''

فاضل جج اس نظریہ کا ذکر کر کے کہ ارتداد کی سزا موت ہوگی اور اسلام کے خلاف کسی حملے یا خطرے کو بھی غداری قرار دیا جائیگا اور اس کی سزا بھی وہی ہوگی جو ارتداد کی ہے۔ لکھتے ہیں :-

''تو اس کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر غیر مسلم مذہب کی کھلم کھلا تبلیغ ممنوع قرار پائے گی۔'' [1]

فاضل ججوں کا یہ نتیجہ ایک بدیہی نتیجہ ہے لیکن مؤلفین تبصرہ کے نزدیک یہ نتیجہ غلط اور اس کا یہ طریق تحقیق غیر موزوں ہے کہ :-

(الف) ''ایک آدھ عالمِ دین اور چند دوسرے لیڈروں سے عدالتی جرح میں دس پانچ معیّن اور سرسری سوالات کر کے ان مختصر الفاظ کو لیا جائے اور پھر ایک رائے قائم کر لی جائے۔'' [2]

گویا مولوی ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری صدر جمیعتہ العلمائے پاکستان پر یہ سوال بھی اچانک کیا گیا تھا اور عالمِ حیرت میں انہوں نے یہ جواب دیدیا کہ غیر مسلموں کو اسلامی حکومت میں اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت نہ ہوگی۔ العجب!

(ب) ''باقاعدہ علمی طریقے پر تحقیقات کی جاتی تو حسب ذیل حقائق سامنے آسکتے تھے۔

(۱) ارتداد اسلامی قانون میں بلاشبہ جرم ہے مگر صرف اسلام سے ارتداد نہ کہ ہر مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب میں شامل ہوجانا۔''

مگر یہ تو فاضل ججوں نے بھی نہیں لکھا۔ شاید علمی تحقیق کے مکمل نتائج پیش کرنے کے لئے ذکر کر دیا گیا ہے۔

(۲) ''ارتداد صرف مسلمان کیلئے جرم ہے جو خود مرتد ہو نہ کہ غیر مسلم کیلئے جس کے اثر سے متاثر ہو کر کوئی مسلمان مرتد ہوجائے۔'' [3]

گویا مؤلفین تبصرہ کے نزدیک زہر مہیا کرنے اور اس کے کھانے کی ترغیب دینے والا تو مجرم نہیں ہوگا صرف کھانے والا مجرم ہوگا۔

مؤلفین تبصرہ نے سینما کی جو مثال دی ہے وہ بھی قطعاً بے محل ہے۔ کیونکہ سینما دکھانے والوں کا یہ منشاء کہاں ہوتا ہے کہ اُسے دیکھ کر کوئی فریب دہی یا سرقہ کا مجرم بنے لیکن تبلیغ کرنے والوں کا تو سوائے اس کے کوئی اور مقصد ہی نہیں ہوتا کہ سننے والا اسکے مذہب کو قبول کرے۔ اگر اپنے مذہب کو چھوڑ کر اس مذہب کو اختیار کرنیکی سزا قانون میں موت ہوگی تو یقیناً دنیا کی کوئی سمجھدار حکومت اسکی تبلیغ و اشاعت کی اجازت نہیں دیگی۔

پھر مؤلفین تبصرہ ارتداد کی سزا موت تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

(۳) ''غیر مسلم اپنی مذہبی کتابیں چھاپ سکتا ہے۔ اپنے مذہب کی تعلیمات کو اور اُن خوبیوں کو جو اسکے نزدیک اس کے مذہب میں ہیں تحریر و تقریر میں بیان کر سکتا ہے اور قانون کے حدود میں رہتے ہوئے مسلمانوں سے مذہبی مباحثہ بھی کر سکتا ہے بلکہ اپنے وہ اعتراضات اور شبہات بھی بیان کر سکتا ہے جو وہ اسلام کے بارے میں رکھتا ہو۔ اس کی کوئی ممانعت ہمیں کہیں نہیں ملی۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عیسائی، یہودی اور دوسرے لوگ دارالاسلام میں آتے تھے اور حضورؐ

[1] رپورٹ صفحہ ۲۳۸ | [2] تبصرہ صفحہ ۱۴۳ | [3] تبصرہ صفحہ ۱۴۳

سے برسرِ عام مباحثہ کرتے تھے۔ مذہبی مباحثہ اِس بات کو یہ ملتزم ہے کہ فریقِ ثانی اپنے مذہب کی خوبیاں بھی بیان کرے اور اسلام پر تنقید بھی کرے۔ اسلام اپنے آپ کو دلائل کے لحاظ سے مفلس نہیں پاتا کہ وہ استدلال کے میدان میں مقابلہ کرنے کے بجائے فوجداری عدالت کے ذریعہ سے مخالف مذہبوں اور مسلکوں کا مقابلہ کرے۔'' [1]

اگر مؤلفین تبصرہ کا یہی عقیدہ ہے تو وہ بتائیں کہ کسی غیر مسلم کی تبلیغ اور اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنے اور مباحثہ اور اسلام پر تنقید کرنے کے نتیجہ میں ان ۹۹۹ رفی ہزار پیدائشی مسلمانوں میں سے جو بقول مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ''محض مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہونیکی وجہ سے اہل کتاب کی طرح نسلی مسلمان ہیں۔'' [2] بعض غیر اسلام مذہب قبول کرلیں تو آپ کے نزدیک اُن کی سزا موت ہوگی یا نہیں۔ جب آپ کے نزدیک اُن کی سزا یقیناً موت ہوگی تو کیا اس لغویت کا نام قانون رکھا جاسکتا ہے کہ ایک طرف تو مسلمانوں کو مرتد بنانے کے لئے غیر مُسلموں کو اپنے مذہب کی تبلیغ اور اسلام کی تنقیص وتنقید کی اجازت دیدی جائے اور دوسری طرف یہ تنبیہہ بھی کی جائے کہ جو شخص اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کریگا وہ موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ مؤلفین تبصرہ اس کا نام قانون رکھیں تو رکھا کریں لیکن ظاہر ہے کہ نہ یہ تبلیغ کی آزادی ہے نہ ضمیر کی۔

یہی وجہ ہے کہ احرار کی مجلس عاملہ کا مجلس دستور ساز سے یہ مطالبہ تھا کہ :-

''پاکستان میں غیر مُسلم تبلیغی اداروں اور خصوصاً مرزائیوں کی تبلیغی سرگرمیوں پر کامل پابندی عائد کردی جائے تاکہ ملک میں ارتداد کا فتنہ برپا نہ ہو اور مسلمانوں کو جوابی کاروائیوں کی ضرورت نہ پڑے۔'' [3]

اخبار آزاد لکھتا ہے :- ''اسلامی حکومت میں غیر اسلامی مذہب کو تبلیغ کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔'' [4]

اور جیسا کہ فاضل ججوں نے لکھا ہے۔ مولانا مودودی صاحب کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو تبلیغ کی اجازت نہ ہوگی چنانچہ ۱۹۴۵ء میں جب ایک شخص نے اُن سے سوال کیا کہ :-

''کیا اسلامی ریاست میں ایک قادیانی اپنے مذہب کی تبلیغ کرسکے گا؟ تو آپ نے جواب دیا :-

''ہمارے ہاں اگر کوئی شخص دین سے نکلنے کا اعلان کرتا ہے تو وہ صرف شخصی زندگی ہی نہیں بدلتا بلکہ ہمارے ریاستی نظام سے بغاوت کرتا ہے اور ملک میں فساد برپا کرتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص باہر سے آکر اپنے مذہب کی تبلیغ کرتا ہے تو اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ ہمارے اندر آکر ہمارے نظامِ اجتماعی کے خلاف ہمارے لوگوں کو بغاوت کی دعوت دیتا ہے۔ ان چیزوں کو دُنیا کی کوئی ریاست گوارا نہیں کرسکتی۔

اسی اصول کے ماتحت اب ان لوگوں کے مسئلہ پر غور کیجئے جو مسلمانوں کے اندر سے خدا کے قانون سے بغاوت کریں۔ ظاہر ہے کہ یہ ان لوگوں میں داخل نہیں ہوسکتے جن کی طرف نبی کی بعثت براہِ راست نہیں ہوئی (یعنی مسلمان لوگ) کہ ذمیوں میں شمار ہوسکیں۔ لازماً ان لوگوں میں شمار ہوں گے جن پر حق واضح ہو چکا ہے یا جن کے لئے وضاحتِ حق کے تمام وسائل موجود ہیں..... اب اگر وہ خدا کے قانون سے بغاوت کرتے ہیں تو آخر خدا کا قانون اُن کو کس غرض کے لئے مہلت دیگا۔ اب انکی ہدایت کے لئے کس چیز کا انتظار باقی ہے۔ ان لوگوں کو سورۂ مائدہ کی آیت **اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا** ۔ الآیۃ کی رُو سے امام قتل کردینے کا مجاز ہے۔'' [5]

---

[1] تبصرہ صفحہ ۱۴۴ | [2] سیاسی کشمکش حصہ سوم بار ششم صفحہ ۱۲۲/۱۰۶ | [3] ''آزاد'' ۱۰/اگست ۱۹۵۰ء | [4] ''آزاد'' ۹/اکتوبر ۱۹۵۰ء | [5] ترجمان القرآن ستمبر و اکتوبر ۱۹۴۵ء

مولانا مودودی صاحب کی اس وضاحت کے بعد مؤلفینِ تبصرہ کا یہ کہنا کیونکر درست ہوسکتا ہے کہ :-

''جو چیز اسلامی ریاست میں ممنوع ہے وہ ایک مخالفِ اسلام دعوت اور تحریک کا اُٹھنا ہے۔'' [1]

کیونکہ مولانا کے مذکورہ بالا ارشاد سے ظاہر ہے کہ ہر وہ شخص جو اسلامی ریاست میں دین سے نکلنے کا اعلان کریگا وہ باغی ہوگا۔ اسلام پر تنقید و اعتراضات کی اجازت تو کجا کسی غیر مسلم کی مذہبی تبلیغ بھی برداشت نہیں کی جائیگی۔ مزید برآں ہر غیر صالح مسلمان کے مذہبی خیالات وافکار کا اظہار بھی بغاوت کے مترادف ہوگا۔ گویا جماعت اسلامی کے مخالف مسلمان جماعتیں بھی اگر اپنے مخصوص اسلامی خیالات کا اظہار کرینگی تو وہ بھی باغی شمار ہونگی اور اُن کی سزا بھی قتل ہوگی۔

اِس صورت میں مؤلفین تبصرہ کی فاضل ججوں کی رائے پر یہ طنزیہ تنقید کہ ''اثر و نتیجہ کے لحاظ سے یہ گویا ایک تنبیہ ہو جائیگی تمام عیسائی مشنریوں کو اور ان کی پشت پناہ مغربی قوموں کے لئے کہ ''ملّا کا راج'' کیا رنگ لانے والا ہے۔[2] '' کوئی معنی نہیں رکھتی۔ جبکہ ارتداد کی سزا موت قرار دینے کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ غیر مسلموں کو تبلیغ کی اجازت نہ دی جائے۔

غیر مسلم حکومتوں میں اس کا ردِّ عمل

ظاہر ہے کہ اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا یہ اوّلین فرض قرار دیا ہے کہ تمام دُنیا میں اس کی اشاعت کی جائے۔ اور اگر یہ درست ہے کہ فی الحقیقت اسلام کا قانون یہی ہے کہ اسلامی حکومت میں مرتد کی سزا قتل ہے اور غیر مسلم مذاہب کو اپنے اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت نہیں دی جاسکتی تو ردِّ عمل کے طور پر اگر غیر مسلم حکومتیں بھی اپنے اپنے ملک میں اسلام کو اپنے مذہب کے مخالف تحریک قرار دیکر مسلمانوں کو تبلیغ کی اجازت نہ دیں اور یہ قانون بنادیں کہ اُن کے مذہب کو چھوڑ کر اسلام اختیار کرنے والے کو موت کی سزا دی جائے تو عقلاً اور انصافاً اُن پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟ اور کیا اس کا نتیجہ یہ نہیں ہوگا کہ اسلام کی تبلیغ رُک جائے؟

ہر چہ بر خود مپسندی بر دیگراں ہم مپسند

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

''احبّ للناس ما تحبّ لنفسك تكن مؤمناً''

یعنی تم مومن اس وقت ہوگے جبکہ تم دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔

پس جب تم اپنے لئے یہ پسند کرتے ہو کہ تمہیں تبلیغ اسلام اور اظہار رائے کی آزادی ہو اور نہیں چاہتے کہ غیر مسلموں میں سے مسلمان ہونیوالوں کو کوئی قتل کرے تو تم دوسروں کیلئے یہ کس طرح پسند کرتے ہو کہ انہیں اپنے مذہب کی تبلیغ کا حق اور اظہارِ رائے کی آزادی حاصل نہ ہو۔ اور اگر وہ تبلیغ کا کوئی موقع پائیں اور اُن کی تبلیغ سے کوئی شخص تمہارے مذہب سے نکل کر اُن کے مذہب میں داخل ہو جائے تو تم بغیر اسکے کسی اَور لائق قتل جُرم کے محض تبدیلیٔ مذہب کی وجہ سے اسکو قتل کردو۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا
کہ جو کوئی تم سے کرتا تمہیں ناگوار ہوتا

---

[1] تبصرہ صفحہ ۱۴۵ | [2] تبصرہ صفحہ ۱۴۲

خاتمہ

مطالبات

کیا بچّہ ابھی تک زندہ ہے؟

چونکہ مجلس عمل نے اس نوٹس میں جو اُس نے وزیراعظم کو دیا تھا یہ مطالبہ کیا تھا کہ اگر وہ مطالبات قبول کرنے پر آمادہ نہیں تو اپنے عہدے سے استعفا دیدیں ورنہ بصورت عدم منظوری مطالبات ڈائریکٹ ایکشن کیا جائے گا۔ اسلئے فاضل جج لکھتے ہیں :-

''بعد میں رونما ہونیوالے فسادات کا براہِ راست باعث مطالبات کو ہی قرار دیا جائے گا۔'' [1]

مطالبات کیا تھے؟

مطالبات تین تھے :-

۱- پہلے مطالبے میں حکومت سے کہا گیا تھا کہ احمدیوں کے قادیانی فرقے کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

۲- دوسرے مطالبے کا منشاء یہ تھا کہ چودھری ظفر اللہ خان وزیرِ خارجہ کے عہدے سے برطرف کئے جائیں۔

۳- اور تیسرا (مطالبہ) یہ تھا کہ وہ احمدی جو مملکت کے کلیدی عہدوں پر فائز ہیں موقوف کر دیئے جائیں۔ [2]

مطالبات مذہبی نوعیت کے تھے

فاضل جج لکھتے ہیں کہ :-

''ہمارے سامنے سب جماعتوں نے تسلیم کیا ہے کہ اِن تینوں مطالبات کی نوعیت سیاسی نہیں بلکہ قطعی طور پر مذہبی ہے..... اصل بات یہ ہے کہ کوئی شخص جو ڈائریکٹ ایکشن میں شامل تھا ان مطالبات کی سیاسی نوعیت کو تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اگر وہ ایسا کرتا تو براہِ راست فسادات کا ذمہ وار ٹھہرتا۔ ہر متعلقہ شخص نے اِن مطالبات کی مذہبی نوعیت پر اسلئے زور دیا کہ اس پر کہیں ایک دنیاوی مقصد کی خاطر فسادات برپا کرنے کی ذمہ واری عائد نہ ہو جائے۔'' [3]

کیا مطالبات متفقہ اور عوامی تھے؟

مؤلفین تبصرہ نے اِن مطالبات کو متفقہ اور عوام کے مطالبات قرار دیا ہے اور اس کی ایک دلیل یہ دی ہے کہ سرکاری دفتروں کے ملازمین نے ہڑتال کر دی تھی اور کالجوں کے طلبہ درس چھوڑ کر نکل آئے تھے۔ اور سکرٹریٹ اور دوسرے دفتروں کے کلرکوں نے کام چھوڑ دیا اور باہر نکل آئے اور آئی جی پولیس نے بقول چندریگر یہ کہہ دیا تھا کہ وہ اس مسئلہ میں پولیس کے جوانوں کی وفاداری پر پورا اعتماد نہیں کر سکتا اور میاں انور علی نے کہا تھا کہ پولیس کے جونیئر افسروں کے نزدیک مطالبات منظور کر لینے چاہئیں۔ [4]

---

[1] رپورٹ صفحہ ۱۹۴ | [2] رپورٹ صفحہ ۱۹۴ | [3] رپورٹ صفحہ ۱۹۴ | [4] تبصرہ صفحہ ۲۰۳-۲۰۴

اصل واقعات جیسا کہ رپورٹ میں لکھے ہیں یہ ہیں کہ :-

''۵/مارچ کو جبکہ حکومت اور احمدیوں کے اموال و جائداد کو آگ لگانے اور لوٹنے کا ہنگامہ جاری تھا۔قتل،لوٹ اور آتشزدگی کے واقعات ہو رہے تھے۔ اسلامیہ کالج کے طالب علم بھی کلاسیں چھوڑ کر دیال سنگھ کالج گئے اور اس کالج کے طالب علموں کو اپنے میں شامل ہونے پر آمادہ کرلیا اور انہوں نے خشت باری کر کے دروازوں اور کھڑکیوں کے شیشے توڑ ڈالے اور پرنسپل کی موٹر کار کو بھی توڑ پھوڑ دیا۔

اسی روز سائیکلوسٹائل سے چھاپے ہوئے اشتہار دیواروں پر چسپاں کئے گئے جن میں پولیس کے آدمیوں سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہتھیار ڈال دیں کیونکہ حکومت کے خلاف جدّ وجہد ایک جہاد ہے۔'' [1]

اور اسی روز یعنی ۵/مارچ کو جبکہ پولیس کے حوصلے پست ہو چکے تھے اور ان کے افسروں کو خوف لاحق ہو گیا تھا کہ پولیس کے ان ملازموں کے خلاف جو شہر میں رہتے ہیں انتقامی کاروائیاں کی جائیں گی انسپکٹر جنرل پولیس نے کہہ دیا کہ وہ اس مسئلے پر پولیس کے جوانوں کی وفاداری پر پورا اعتماد نہیں کر سکتے۔اور اُن کی رائے میں زود یا بدیر صورتِ حالات پر قابو پانے کا کام فوج کے حوالے کرنا ہی پڑے گا۔اور میاں انور علی نے کہا کہ پولیس کے جونیئر افسروں کے نزدیک مطالبات منظور کر لینے چاہئیں۔'' [2]

رپورٹ کے اس حصّہ سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ مطالبات عوامی اور جمہور کے تھے۔کیا ایک یا دو کالجوں کے بعض طلباء کا شور وشغب میں شامل ہو جانا اور پولیس کے جونیئر افسروں کا ''انتقامی کاروائیوں'' کے خوف سے یہ کہنا کہ مطالبات منظور کر لینے چاہئیں مطالبات کے جمہوری اور عوامی ہونے کی دلیل بن سکتا ہے؟

کیا پولیس کے سینئر افسروں اور دیگر ملازمینِ پولیس کے مقابلے میں یہ چند جونیئر افسر اور لاہور کے لاکھوں امن پسند شہریوں کے مقابلے میں ایک دو کالجوں کے طالب علم اور چند دفاتر کے کلرک جمہور اور عوام تھے؟

سنئے! اسی روز یعنی ۵/مارچ کو سہ پہر کے جلسہ میں جس میں گورنر اور چیف منسٹر بھی موجود تھے،مسٹر احمد سعید کرمانی،ایم ایل اے نے کہا :-

''اِس تحریک کی قیادت اب زیادہ تر بازاری غنڈوں اور دوسرے غیر ذمّہ دار اشخاص کے ہاتھ میں ہے اور تعلیمیافتہ لوگ اس کے ساتھ نہیں ہیں۔'' [3]

اور خود مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے خط مؤرخہ ۲۲/فروری ۵۳ء بنام مجلس عمل سے صاف ثابت ہے کہ احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کا مطالبہ عوام اور جمہور کا نہیں ہے۔لکھتے ہیں :-

''مَیں اس سے پہلے بھی مجلس عمل کے ذمہ دار حضرات کو لکھ چکا ہوں اور پھر آخری طور پر عرض کرتا ہوں کہ اسوقت کسی خاص ایجی ٹیشن کیلئے فضا بالکل تیار نہیں ہے۔اسکی دو وجوہ ہیں۔

اوّل یہ کہ پنجاب سمیت سارے ملک میں تعلیمیافتہ پبلک کو قادیانیوں کے بارے میں ہمارے مطالبہ کی صحت پر اب تک مطمئن نہیں کیا جاسکا۔

دوئـــــم یہ کہ عوام الناس بھی صرف پنجاب اور بہاولپور ہی میں اِس مطالبہ کی حمایت کیلئے تیار کئے جاسکے ہیں۔باقی تمام صوبوں اور سب سے بڑھ کر بنگال کے عوام اس سے بالکل غیر متاثر ہیں۔اِس صورت میں صرف پنجاب اور بہاولپور کے عوام کو لڑا کر آخر کیسے کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔'' [4]

---

[1] رپورٹ صفحہ ۱۶۱-۱۶۲ | [2] رپورٹ صفحہ ۴۱۲ | [3] رپورٹ صفحہ ۱۶۳ | [4] ''یہ گرفتاریاں کیوں'' مؤلفہ ناظم شعبہ نشرواشاعت جماعت اسلامی پاکستان۔صفحہ ۲۹

اس تحریر سے ظاہر ہے کہ ۲۲ر فروری ۵۲ء تک اس مطالبہ کو عوام کی تائید حاصل نہیں تھی بلکہ بہت تھوڑے لوگ تھے جو اس کیلئے تیار کئے جا سکے تھے۔ پنجاب اور بہاولپور کے عوام کے سوا دوسرے کسی صوبہ کے عوام اس تحریک سے وقف نہیں تھے اور پنجاب کے تعلیمیافتہ طبقہ کی اکثریت بھی مطالبات کی صحت پر مطمئن نہیں تھی۔ اور جو مطالبہ کیلئے تیار ہوئے تھے وہ بھی خود تیار نہیں ہوئے تھے بلکہ بڑی کوششوں سے تیار کئے گئے تھے۔ پس ایسے مطالبات کو متفقہ اور عوامی قرار دینا ایک فاش غلط بیانی ہے۔

عدالت کا فیصلہ

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے مذکورہ بالا بیان کی طرف اشارہ کر کے فاضل جج لکھتے ہیں :-

''لہٰذا مطالبات کے متعلق یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ اوّلاً احرار کے اور بعد میں علماء کے مطالبات ہیں۔'' [۱]

اور لکھتے ہیں کہ ان مطالبات کو :-

''اسلام کے تمام فرقوں کے متفقہ مطالبات سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ہمارے سامنے یہ دعویٰ کسی نے نہیں کیا کہ ہر مذہبی گروہ یا انجمن نے جن میں سے بعض کے اپنے آئین و دستور موجود ہیں الگ الگ اس موضوع پر بحث کی ہے اور اسکے متعلق اپنے آئین کے ماتحت قرار دادیں منظور کی ہیں۔ جو کچھ ہوا وہ یہ ہے کہ ہر مذہبی گروہ کا کوئی رکن یا بعض ارکان (خواہ وہ عہدہ دار ہوں یا نہ ہوں) کنونشن میں اس گروہ کی نمائندگی کیلئے چُن لئے گئے۔ اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ مطالبات تمام مذہبی گروہوں کے متفقہ مطالبات ہیں تو یہ دعویٰ صرف اِس حد تک صحیح ہے کہ ملک کے نہایت اہم مذہبی گروہوں میں سے کسی رُکن یا چند ارکان نے مطالبات کے متعلق استحسان ظاہر کیا ہے۔'' [۲]

عوامی مطالبہ کی حقیقت

فاضل جج لکھتے ہیں :-

''ہمارے نزدیک لوگ جس چیز کو عوامی مطالبہ کہتے ہیں وہ کوئی ایسی مقدس چیز نہیں ہوتی۔ اگرچہ وہ مطالبہ کسی حقیقی بات پر مبنی نہ ہو لیکن اگر اسکو ایک مقبولِ عام اخبار اور ایک فصیح البیان مقرر کی تائید حاصل ہو جائے تو اسکو خاص تقویت پہنچ جاتی ہے۔'' [۳]

اور لکھتے ہیں کہ احمدی اور سرکاری افسروں کے سوا جو دوسرے لوگ فسادات کا شکار ہوئے :-

''وہ دو طبقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک وہ لوگ جنہوں نے درجۂ شہادت حاصل کرنیکی کوشش کی اور دوسرے وہ جو اپنے مجرمانہ منصوبوں کو پورا کرنے کیلئے ایسے موقعوں سے ناجائز فائدہ اٹھایا کرتے ہیں۔ ان دونوں طبقوں میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو قانون وانتظام کی صورتِ حالات اور مقاصد کی جنگ میں کوئی امتیاز کر سکتا۔ مذہبی دیوانہ تمام حالات میں یہی سمجھتا ہے کہ کوئی بخاری اسے اس کا یقین دلا دے۔ چور اور بدمعاش کو اس بات کی پروا نہیں ہوتی کہ وہ جس چیز کیلئے اپنی جان کو خطرے میں ڈالتا ہے وہ ناموسِ رسولؐ ہے یا بائیسکل کی درجن بھر ٹیوبیں ہیں۔ یہاں بھی صرف کسی بخاری کا یہ اعلان چاہیئے کہ ناموسِ رسولؐ خطرے میں ہے۔'' [۴]

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۳۶۴ | [۲] رپورٹ صفحہ ۱۹۵ | [۳] رپورٹ صفحہ ۳۲۴ | رپورٹ صفحہ ۳۲۲

مولانا مودُودی صاحب اور عوامی مطالبہ

مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں :-

''ایک قوم کے تمام افراد کو محض اِس وجہ سے کہ وہ نسلاً مسلمان ہیں حقیقی معنی میں مسلمان فرض کر لینا اور یہ امید رکھنا کہ اُن کے اجتماع سے جو کام بھی ہوگا اسلامی اصول ہی پر ہوگا پہلی اور بنیادی غلطی ہے۔ یہ انبوہِ عظیم جسکو مسلمان کہا جاتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اسکے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق اور باطل کی تمیز سے آشنا ہیں۔ نہ اُن کا اخلاقی نقطہ نظر اور ذہنی رویہ اسلام کے متعلق تبدیل ہوا ہے۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آ رہا ہے.....ان کی کثرت رائے کے ہاتھ میں باگیں دیکر اگر کوئی شخص یہ امید رکھتا ہے کہ گاڑی اسلام کے راستے پر چلے گی تو اسکی خوش فہمی قابلِ داد ہے۔'' [1]

احرار شورش کے وقت نہ معلوم مولانا مودودی صاحب کے نزدیک ان ۹۹۹ فی ہزار افراد کی ماہیئت کیسے بدل گئی اور وہ آناً فاناً صالح جمہور کے زمرہ میں کیسے شامل ہو گئے کہ انکی آواز کو ملّت و ملک کی حقیقی آواز قرار دیا گیا۔ ممکن ہے مولانا صاحب اُن کے رنگ میں رنگین ہو گئے ہوں۔ فاضل ججوں نے جماعت اسلامی کے متعلق بالکل درست لکھا کہ :-

''ہمارے نزدیک جماعت کے ذہن کی کیفیت صحیح صحیح یہ تھی کہ گرچہ وہ اس پروگرام کو جائز نہ سمجھتی تھی جو ڈائریکٹ ایکشن کی قرارداد کی تعمیل کیلئے طے ہوا تھا لیکن وہ شروع سے آخر تک اپنے حقیقی خیالات کا دلیرانہ اور دیانت دارانہ اعلان اِس خوف کی وجہ سے نہ کر سکی کہ مبادا وہ عوام میں غیر ہر دلعزیز ہو جائے لہٰذا وہ اپنی ذہنیت اور اپنے رویّے کے اعتبار سے کسی دوسری سیاسی شخصیت یا انجمن سے مختلف نہ تھی اور دوسروں ہی کی مانند ہر ایسے اقدام سے خائف تھی جو اسے عوامی تنقید کا نشانہ بنا دے۔'' [2]

کیا مطالبات کا بچّہ ابھی زندہ ہے؟

مؤلفینِ تبصرہ لکھتے ہیں کہ عدالت نے :-

''مطالبات کے خلاف خالص عقلی اور واقعاتی لحاظ سے کمزور اور بودے مگر مخالفِ مذہب عنصر کیلئے انتہائی دلفریب دلائل پیش کر کے کسی حد تک اِس امر کا تو بندوبست کر دیا کہ اِس بچّے کو ٹھکانے لگانے کیلئے یہ مطالبات کبھی قبول نہ کئے جائیں لیکن دوسری طرف عام مسلمانوں کو مطالبات کے غلط ہونے پر مطمئن کرنے کیلئے کوئی مواد نہیں دیا۔''

''اس نے صرف اس منفی بات پر اتفاق کر لیا کہ ان مطالبات کو رد کر دیا جائے مگر خود اس قضیے کو آخر کیسے حل کیا جائے اِس باب میں کوئی مثبت تجویز پیش نہیں کی۔ اسکے معنے یہ ہیں کہ یہ فتنہ خیز بچّہ صرف زندہ ہی نہ رہیگا بلکہ شاہ راہِ عام پر کھڑا روتا اور بسورتا رہے گا تا کہ پہلا موقع ملتے ہی کوئی نہ کوئی اَور فتنہ پرداز بڑھ کر اُسے گود میں اٹھالے اور پھر ایک شورِ محشر برپا کر دے۔'' [3]

اور مؤلفِ محاسبہ نے لکھا ہے کہ فاضل ججوں کی رائے میں :-

''مطالبات کا یہ بچّہ جسے احرار نے پیدا کیا اور علمائے اسلام نے اپنایا اور دولتانہ نے کراچی کی جانب نہر کھدوائی اور اس بچے کو صندوق میں ڈالکر اس نہر میں مرکزی حکومت کی طرف بہا دیا ''ابھی زندہ ہے اور انتظار کر رہا ہے کہ کوئی آئے اور اُسے اُٹھالے۔'' [4]

---

[1] مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصّہ سوم صفحہ ۱۰۵ | [2] رپورٹ صفحہ ۲۷۱ | [3] تبصرہ صفحہ ۲۰۷ | [4] محاسبہ صفحہ ۳۵-۳۶

رپورٹ کیا کہتی ہے؟

۱۔ ''وزیر اعلیٰ پنجاب نے لاہور میں ۳۰؍اگست (۱۹۵۲ء) اور پھر راولپنڈی میں ۱۱؍ستمبر کو تقریر کرتے ہوئے صاف صاف کہہ دیا کہ احمدیوں کو علیحدہ اقلیت قرار دینے کے لئے کوئی دلیل جواز نہیں۔'' ۱

۲۔ حکومت پنجاب۔ وزیر اعظم نے ۲۶؍فروری ۱۹۵۳ء کو مرکزی کابینہ کا اجلاس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ پنجاب اور صوبہ سرحد کے نمائندوں کو بھی اِس اجلاس میں شامل ہونیکی ہدایت کی گئی اور پنجاب کی طرف سے مسٹر محمد حسین چٹھہ وزیر مال، مسٹر غیاث الدین احمد ہوم سیکرٹری اور مسٹر انور علی انسپکٹر جنرل پولیس شامل ہوئے۔ فاضل جج لکھتے ہیں :۔

''پنجاب کے نمائندوں کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ مرکزی حکومت کو بتا دیں کہ حکومت پنجاب کی رائے میں مطالبات غیر معقول ہیں اور سختی سے ان کی مزاحمت ہونی چاہیئے۔'' ۲

مسٹر چٹھہ نے اِس اجلاس میں کہا کہ :۔

''حکومت پنجاب کی رائے یہ ہے کہ وہ تحریک کے آگے جُھک نہیں سکتی۔ یہاں جو فیصلہ بھی ہوگا پنجاب اس پر عملدرآمد کریگا۔ خان عبدالقیوم خان نے پنجاب کے خیالات کی حمایت کی اور کہا کہ تحریک کو کچل دینا چاہیئے۔ خواجہ شہاب الدین نے ان کی تائید کی اور کہا کہ حکومت کو ایک قطعی غلط مسئلہ پر مُلاّؤں کے آگے نہیں جھکنا چاہیئے۔'' ۳

۳۔ خواجہ ناظم الدین صاحب۔ ۲۲؍فروری ۱۹۵۳ء کو خواجہ صاحب سے علماء کے ایک وفد کی ملاقات ہوئی جس میں مطالبات کا اعادہ کیا گیا۔ لیکن اِس دفعہ ارکان کو واضح طور پر بتا دیا گیا کہ :۔

''نہ مطالبات تسلیم کئے جاسکتے ہیں اور نہ خواجہ ناظم الدین ان کو دستور ساز اسمبلی میں پیش کرنے پر آمادہ ہیں۔'' ۴

۴۔ مرکزی حکومت کا فیصلہ:۔ ۲۷؍فروری ۱۹۵۳ء کو مرکزی حکومت نے حکومت پنجاب کو مطالبات کے متعلق ''ایک نہایت فوری''، ''انتہائی مرجح''، خفیہ او.ٹی.پی مرموز تار کے ذریعہ اپنا فیصلہ پہنچایا اور وہ فیصلہ یہ تھا :۔

۱۔ ''احمدی ہوں یا پاکستانیوں کا کوئی دوسرا طبقہ ہو اس کو اس کی خواہشات کے خلاف اقلیت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ امر حکومت کے وظائف میں داخل نہیں ہے کہ وہ کسی گروہ کو زبردستی اقلیت بن جانے پر مجبور کرے۔''

۲۔ ''احمدیوں کو صرف اِس بناء پر کہ وہ احمدی ہیں حکومت کے کلیدی عہدوں سے برطرف نہیں کیا جاسکتا نہ عزت مآب وزیر خارجہ کی برطرفی کا مطالبہ محض اِس بناء پر کہ وہ احمدی ہیں قابلِ توجہ ہوسکتا ہے۔ کسی وزیر کو عہدے سے برطرف کرنے کیلئے ایک آئینی مشینری مہیّا ہے۔ جب تک کسی وزیر کو اپنے رفقائے کار کا اور مرکزی اسمبلی میں منتخب نمائندگانِ جمہور کا اعتماد حاصل رہے اسکو عہدے سے برطرف نہیں کیا جاسکتا۔

کوئی وزیر محض اسلئے عہدے سے برطرف نہیں ہوسکتا کہ عوام کا ایک طبقہ ڈائریکٹ ایکشن کی دھمکی دیکر اسکی برطرفی کا مطالبہ کررہا ہے۔ کوئی سرکاری ملازم خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم حکومت کے ماتحت عہدے سے محض اپنے مذہب کی وجہ سے موقوف نہیں کیا جاسکتا۔'' ۵

---

۱ رپورٹ صفحہ ۱۱۳ | ۲ رپورٹ صفحہ ۱۴۷ | ۳ رپورٹ صفحہ ۳۸۸ | ۴ رپورٹ صفحہ ۱۳۸ | ۵ رپورٹ صفحہ ۱۴۹

عدالت کی اپنی رائے

فاضل جج لکھتے ہیں :-

''صوبائی حکام کو خوب معلوم تھا کہ مرکز کسی حالت میں بھی مطالبات کو منظور نہیں کر سکتا۔ اور اگر کوئی فیصلہ ہوا بھی تو وہ نامنظوری ہی کا فیصلہ ہوگا لیکن وہ مُصر رہے کہ کوئی فیصلہ ضرور ہونا چاہیئے۔ اور مرکز جسکے نمائندہ خواجہ ناظم الدین تھے کھلم کھلا یہ کہنا نہیں چاہتے تھے کہ وہ مطالبات کو مسترد کر رہا ہے کیونکہ خواجہ صاحب کے نزدیک ایسے فیصلے سے ان کا علماء سے تصادم ہو جائے گا۔

ہمارا خیال ہے کہ یہ مطالبات بغیر کسی مذہبی احتیاط کے، بغیر امنِ عامہ کو خطرے میں ڈالے اور بغیر حسیاتِ عامہ کو صدمہ پہنچائے مسترد کئے جا سکتے تھے لیکن ہمارے نزدیک قانون وانتظام کے صورتِ حالات کے مقاصد کے لئے اُن کا جواب دینا بالکل ضروری نہ تھا'' [1]

پس صوبائی حکومت اور مرکزی حکومت، وزیر اعلیٰ، پرائم منسٹر اور معزز عدالت کے نزدیک یہ مطالبات کئی وجوہ سے غیر معقول اور لائقِ قبول نہ تھے بلکہ قطعاً قابلِ ردّ تھے جیسا کہ بالآخر ظہور میں آیا۔

بین الاقوامی رائے

مؤلفِ محاسبہ نے لکھا ہے کہ فاضل جج اِس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ :-

''خواجہ ناظم الدین نے کسی ملکی مفاد کے پیشِ منظر ایسا نہیں کیا بلکہ انہیں باہر کے اُن ملکوں کے رائے کا خوف لاحق تھا جہاں چودھری ظفر اللہ خان کو بہت کچھ عزّت واحترام سے دیکھا جاتا ہے۔'' [2]

نیز لکھا ہے کہ :-

''فاضل جج صاحبان نے اِس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے کہ اگر علمائے اسلام کے یہ مطالبات مان لئے جاتے تو فساد برپا نہ ہوتا۔ اِس صورت میں ''چودھری ظفر اللہ خان کے عزل وطرد پر بین الاقوامی حلقوں میں کچھ ہلچل مچتی لیکن پاکستان کی آبادی (حکومت کے) اس اقدم پر نعرہ ہائے تحسین بلند کرتی۔'' [3]

اِن دونوں اقتباسوں سے مؤلفِ محاسبہ نے یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ فاضل جج اِس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ خواجہ ناظم الدین صاحب نے کسی ملکی مفاد کے پیشِ نظر نہیں بلکہ صرف بیرونی ملکوں کی رائے سے خائف ہو کر مطالبات ردّ کر دیئے اور چودھری ظفر اللہ خان کو معزول نہیں کیا۔ بحالیکہ فاضل ججوں کی طرف اِس کا منسوب کرنا قطعاً غلط ہے کیونکہ وہ ہرگز اِس نتیجہ پر نہیں پہنچے ہیں جو مؤلفِ محاسبہ نے محض غلط فہمی پھیلانے کی غرض سے انکی طرف منسوب کیا ہے۔ بلکہ برخلاف اسکے فاضل جج تو اِس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ خواجہ صاحب نے کئی ایک دُوررس نتائج کے خیال سے جو مفادِ ملکی کے بالکل خلاف تھے مطالبات کو منظور نہیں کیا ہوگا اور چودھری ظفر اللہ خان کو معزول نہ کیا۔ اور فاضل ججوں نے وہ دُوررس نتائج پوری صراحت سے اپنی رپورٹ میں درج بھی کر دیئے ہیں اور اس جگہ ان کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :-

''پھر خواجہ ناظم الدین نے یہ (مطالبات کو منظور کرنیکا۔ ناقل) راستہ کیوں نہ اختیار کیا۔ ان کا قول یہ ہے کہ یہ راستہ نہ محض اسلئے اختیار نہ کیا گیا کہ ایسا اعلان دوسرے مُسلم ممالک میں مؤثر نہ ہوتا بلکہ اس اقدام کے دُوررس نتائج کا خیال حائل ہو گیا جو اِس رپورٹ کے دوسرے مقام پر بیان کئے جا چکے ہیں۔'' [4]

---

[1] رپورٹ صفحہ ۴۲۳-۴۲۴ | [2] محاسبہ صفحہ ۳۴ | [3] محاسبہ صفحہ ۳۴ | [4] رپورٹ صفحہ ۳۰۳

وہ دُوررس نتائج کیا تھے؟

فاضل جج لکھتے ہیں کہ :-

''ان مطالبات کی منظوری کی صورت میں جو نتائج رونما ہونے تھے وہ خواجہ صاحب کے ضرور ذہن میں آئے ہونگے اور وہ مختصراً یہ ہیں :-

۱- خواجہ صاحب نے محسوس کیا ہوگا کہ مطالبات تو محض ''فانے کا پتلا سرا'' ہیں جو ٹھونکا جا رہا ہے۔ اور اگر یہ اصول تسلیم کر لیا گیا کہ ایسے مذہبی مسائل کے متعلق بحث و فیصلہ مملکت کا کام ہے تو شائد انہیں بھی زیادہ دشوار مطالبات کا سامنا کرنا پڑے۔

۲- ان مطالبات کے تسلیم کر لینے سے نہ صرف دنیائے اسلام بلکہ بین الاقوامی دُنیا پر کیا اثرات مرتّب ہونگے۔ کیونکہ ان مطالبات کی تہ میں ایک لازمی مفروضہ یہ تھا کہ ایک اسلامی مملکت میں مسلموں اور غیر مسلموں کے حقوق کے درمیان بنیادی فرق ہوگا اور اس قسم کی مملکت کے معمولی فرائض میں یہ فیصلہ کرنا بھی شامل ہوگا کہ فلاں فرد یا فلاں جماعت مسلمان ہے یا نہیں۔

۳- چودھری ظفر اللہ خان اور دوسرے احمدیوں کو جو مملکت کے اہم سرکاری عہدوں پر فائز ہیں برطرف کرنے کا مطالبہ ایک اور پیچیدہ مسئلہ پیش کرتا تھا۔ چودھری ظفر اللہ خان بین الاقوامی دُنیا میں نہایت مشہور و محترم شخصیت تھے انکی برطرفی کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ اسکی وسیع اشاعت ہوتی اور اس پر بین الاقوامی تبصرے کئے جاتے اور ایسی تشریح کرنا بے انتہا مشکل ہو جاتا جس سے بین الاقوامی شعور مطمئن ہوسکتا۔

۴- قانونِ دستور کے ماتحت چودھری ظفر اللہ خان اور دوسرے عہدیدار محض مذہبی عقائد کی بناء پر ملازمت سے علیحدہ نہیں کئے جا سکتے تھے کیونکہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی ۶/اکتوبر ۱۹۵۰ء ہی میں پاکستان کے شہریوں کے بنیادی حقوق کے متعلق ایک عبوری رپورٹ منظور کر چکی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ ہر مستند شہری مذہب، نسل، ذات، جنس اور مقامِ ولادت کے امتیاز کے بغیر ملازمت میں تقرر کا حقدار ہے اور اس امر کی ضمانت دی گئی تھی کہ آزادئ ضمیر اور اپنے مذہب کے تسلیم، تعمیل اور تبلیغ کا حق ہر شہری کے لئے محفوظ ہے۔

۵- انجمن اقوام متحدہ (جس کا ممبر پاکستان بھی ہے) کی جنرل اسمبلی کے انسانی حقوق کے متعلق مقرر کردہ کمیشن نے انسانی حقوق کے بارے میں جو بین الاقوامی میثاق مرتب کیا تھا اسکی میثاق دفعہ ۱۳ کا منشاء یہ ہے کہ ہر شخص کو فکرِ ضمیر اور مذہب کی آزادی کا حق ہوگا جس میں اپنے مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اس مذہب یا عقیدے کو تعلیم، امن، عبادت اور ادائے رسوم میں ظاہر کرنیکی آزدی بھی شامل ہے۔ لہٰذا اگر یہ مطالبات منظور کر لئے جاتے تو بین الاقوامی حلقوں میں خاصہ اضطراب پیدا ہو جاتا اور مطالبات کی منظوری اِس امر کا اعلانِ عام سمجھی جاتی کہ پاکستان اپنی شہریت کو ان وجوہ پر مبنی قرار دے رہا ہے جو دوسری قوموں کے مقابلے میں بنیادی طور پر مختلف ہیں اور غیر مسلم محض اپنے عقائدِ مذہبی کی بناء پر پاکستان میں سرکاری عہدوں پر فائز ہونے سے محروم کئے جا رہے ہیں۔

۶- ہندوستان پاکستان کو رُسوا اور بدنام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ لہٰذا وہ اِس موقع سے بھی ضرور فائدہ اٹھاتا۔ ہندوستان میں بھی فرقہ وار مسئلہ موجود ہے وہ یقیناً پاکستان پر اس معاہدے کی خلاف ورزی کا الزام عائد کرتا جو ۸/اپریل ۱۹۵۰ء کو

حکومت ہند اور حکومت پاکستان کے درمیان قرار پایا تھا۔ اور جس کے ماتحت دونوں حکومتوں نے اقلیتوں کے افراد کو اس امر کی ضمانت دی تھی کہ اُن کو اپنے اپنے ملک کی پبلک زندگی میں حصّہ لینے، سیاسی اور دوسرے عہدوں پر فائز ہونے اور سول محکموں اور مسلح فوجوں میں ملازمت کرنیکے حقوق، اکثریتوں کے افراد کے بالکل مساوی ہوں گے۔ اور یہ حقوق اس معاہدے میں بنیادی قرار دیئے گئے تھے۔

ہندوستان کو احمدی مذہب یا احمدیوں سے کوئی غرض نہ تھی۔ نہ ایسے مذہبی جھگڑوں سے کوئی سروکار تھا جن سے وہ بخیر و عافیت گذر چکا ہے لیکن وہ مطالبات کی منظوری کے نتائج کو ضرور فوراً محسوس کرتا اور صحیح طور پر یہ مقدمہ پیش کرتا کہ اگر احمدیوں کو مملکت میں سرکاری عہدوں پر فائز ہونے کی اجازت نہیں دی جاسکتی تو ہندوؤں کو (جن سے ہندوستان کو وابستگی ہے) کیونکر دی جائے گی۔'' [1]

یہ وہ دُوررس نتائج تھے جو مطالبات کی منظوری میں حائل ہوئے جن کی اہمیت کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی تھی۔ اسلئے خواجہ صاحب نے پہلے تو علماء کے ساتھ اپنے مذاکرات کو اِس امیدِ موہوم پر طول دیا کہ وہ مطالبات کو ترک کر دیں گے لیکن آخر کار خواجہ صاحب نے مطالبات کو رد کر دیا اور ساتھ ہی علماء کی گرفتاری کا حکم دیدیا۔ [2]

اِن تصریحات کی موجودگی میں مؤلفِ محاسبہ کا عدالت کی طرف سے یہ منسوب کرنا کہ اسکے نزدیک اگر خواجہ صاحب مطالبات منظور کر لیتے تو صرف چودھری ظفر اللہ خاں صاحب کی معزولی پر بین الاقوامی حلقوں میں معمولی سی کچھ ہلچل مچتی کیونکر جائز اور درست ہوسکتا ہے جبکہ عدالت نے اسی جگہ مذکورہ بالا ''دُوررس نتائج'' کی طرف رپورٹ میں اشارہ کر دیا تھا۔ اور ان دُوررس نتائج سے ظاہر ہے کہ مطالبات کی منظوری مفادِ ملکی کے سراسر خلاف تھی اور اس سے ملک کو طرح طرح کی دقتیں اور دشواریاں پیش آنے کا اندیشہ تھا۔

کیا بچّہ زندہ ہے؟

اِن تمام تصریحات کے باوجود مؤلفینِ تبصرہ بحوالہ انگریزی رپورٹ صفحہ ۲۸۶ لکھتے ہیں کہ عدالت خود کہتی ہے :-

''یہ بچّہ (یعنی قادیانی مسئلے کا فتنہ خیز بچّہ ❁) ابھی زندہ ہے اور منتظر ہے کہ کوئی اُسے اُٹھالے۔'' [3]

اور مؤلفِ محاسبہ لکھتے ہیں کہ :-

''فاضل جج صاحبان کے ان ریمارکس سے واضح طور پر کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ آیا عدالت نے اس بچّے کو جسے باشندگانِ ملک کی سرپرستی حاصل ہے وہ حاضر کی بین الاقوامی دُنیا کی چہ مگوئیوں کے خوف سے کشتنی اور گردن زدنی قرار دے دیا ہے یا اس کے زندہ رہنے کا حق تسلیم کیا ہے۔ لیکن یہ چاہا ہے کہ سیاسی رہزن اور طالع آزما اور مجہول الکیف اشخاص اس کے سرپرست نہ بننے پائیں اور اُسے اپنی دُنیوی اغراض کے لئے استعمال نہ کریں۔'' [4]

❁ اِس جگہ انگریزی رپورٹ میں demands کا لفظ موجود ہے۔ اور اس کے اُردو ترجمہ میں صاف لکھا ہے کہ ''اگر مطالبات کو ننھے بچے سے تشبیہہ دی جائے'' (رپورٹ صفحہ ۳۱۷) اور مؤلف محاسبہ نے بھی ''مطالبات کا یہ بچہ'' ترجمہ کیا ہے (محاسبہ صفحہ ۳۵) لیکن تبصرہ کے صالح مؤلفین نے لکھا ہے کہ عدالت خود کہتی ہے کہ یہ بچہ (یعنی قادیانی مسئلہ کا فتنہ خیز بچہ) ابھی زندہ ہے اور یہ انداز صرف اسلئے اختیار کیا گیا ہے تا جن لوگوں نے رپورٹ نہ پڑھی ہو وہ سمجھ لیں کہ مذکورہ بچّے کو خود عدالت نے قادیانی مسئلے کا فتنہ خیز بچّہ قرار دیا ہے نہ کہ ''مطالبات کا بچّہ''۔

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۵۱ تا ۲۵۳ | [2] رپورٹ صفحہ ۲۵۳ | [3] تبصرہ صفحہ ۲۰۶ | [4] محاسبہ صفحہ ۳۶

ہماری رائے

یہ مطالبات کا ''ننھا بچّہ'' جس کے متعلق خواجہ ناظم الدین صاحب نے اپنی شہادت میں شکایت کی تھی کہ مسٹر دولتانہ یہ چاہتے ہیں کہ :-

''میں ننھے کو لئے رہوں''

جو مطابق رپورٹ احرار نے جنا اور علماء کو متبنّیٰ بنانے کے لئے پیش کیا اور انہوں نے اس کا باپ بننا منظور کر لیا اور مسٹر دولتانہ نے میر نور احمد ڈائریکٹر تعلقاتِ عامہ کی مدد سے نہر کھدوا کر جسے خود دولتانہ اور اخبارات نے پانی مہیّا کیا تھا، صندوق میں ڈالکر مرکز کی طرف بہا دیا لیکن خواجہ ناظم الدین نے اسے گود میں لینے سے انکار کیا اور پرے پھینک دیا۔

اب وہ بچّہ اپنی عدم کفالت کی وجہ سے مُردہ بشکل زندہ ہے۔ گو اس کے پیدا کرنے والے اپنی جماعتی حیثیت سے ناپید ہو چکے ہیں اور اُسے متبنّیٰ بنانے والے علماء کی حالت جیسا کہ ''نوائے وقت'' میں زیرِ عنوان ''سچّی باتیں'' لکھا ہے، یہ ہے کہ :-

''ہمارے ملک میں علمائے دین کا جو تھوڑا بہت وقار تھا وہ انٹی قادیانی تحریک کے دوران میں بالکل ختم ہو گیا ہے۔ خصوصاً تحقیقاتی عدالت میں تو ان حضرات نے اپنے علم و فہم و نظر کا جو ثبوت دیا ہے اس کے بعد تو شائد ہی دین کی کچھ قدر و منزلت ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ میں باقی رہ جائے۔'' [1]

اور اب ان کے بعض رفقائے کار مثلاً مؤلفینِ تبصرہ اعلانیہ کہہ رہے ہیں :

''حکومت نے مارشل لاء لگا کر اور سوا دو مہینے تک عوام کے سینے پر مونگ دَل کر لوگوں کو خوف زدہ کر دیا۔''

''کیا عوام کے احساسات اور ان کے خیالات و جذبات کو دنیا میں کبھی رائفلوں اور کورٹ مارشلوں سے بدلا جا سکا ہے۔ جو یہاں اِن چیزوں سے اِس معجزے کی توقع کی جائے۔'' [2]

اور وہ بچّہ خود راہ دیکھ رہا ہے کہ کوئی ''سیاسی ڈاکو'' یا ''طالع آزما'' آئے اور اسے گود میں اُٹھا لے۔ اللہ تعالےٰ مملکتِ پاکستان کو ایسے ''سیاسی ڈاکوؤں'' اور ''طالع آزماؤں'' اور ''گمنام و بے حیثیت آدمیوں'' کے شر سے محفوظ رکھے۔

اللّٰھمَّ اِنَّا نجعلك فی نحورھم و نعوذبك من شرورھم

اللّٰھمَّ آمین

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَّبِ العٰلَمِیْن

www.ThePersecution.org

[1] نوائے وقت ۲۳ر فروری ۱۹۵۵ء | تبصرہ صفحہ ۲۰۶